

چودہ ستارے

مصنف

علامہ نجم الحسن کراروی

<http://www.alhassanain.com> &
<http://www.essenceofblessings.com>

فہرست

حضرت	محمد	صلی	اللہ	علیہ	وآلہ	وسلم
حضرت	علی	علیہ	السلام			
حضرت	فاطمہ	زیر اسلام	اللہ	علیہا		
حضرت	امام	حسن	علیہ	السلام		
حضرت	امام	حسین	علیہ	السلام		
حضرت	امام	زین	العابدین	علیہ	السلام	
حضرت	امام	محمد باقر	علیہ	السلام		
حضرت	امام	جعفر صادق	علیہ	السلام		
حضرت	امام	موسیٰ	کاظم	علیہ	السلام	
حضرت	امام	علی	رضا	علیہ	السلام	
حضرت	امام	محمد	تقی	علیہ	السلام	
حضرت	امام	علی	نقی	علیہ	السلام	
حضرت	امام	حسن	عسکری	علیہ	السلام	
حضرت	امام	محمد	مہدی	علیہ	السلام	

حضرت خدیجہ تاریخ کے آئینہ میں

مصنف: علامہ نجم الحسن کراروی

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرت کی ولادت باسعادت

آپ کے نوروجود کی خلقت ایک روایت کی بنیاد پر حضرت آدم کی تخلیق سے ۹ لاکھ برس پہلے اور دوسری روایت کی بنیاد پر ۴ - ۵ لاکھ سال قبل ہوئی تھی، آپ کانور اقدس اصلاب طاہرہ، اور ارحام مطہرہ میں ہوتا ہوا جب صلب جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہنچا تو آپ کا ظہور و شہود بشکل انسانی میں بطن جناب ”آمنہ بنت وہب“ سے مکہ معظمہ میں ہوا۔

آنحضرت کی ولادت کے وقت حیرت انگیز واقعات کا ظہور

آپ کی ولادت سے متعلق بہت سے ایسے امور رونما ہوئے جو حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً آپ کی والدہ ماجدہ کو بار حمل محسوس نہیں ہوا اور وہ تولید کے وقت کثافتوں سے پاک تھیں، آپ مختون اور ناف بریدہ تھے آپ کے ظہور فرماتے ہی آپ کے جسم سے ایک ایسا نور ساطع ہوا جس سے ساری دنیا روشن ہو گئی، آپ نے پیدا ہوتے ہی دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر سجدہ خالق ادا کیا۔ پھر آسمان کی طرف سر بلند کر کے تکبیر کہی اور لا الہ الا اللہ انا رسول اللہ زبان پر جاری کیا۔

بروایت ابن واضح المتوفی ۲۹۲ ھ شیطان کو رجم کیا گیا اور اس کا آسمان پر جانا بند ہو گیا، ستارے مسلسل ٹوٹنے لگے تمام دنیا میں ایسا زلزلہ آیا کہ تمام

دنیا کے کینسے اور دیگر غیر اللہ کی عبادت کرنے کے مقامات منہدم ہو گئے ،
 جادو اور کہانت کے ماہر اپنی عقلیں کھو بیٹھے اور ان کے موکل محبوس ہو گئے
 ایسے ستارے آسمان پر نکل آئے جنہیں کسی کبھی کسی نے دیکھا نہ تھا۔ ساوہ
 کی وہ جھیل جس کی پرستش کی جاتی تھی جو کاشان میں ہے وہ خشک ہو گئی
 - وادی سماوہ جو شام میں ہے اور ہزار سال سے خشک پڑی تھی اس میں پانی
 جاری ہو گیا، دجلہ میں اس قدر طغیانی ہوئی کہ اس کا پانی تمام علاقوں میں
 پھیل گیا محل کسری میں پانی بھر گیا اور ایسا زلزلہ آیا کہ ایوان کسری کے ۱۴
 کنگرے زمین پر گر پڑے اور طاق کسری شگافتہ ہو گیا، اور فارس کی وہ آگ
 جو ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھی، فوراً بجھ گئی۔ (تاریخ اشاعت اسلام

دیوبندی ۲۱۸ طبع (لاہور)

اسی رات کو فارس کے عظیم عالم نے جسے (موبدان موبذ) کہتے تھے، خواب
 میں دیکھا کہ تندوسرکش اور وحشی اونٹ، عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں
 اور انہیں بلاد فارس میں متفرق کر رہے ہیں، اس نے اس خواب کا بادشاہ سے
 ذکر کیا۔ بادشاہ نوشیروان کسری نے ایک قاصد کے ذریعہ سے اپنے حیرہ کے
 کورنر نعمان بن منذر کو کھلا بھیجا کہ ہمارے عالم نے ایک عجیب و غریب خواب
 دیکھا ہے تو کسی ایسے عقلمند اور ہوشیار شخص کو میرے پاس بھیج دے
 جو اس کی اطمینان بخش تعبیر دے کر مجھے مطمئن کر سکے۔ نعمان بن
 منذر نے عبدالمسیح بن عمر الغسافی کو جو بہت لائق تھا بادشاہ کے پاس بھیج
 دیا نوشیروان نے عبدالمسیح سے تمام واقعات بیان کئے اور اس سے تعبیر کی

خواہش کی اس نے بڑے غور و خوض کے بعد عرض کی ”اے بادشاہ شام میں میرا اماموں ”سطیح کاہی“ رہتا ہے وہ اس فن کا بہت بڑا عالم ہے وہ صحیح جواب دے سکتا ہے اور اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہے نوشیرواں نے عبدالسیح کو حکم دیا کہ فوراً شام چلا جائے چنانچہ روانہ ہو کر دمشق پہنچا اور بروایت ابن واضح ”باب جابیہ“ میں اس سے اس وقت ملا جب کہ وہ عالم احتضار میں تھا، عبدالسیح نے کان میں چیخ کر اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ ایک عظیم ہستی دنیا میں آچکی ہے جب نوشیرواں کونسل کے ۱۴ مردوزن حکمران کنگروں کے عدد کے مطابق حکومت کر چکیں گے تو یہ ملک اس خاندان سے نکل جائے گا ثم ”فاضت نفسہ“ یہ کہہ کر وہ مر گیا۔ (روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۵۶، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۸۳، حیات القلوب ج ۲ ص ۴۶، الیعقوبی ص ۹)۔

آپ کی تاریخ ولادت

آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے بعض مسلمان ۲ ربیع الاول بعض ۶ ربیع الاول اہل تسنن ۱۷ ربیع الاول ۱ عام الفیل مطابق ۵۷۰ کو صحیح سمجھتے ہیں۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ حیات القلوب ج ۲ ص ۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ علماء امامیہ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ آپ ۱۷ ربیع الاول ۱ عام الفیل یوم جمعہ بوقت شب یا بوقت صبح صادق ”شعب ابی طالب“ میں پیدا ہوئے ہیں،

اس وقت انوشیرواں کسری کی حکومت کابیلیسواں سال تھا۔

آپ کی پرورش و پرداخت اور آپ کا بچپنا

مورخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ بروایت آپ کے پیدا ہونے سے پہلے اور بروایت آپ دوماہ کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپ کے والد ”عبداللہ“ کا انتقال بمقام مدینہ ہو گیا کیونکہ وہیں تجارت کے لئے گئے تھے انہوں نے سوئے پانچ اونٹ اور چند بھیڑوں اور ایک حبشی کنیز برکت (ام ایمن) کے اور کچھ ورثہ میں نہ چھوڑا۔ حضرت آمنہ کو حضرت عبداللہ کی وفات کا اتنا صدمہ ہوا کہ دودھ خشک ہو گیا۔ چونکہ مکہ کی آب و ہوا بچوں کے چنداں موافق نہ تھی اس واسطے نواح کی بدو عورتوں میں سے دودھ پلانے کے واسطے تلاش کی گئی انا کے دستیاب ہونے تک ابولہب کی کنیزک، ثویبہ نے آنحضرت کو تین چار مہینے تک دودھ پلایا اقوام بدو کی عادت تھی کہ سال میں دو مرتبہ بہار اور موسم خزاں میں دودھ پلانے اور بچے پالنے کی نوکری کی تلاش میں آیا کرتی تھیں آخر حلیمہ سعدیہ کے نصیبہ نے زور کیا اور وہ آپ کو اپنے گھلے گئیں اور آپ حلیمہ کے پاس پرورش پانے لگے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۲ ، تاریخ ابوالفداء ج ۲ ص ۲۰) ۔

مجھے اس تحریر کے اس جزء سے کہ رسول خدا کو ثویبہ اور حلیمہ نے دودھ پلایا، اتفاق نہیں ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ آپ میں نمو کی قوت اپنے سن کو اعتبار سے بہت زیادہ

تھی جب تین ماہ کے ہوئے تو کھڑے ہونے لگے اور جب سات ماہ کے ہوئے تو چلنے لگے، آٹھویں مہینے اچھی طرح بولنے لگے، نویں مہینے اس فصاحت سے کلام کرنے لگے کہ سننے والوں کی حیرت ہوتی تھی۔

آپ کی سایہ رحمت مادری سے محرومی

آپ کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو سایہ مدارس سے محروم ہو گئے آپ کی والدہ جناب آمنہ بنت وہب حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ گئی تھیں وہاں انہوں نے ایک ماہ قیام کیا، جب واپس آنے لگیں تو بمقام ابواء (جو کہ مدینہ سے ۲۲ میل دور مکہ کی جانب واقع ہے) انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں آپ کی خادمہ ام ایمن، آپ کو لے کر مکہ آئیں۔ (روضۃ الاحباب ۱ ص ۶۷)۔

جب آپ کی عمر ۸ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا ”عبدالطلب“ کا ۱۲۰ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ عبدالطلب کی وفات کے بعد آپ کے بڑے چچا جناب ابوطالب اور آپ کی چچی جناب فاطمہ بنت اسد نے فرائض تربیت اپنے اوپر عائد کئے۔ اور اس شان سے تربیت کی کہ دنیائے آپ کی ہمدردی اور خلوص کالوہامان لیا عبدالطلب کے بعد ابوطالب بھی خانہ کعبہ کے محافظ اور متولی اور سردار قریش تھے حضرت علی فرماتے ہیں کہ کوئی غریب اس شان کا سردار نہیں ہو جس شان و شوکت کی سرداری میرے پدر محترم کو خدانے دی تھی (الیعقوبی ج ۲ ص ۱۱)۔

حضرت ابوطالب کو حضرت عبدالمطلب کی وصیت و ہدایت

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کا وقت وفات قریب پہنچا تو انہوں نے آنحضرت کو اپنے سینے سے لگایا اور سخت گریہ کیا اور اپنے فرزند ابوطالب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”اے ابوطالب یہ تیرے حقیقی بھائی کا بیٹا ہے اس دریگانہ کی حفاظت کرنا، اسے اپنا نور نظر اور لخت جگر سمجھنا، اس کے تفقد و خبر گیری میں کوتاہی نہ کرنا اور دست و زبان اور جان و مال سے اس کی اعانت کرتے رہنا“ (روضة الاحباب)

حضرت ابوطالب کے تجارتی سفر شام میں آنحضرت کی ہمراہی اور بحیرئہ

رابع کا واقعہ

حضرت ابوطالب جو تجارتی سفر میں اکثر جایا کرتے تھے جب ایک دن روانہ ہونے لگے، تو آنحضرت کو جن کی عمر اس وقت بروایت طبری وابن اثیر ۹ سال اور بروایت ابوالفداء وابن خلدون ۱۳ سال کی تھی، اپنے بال بچوں میں چھوڑ دیا۔ اور چاہا کہ روانہ ہو جائیں یہ دیکھ کر آنحضرت نے اصرار کیا کہ مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلئے آپ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میرا نتیجہ یتیم ہے انہیں اپنے ہمراہ لے لیا اور چلتے چلتے جب شہر بصرہ کے قریب کفر پہنچے جو کہ شام کی سرحد پر ۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے جو اس وقت بہت بڑی منڈی تھی اور وہاں نسطوری عیسائی رہتے تھے وہاں ان کے ایک نسطوری راہبوں کے معبد کے پاس قیام کیا راہبوں نے آنحضرت اور ابوطالب

کی بڑی خاطر داری کی پھران میں سے ایک نے جس کانام جرجیس اور کنیت ”ابوعداس“ اور لقب بحیراراہب“ تھا آپ کے چہرہ مبارک سے آثار عظمت و جلالت اور اعلیٰ درجے کے کمالات عقلی اور محامداخلاق نمایاں دیکھ کر اور ان صفات سے موصوف پاکر جو اس نے توریت اور انجیل اور دیگر کتب سماوی میں پڑھی تھیں، پہچان لیا کہ یہی پیغمبر آخر الزمان ہیں، ابھی اس نے اظہار خیال نہ کیا تھا کہ ناگاہ لکنہ ابرکوسایہ فگنی کرتے ہوئے دیکھا، پھر شانہ کھلو کر مہرنبوت پر نگاہ کی، اس کے بعد فوراً مہرنبوت کا بوسہ لیا اور نبوت کی تصدیق کر کے ابوطالب سے کہا کہ اس فرزندارجمند کا دین تمام عرب و عجم میں پھیلے گا اور یہ دنیا کے بہت سے حصے کامالک بن جائے گا یہ اپنے ملک کو آزاد کرانے گا اور اپنے اہل وطن کونجات دلانے گا اے ابوطالب اس کی بڑی حفاظت کرنا اور اس کو اعداء کے شر سے بچانے کی پوری کوشش کرنا، دیکھو کہ ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ یہودیوں کے ہاتھ لگ جائے پھر اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم شام نہ جاؤ اور اپنا مال یہیں فروخت کر کے مکہ واپس چلے جاؤ چنانچہ ابوطالب نے اپنا مال باہر نکالا وہ حضرت کی برکت سے آنا فانا بہت زیادہ نفع پر فروخت ہو گیا اور حضرت ابوطالب واپس مکہ چلے گئے۔ (روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۷۱ ، تنقید الکلام ص ۳۰) ایروننگ ص ۲۴ ، تفریح الاذکار وغیرہ۔

جناب خدیجہ کے ساتھ آپ کی شادی خانہ آبادی

جب آپ کی عمر پچیس سال کی ہوئی اور آپ کے حسن سیرت، آپ کی راستبازی، صدق اور دیانت کی عام شہرت ہو گئی اور آپ کو صادق و امین کا خطاب دیا جا چکا تو جناب خدیجہ بنت خویلد نے جو انتہائی پاکیزہ نفس، خوش اخلاق اور خاندان قریش میں سب سے زیادہ دولت مند تھیں ایسے حال میں اپنی شادی کا پیغام پہنچایا جب کہ ان کی عمر چالیس سال کی تھی پیغام عقلمنظور ہوا اور حضرت ابوطالب نے نکاح پڑھا (تلخیص سیرت النبی علامہ شبلی ص ۹۹ طبع لاہور ۱۹۶۵ء۔ مورخ ابن واضح المتوفی ۲۹۲ء کابیان ہے کہ حضرت ابوطالب نے جو خطبہ نکاح پڑھا تھا اس کی ابتداء اس طرح تھی۔ الحمد للہ الذی جعلنا من زرع ابراہیم و ذریتہ اسماعیل الخ تمام تعریفیں اس خدائے واحد کے لئے ہیں جس نے ہمیں نسل ابراہیم اور ذریت اسماعیل سے قرار دیا ہے (یعقوبی ج ۲ ص ۱۶ طبع نجف اشرف) مؤرخین کابیان ہے کہ حضرت خدیجہ کامہر بارہ اونس سونا اور ۲۵ اونٹ مقرر ہوا جسے حضرت ابوطالب نے اسی وقت ادا کر دیا۔ (مسلمان عالم ص ۳۸ طبع لاہور) تواریخ میں ہے کہ جناب خدیجہ کی طرف سے عقد پڑھنے والے ان کے چچا عمرو ابن اسد اور حضرت رسول خدا کی طرف سے جناب ابوطالب تھے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۸۷ طبع لاہور ۱۹۶۲ء۔ ایک روایت میں ہے کہ شادی کے وقت جناب خدیجہ باکرہ تھیں یہ واقعہ نکاح ۵۹۵ء کا ہے۔ مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ رسول خدا کے ساتھ خدیجہ کا یہ پہلا عقد تھا۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۹ میں ہے کہ جب تک خدیجہ زندہ

رہیں رسول کریم نے کوئی عقد نہیں کیا۔

کوہ حرام میں آنحضرت کی عبادت گزاری

تواریخ میں ہے کہ آپ نے ۳۸ سال کی عمر میں ”کوہ حرا“ جسے جبل ثور بھی کہتے ہیں کو اپنی عبادت گزاری کی منزل قرار دیا اور اس کے ایک غار میں بیٹھ کر جس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈیڑھ ہاتھ تھی عبادت کرتے تھے اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر لذت محسوس کرتے تھے یوں تو دودو، چار چار شبانہ روز وہاں رہا کرتے تھے لیکن ماہ رمضان سارے کا سارا وہیں گزراتے تھے۔

آپ کی بعثت

مورخین کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی عالم تنہائی میں مشغول عبادت تھے کہ آپ کے کانوں میں آواز آئی ”یا محمد“ آپ نے ادھر ادھر دیکھا کوئی دکھائی نہ دیا۔ پھر آواز آئی پھر آپ نے ادھر ادھر دیکھا ناگاہ آپ کی نظر ایک نورانی مخلوق پر پڑی وہ جناب جبرائیل تھے انہوں نے کہا کہ ”اقرا“ پڑھو، حضور نے ارشاد فرمایا ”ما اقراء۔“ کیا پڑھوں انہوں نے عرض کی کہ ”اقراء باسم ربک الذی خلق الخ“ پھر آپ نے سب کچھ پڑھ دیا۔ کیونکہ آپ کو علم قرآن پہلے سے حاصل تھا جبرائیل کے اس تحریک اقراء کا مقصد یہ تھا کہ نزول قرآن کی ابتداء ہو جائے اس وقت آپ کی عمر چالیس سال ایک یوم تھی اس کے بعد جبرائیل نے وضو اور نماز کی طرف اشارہ

کیا اور اس کی تعداد رکعات کی طرف بھی حضور کو متوجہ کیا چنانچہ حضور والانے وضو کیا اور نماز پڑھی آپ نے سب سے پہلے جو نماز پڑھی وہ ظہر کی تھی پھر حضرت وہاں سے اپنے گھر تشریف لائے اور خدیجۃ الکبریٰ اور علی ابن ابی طالب سے واقعہ بیان فرمایا۔ ان دونوں نے اظہار ایمان کیا اور نماز عصر ان دونوں نے جماعت ادا کی یہ اسلام کی پہلی نماز جماعت تھی جس میں رسول کریم امام اور خدیجہ اور علی ماموم تھے۔ آپ درجہ نبوت پر بدو فطرت ہی سے فائز تھے، ۲۷ رجب کو مبعوث برسالت ہوئے حیات القلوب کتاب المنتقی، مواہب اللدنیہ) اسی تاریخ کو نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔

دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ اور اعلان رسالت و وزارت

بعثت کے بعد آپ نے تین سال تک نہایت رازداری اور پوشیدگی کے ساتھ فرائض کی ادائیگی فرمائی اس کے بعد کھلے بندوں تبلیغ کا حکم آگیا ”فاصدع بما توامر“ جو حکم دیا گیا ہے اس کی تکمیل کرو میں اس مقام پر ”تاریخ ابوالفداء کے اس ترجمہ کی لفظ بہ لفظ عبارت نقل کرتا ہوں جسے مولانا کریم الدین حنفی انسپکٹر مدارس پنجاب نے ۱۸۴۶ء میں کیا تھا۔ ”واضح ہو کہ تین برس تک پیغمبر خدا دعوت فطرت اسلام خفیہ کرتے رہے مگر جب کہ یہ آیت نازل ہوئی ”وانذر عشیرتک الاقربین“ یعنی ڈرا اپنے کنبے والوں کو جو قریب رشتہ کے ہیں اس وقت حضرت نے بموجب حکم خدا کے

اظہار کرنا دعوت کا شروع کیا بعد میں نازل ہونے سے اس آیت کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی سے ارشاد فرمایا کہ ”اے علی ایک پیمانہ کھانے کا میرے واسطے تیار کرو اور ایک بکری کا پیراس پر چھو الے اور ایک بڑا کانسہ دودھ کا میرے واسطے لا اور عبدالمطلب کی اولاد کو میرے پاس بلا کر لا تاکہ میں اس سے کلام کروں اور سنائوں ان کو وہ حکم کہ جس پر جناب باری سے مامور ہو ابوں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہ کھانا ایک پیمانہ بموجب حکم تیار کر کے اولاد عبدالمطلب کو جو قریب چالیس آدمی کے تھے بلایا، ان آدمیوں میں حضرت کے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس بھی تھے اس وقت حضرت علی نے وہ کھانا جو تیار کیا تھا لا کر حاضر کیا۔

سب کھاپی کر سیر ہو گئے حضرت علی نے ارشاد کیا کہ جو کھانا ان سب آدمیوں نے کھایا ہے وہ ایک آدمی کی بھوک کے موافق تھا اس اثناء میں حضرت چاہتے تھے کہ کچھ ارشاد کریں کہ ابولہب جلد بول اٹھا اور یہ کہا کہ محمد نے بڑا جادو کیا یہ سنتے ہی تمام آدمی الگ الگ ہو گئے تھے ، چلے گئے پیغمبر خدا کچھ کہنے نہ پائے تھے یہ حال دیکھ کر جناب رسالت مآب نے ارشاد کیا کہ ایسے علی دیکھتوں نے اس شخص نے کیسی سبقت کی مجھ کو بولنے ہی نہ دیا اب پھر کل کو تیار کر جیسا کہ آج کیا تھا اور پھر ان کو بلا کر جمع کر۔ چنانچہ حضرت علی نے دوسرے روز پھر موافق ارشاد آنحضرت کے وہ کھانا تیار کر کے سب لوگوں کو جمع کیا، جب وہ کھانے سے فراغت پا چکے اس

وقت رسول اللہ نے ارشاد کیا کہ ”تم لوگوں کی بہت اچھی قسمت اور نصیب ہے کیونکہ ایسی چیز میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں کہ اس سے تم کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور لے آیا ہوں تمہارے پاس دنیا و آخرت میں اچھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری ہدایت کا حکم فرمایا ہے کوئی شخص تم میں سے اس امر کا اقتداء کر کے میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ بننا چاہتا ہے اس وقت سب موجود تھے اور حضرت پر ایک ہجوم تھا اور حضرت علی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا اور آنکھیں ان کو پھوڑوں گا اور پیٹ چیروں گا اور ٹانگیں کاٹوں گا اور آپ کا وزیر ہوں گا حضرت نے اس وقت علی مرتضیٰ کی گردن پر ہاتھ مبارک رکھ کر ارشاد کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے تمہارے درمیان اس کی سنو اور اطاعت قبول کرو۔ یہ سن کر سب قوم کے لوگ از روئے تمسخرے ہنس کر کھڑے ہو گئے اور ابوطالب سے کہنے لگے کہ اپنے بیٹے کی بات سن اور اطاعت کر یہ تجھے حکم ہوا ہے الخ ص ۳۳ تا ص ۳۶ طبع لاہور۔

حضرت رسول کریم شعب ابی طالب میں (محرم ۷ء بعثت)

مورخین کا بیان ہے کہ جب کفار قریش نے دیکھا کہ اسلام روز افزوں ترقی کرتا چلا جا رہا ہے تو سخت مضطرب ہوئے پہلے تو چند قریش دشمن تھے اب سب کے سب مخالف ہو گئے اور بروایت ابن ہشام و ابن اثیر و طبری ابو جہل بن ہشام، شیبہ، عتبہ بن ربیعہ، نصر بن حارث، عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی

معیط ایک گروہ کے ساتھ رسول خدا کے قتل پر کمر باندھ کر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور صاف لفظوں میں کہا کہ محمد نے ایک نئے مذہب کا اختراع کیا ہے اور وہ ہمارے خداوں کو ہمیشہ برابر ہلاک کرتے ہیں لہذا انہیں ہمارے حوالے کر دو ہم انہیں قتل کر دیں یا پھر آمادہ جنگ ہو جاؤ حضرت ابوطالب نے اس وقت انہیں ٹال دیا اور وہ لوگ واپس چلے گئے و رسول کریم اپنا کام برابر کرتے رہے چند دنوں کے بعد دشمن پھر آئے اور انہوں نے آکر شکایت کی اور حضرت کے قتل پر اصرار کیا حضرت ابوطالب نے آنحضرت سے واقعہ بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ اے چچا میں جو کہتا ہوں، کہتا رہوں گا میں کسی کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہو سکتا اور نہ کسی لالچ میں پھنس سکتا ہوں اگر میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسے پر ماہتاب رکھ دیا جائے جب بھی میں تعمیل حکم خداوندی سے باز نہ آوں گا میں جو کرتا ہوں حکم خدا سے کرتا ہوں، وہ میرا محافظ ہے یہ سن کر حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ ”بیٹا تم جو کرتے ہو کرتے رہو، میں جب تک زندہ ہوں تمہاری طرف کوئی نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھوڑے عرصہ کے بعد بروایت ابن ہشام وابن اثیر، کفار نے ابوطالب سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو ہم اسے قتل کر دیں اور اس کے بدلے میں ایک نوجوان ہم سے بنی مخزوم میں سے لے لو حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ تم بعید از عقل باتیں کرتے ہو، یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ کیونکہ ممکن ہے کہ میں تمہارے لڑکے کو لے کر اس کی پرورش کروں اور تم ہمارے بیٹے کو لے کر قتل کر دو۔ یہ سن کر ان کی آتش غضب

اور برافروختہ ہو گئی اور وہ ان کے ستانے پر بھرپور تل گئے حضرت ابوطالب نے اس کے رد عمل میں بنی ہاشم اور بنی مطلب سے امداد چاہی اور دشمنوں سے کہلا بھیجا کہ کعبہ و حرم کی قسم اگر محمد کے پاؤں میں تمہاری طرف سے کانٹا بھی چبھاتا تو میں سب کو ہلاک کر دوں گا حضرت ابوطالب کے اس کہنے پر دشمن کے دلوں میں آگ لگ گئی اور وہ آنحضرت کے قتل پر پوری طاقت سے تیار ہو گئے۔

حضرت ابوطالب نے جب آنحضرت کی جان کو غیر محفوظ دیکھا تو فوراً ان لوگوں کو لے جنہوں نے حمایت کا وعدہ کیا تھا جن کی تعداد بروایت حیات القلوب چالیس تھی۔ محرم ۷ بعثت میں ”شعب ابی طالب“ کے اندر چلے گئے اور اس کے اطراف کو محفوظ کر دیا۔ کفار قریش نے ابوطالب اس عمل سے متاثر ہو کر ایک عہد نامہ مرتب کیا جس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب سے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ تھا طبری میں ہے کہ اس عہد نامہ کو منصور بن عکرمہ بن ہاشم نے لکھا تھا جس کے بعد ہی اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔

تواریخ میں ہے کہ دشمنوں نے شعب کا چاروں طرف سے بھرپور محاصرہ کر لیا تھا اور انہیں مکمل قید میں مقید کر دیا تھا اس قید نے اہل شعب پر بڑی مصیبت ڈالی جسمانی اور روحانی تکلیف کے علاوہ رزق کی تنگی نے انہیں تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ دیندار درختوں کے پتے کھانے لگے ناتے، کنبے والے اگر چوری چھپے کچھ کھانے پینے کی

چیز پہنچا دیتے اور انہیں معلوم ہو جاتا تو سخت سزائیں دیتے اسی حالت میں تین سال گزر گئے ایک روایت میں ہے کہ جب اہل شعب کے بچے بھوک سے بے چین ہو کر چیختے اور چلاتے تھے تو پڑوسیوں کی نیند حرام ہو جاتی تھی اس حالت میں بھی آپ پر وحی نازل ہوتی رہی ، اور آپ کا رسالت انجام دیتے رہے۔

تین سال کے بعد ہشام بن عمر بن حرث کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہم اور ہمارے بچے کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں اور بنی ہاشم اور ان کے بچے فاقہ کشی کر رہے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے پھر اس نے اور چند آدمیوں کو ہم خیال بنا کر قریش کے اجتماع میں اس سوال کو اٹھایا۔ ابو جہل اور اسکی بیوی ”ام جمیل“ جسے بزبان قرآن ”حمالة الحطب“ کہا جاتا ہے نے مخالفت کی لیکن عوام کے دل پسیج اٹھے اسی دوران میں حضرت ابوطالب آگئے اور انہوں نے کہا کہ ”محمد“ نے بتایا ہے کہ تم نے جو عہد نامہ لکھا ہے اس دیمک چرگئی ہے اور کاغذ کے اس حصہ کے سوا جس پر اللہ کا نام ہے سب ختم ہو گیا ہے اے قریش بس ظلم کی حد بچو چکی تم اپنے عہد نامہ کو دیکھو اگر محمد کا کہنا سچ ہو تو انصاف کرو اور اگر جھوٹ ہو تو جو چاہے کرو۔

حضرت ابوطالب کے اس کہنے پر عہد نامہ منگوایا گیا اور حضرت رسول کریم کا ارشاد اس کے بارے میں من وعن صحیح ثابت ہوا جس کے بعد قریش شرمندہ ہو گئے اور شعب کا حصار ٹوٹ گیا۔

اس کے بعد ہشام بن عمر بن حرث اور اس کے چار ساتھی ، زبیر بن ابی امیہ

مخزومی اور مطعم بن عدی ابوالبختری بن ہشام، زمعه بن الاسود بن المطلب بن اسد شعب ابی طالب میں گئے اور ان تمام لوگوں کو جو اس میں محصور تھے ان کے گھروں میں پہنچا دیا۔ (تاریخ طبری، تاریخ کامل، روضة الاحباب)۔ مورخ ابن واضح المتوفی ۲۹۲ ھ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد ”اسلم یومسئذ خلق من الناس عظیم“ بہت سے کافر مسلم ہو گئے۔ (اليعقوبی ج ۲ ص ۲۵ طبع نجف ۱۳۸۴ ھ)۔

آپ کا معجزہ شق القمر (۹ بعثت)

ابن عباس، ابن مسعود، انس بن مالک، حذیفہ بن عمر، حبیر بن مطعم کا بیان ہے کہ شق القمر کا معجزہ کوہ ابوقبیس پر ظاہر ہوا تھا، جب کہ ابو جہل نے بہت سے یہودیوں کو ہمراہ لاکر حضرت سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی یہ واقعہ چودھویں رات کو ہوا تھا جبکہ آپ کو موسم حج میں شعب ابی طالب سے نکلنے کی اجازت مل گئی تھی اہل سیر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ ۹ ھ بعثت کا ہے، اس معجزہ کا ذکر ”تاریخ فرشتہ میں بھی ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”مجب اعتقاد وقوعہ“ اس معجزہ کے واقع ہونے پر ایمان واجب ہے۔ (سفینة البحار ج ۱ ص ۷۰۹) اس معجزہ کا ذکر عزیز لکھنوی مرحوم نے کیا خوب کیا ہے

معجزہ شق القمر کا ہے ”مدینہ“ سے عیان

مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

آنحضرت صلعم کی معراج جسمانی (۱۲ نبعت)

۲۷/ رجب ۱۲ بعثت کی رات کو خداوند عالم نے جبرئیل کو بھیج کر براق کے ذریعہ آنحضرت صلعم کو ”قاب قوسین“ کی منزل پر بلایا اور وہاں علی بن ابی طالب کی خلافت و امامت کے متعلق ہدایات دین (تفسیر قمی) اسی مبارک سفر اور عروج کو ”معراج“ کہا جاتا ہے یہ سفر ام ہانی کے گھر سے شروع ہوا تھا پہلے آپ بیت المقدس تشریف لے گئے پھر وہاں سے آسمان پر روانہ ہوئے منازل آسمانی کو طے کرتے ہوئے ایک ایسی منزل پر پہنچے جس کے آگے جبرئیل کا جانا ممکن نہ ہوا جبرئیل نے عرض کی حضور لودنوت لیلة لا حترقت“ اب اگر ایک انگل بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا ۔

برتر روم	سرموئے	اگریک
پرم	بسوزد	بنور تجلی

پھر آپ براق پر سوار آگے بڑھے ایک منزل پر براق رک گیا اور آپ ”رفرف“ پر بیٹھ کر آگے روانہ ہو گئے یہ ایک نوری تخت تھا جو نور کے دریا میں جا رہا تھا یہاں تک کہ منزل مقصود پر آپ پہنچ گئے آپ جسم سمیت گئے اور فوراً واپس آئے قرآن مجید میں ”اسری بعدہ“ آیات عبدکالفظ اطلاق جسم اور روح دونوں

پر ہوتا ہے وہ لوگ جو معراج روحانی کے قائل ہیں وہ غلطی پر ہیں (شرح عقائد نسفی ص ۶۸) معراج کا اقرار اور اس کا اعتقاد ضروریات دین میں سے ہے حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو معراج کا منکر ہو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں (سفینة البحار ج ۲ ص ۱۷۴) ایک روایت میں ہے کہ پہلے صرف دو نمازیں واجب تھیں معراج کے بعد پانچ وقت کی نمازیں مقرر ہوئیں۔

بیعت عقبہ اولی

اسی ۱۲ بعثت کے موسم حج میں ان چھ آدمیوں میں سے جو سال گذشتہ مسلمان ہو کر مدینہ واپس گئے تھے پانچ آدمیوں کے ساتھ سات آدمی مدینہ والوں میں سے اور آکر مشرف باسلام ہوئے حضرت کی حمایت کا عہد کیا یہ بیعت بھی اسی مکان عقبہ میں ہوئی جو مکہ سے تھوڑے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے، مورخ ابوالفداء لکھتا ہے کہ اس عہد پر بیعت ہوئی کہ خدا کا کوئی شریک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، جب وہ بیعت کر چکے تو حضرت نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف ابن عبدالعلاء کو تعلیم قرآن اور طریقہ اسلام بتانے کے لیے مامور فرمایا الخ (تاریخ ابوالفداء ج ۲ ص ۵۲)۔

بیعت عقبہ ثانیہ ۱۳ بعثت

۱۳ بعثت کے ماہ ذی الحجہ میں مصعب بن عمیر، ۷۳ مرد اور دو عورتوں

کو مدینہ سے لے کر مکہ آئے اور انہوں نے مقام عقبہ پر رسول کریم کی خدمت میں ان لوگوں کو پیش کیا وہ مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے بھی حضرت کی حمایت کا عہد کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، ان میں اوس اور خزرج دونوں کے افراد شامل تھے۔

ہجرت مدینہ

۱۴ بعثت مطابق ۲۲۶ میں حکم رسول کے مطابق مسلمان چوری چھپے مدینہ کی طرف جانے لگے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اچھی منزل حاصل کر لی قریش کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ میں اسلام زور پکڑ رہا ہے تو ”دارالندوہ“ میں جمع ہو کر یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے کسی نے کہا کہ محمد کو یہیں قتل کر دیا جائے تاکہ ان کا دین ہی ختم ہو جائے کسی نے کہا کہ جلاوطن کر دیا جائے ابو جہل نے رائے دی کہ مختلف قبائل کے لوگ جمع ہو کر بیک ساعت ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں تاکہ قریش خون بہانہ لے سکیں اسی رائے پر بات ٹہر گئی، سب نے مل کر آنحضرت کے مکان کا محاصرہ کر لیا پر وردگار کی ہدایت کے مطابق جو حضرت جبرئیل کے ذریعہ پہنچی آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور ایک مٹی دھول لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کی آنکھوں میں جھونکتے ہوئے اس طرح نکل گئے جیسے کفر سے ایمان نکل جائے علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا جناب امیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں

اور آج رسول اللہ کا بستر خواب گاہ قتل کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیئے قتل گاہ فرش گل تھا (سیرۃ النبی و محسن اعظم ص ۱۶۵)۔

صبح ہوتے ہوتے دشمن دروازہ توڑ کر داخل خانہ ہوئے تو علی کو سوتا ہوا پایا پوچھا محمد کہاں ہیں؟ جواب دیا جہاں ہیں خدا کی امان ہیں طبری میں ہے کہ علی تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور سب گھرسے نکل بھاگے احياء العلوم غزالی میں ہے کہ علی کی حفاظت کے لئے خدانے جبرئیل اور میکائیل کو بھیج دیا تھا یہ دونوں ساری رات علی کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے حضرت علی کا فرمانا ہے کہ مجھے شب ہجرت جیسی نیند ساری عمر نہ آئی تھی۔ تفاسیر میں ہے کہ اس موقع کے لئے آیت ”ومن الناس من يشرى نفسه مرضات الله“ نازل ہوئی ہے الغرض آنحضرت کے روانہ ہوتے ہی حضرت ابوبکر نے ان کا پیچھا کیا آپ نے رات کے اندھیرے میں یہ سمجھ کر کوئی دشمن آ رہا ہے اپنے قدم تیز کر دیئے پاؤں میں ٹھوکر لگی خون جاری ہو گیا پہر آپ نے محسوس کیا کہ ابن ابی قحافہ آ رہے ہیں آپ کھڑے ہو گئے پاؤں صحیح بخاری ج ۱ حصہ ۳ ص ۶۹ میں ہے کہ رسول خدانے ابوبکر بن ابی قحافہ سے یہ قیمت ناقہ خریدا۔ اور مدارج النبوت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے دوسو درہم کی خریدی ہوئی اونٹنی آنحضرت کے ہاتھ نو سو درہم کی فروخت کی اس کے بعد یہ دونوں غار ثورت تک پہنچے یہ غار مدینہ کی طرف مکہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پر ڈھائی یاتین میل جنوب کی طرف واقع ہے اس پہاڑ کی چوٹی تقریباً ایک میل بلند ہے سمندروں وہاں سے دکھائی

دیتا ہے (تلخیص سیرت النبی ص ۱۶۹ وزرقانی)۔

یہ حضرات غار میں داخل ہو گئے خدانے ایسا کیا کہ غار کے منہ پر بیول کا درخت اگادیا مگر ٹی نے جالائنا کبوتر نے انڈا دیا، اور غار میں داخلہ کاشبہ نہ رہا، جب دشمن اس غار پر پہنچے تو وہ یہی سب کچھ دیکھ کر واپس ہو گئے (عجائب القصص صفحہ ۲۵۷ میں ہے کہ اسی موقع پر حضرت نے کبوتر کو خانہ کعبہ پر آکر بسنے کی اجازت دی۔ اس سے قبل دیگر پرندوں کی طرح کبوتر بھی اوپر سے گذر نہیں سکتا تھا۔

مختصر یہ کہ یکم ربیع الاول ۱۴ ء بعثت یوم پنجشنبہ بوقت شب قریش نے آنحضرت کے گھر کا محاصرہ کیا تھا صبح سے کچھ پہلے ۲/ ربیع الاول یوم جمعہ کو غار ثور میں پہنچے یوم یکشنبہ ۴/ ربیع الاول تک غار میں رہے حضرت علی آپ لوگوں کے لئے رات میں کھانا پہنچاتے رہے اور یہ چاروں اشخاص معمولی راستہ چھوڑ کر بحیرئہ قلزم کے کنارے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کفار مکہ نے انعام مقرر کر دیا تھا کہ جو شخص آپ کو زندہ پکڑ کر لائے گایا آپ کا سر کاٹ کر لائے گا تو سوا نوٹ انعام میں دئیے جائیں گے اس پر سراقہ بن مالک آپ کی کھوج لکاتا ہوا غار تک پہنچا اسے دیکھ کر حضرت ابو بکر رونے لگے۔ تو حضرت نے فرمایا روتے کیوں ہو ”خدا ہمارے ساتھ ہے“ سراقہ قریب پہنچا ہی تھا کہ اس کا گھوڑا بازا نوزمین میں دھنس گیا اس وقت حضرت روانگی کے لیے برآمد ہو چکے تھے اس نے معافی مانگی حضرت نے معافی دیدی گھوڑا زمین سے نکل آیا وہ جان بچا کر بھاگا

اور کافروں سے کہہ دیا کہ میں نے بہت تلاش کیا مگر محمد کا سراغ نہیں ملتا اب
دوبی صورتیں ہیں۔ ”یازمین میں سماگئے یا آسمان پر اڑ گئے۔“

تحویل کعبہ

ماہ شعبان ۲ ہجری میں بیت المقدس کی طرف سے قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف
موڑ دیا گیا قبلہ چونکہ عالم نماز میں بدلا گیا اس لئے آنحضرت کا ساتھ حضرت
علی کے علاوہ اور کسی نے نہیں دیا کیونکہ وہ آنحضرت کے ہر فعل و قول
کو حکم خدا سمجھتے تھے اسی لیے آپ مقام فخر میں فرمایا کرتے تھے
انامصلی القبلتین میں ہی وہ ہوا جس نے ایک نماز بیک وقت دو قبلوں کی طرف
پڑھی۔

تبلیغی خطوط

حضرت کو ابھی صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے سکون نصیب ہوا ہی تھا کہ آپ
نے ۷ ہجری میں ایک مہربنوائی جس پر ”محمد رسول اللہ“ کندہ کرایا اس کے
بعد شاہان عالم کو خطوط لکھے ان دنوں عرب کے اردگرد چار بڑی سلطنتیں
قائم تھیں : ۱ - حکومت ایران جس کا اتر وسط ایشیا سے عراق تک پھیلا ہوا تھا۔
۲ - حکومت روم جس میں ایشیائے کوچک، فلسطین، شام اور یورپ کے بعض
حصے شامل تھے۔ ۳ - مصر۔ ۴ - حکومت حبش جو مصری حکومت کے
جنوب سے لے کر بحیرئہ قلزم کے مغربی علاقوں پر تھا۔ حضرت نے بادشاہ
حبش نجاشی، شاہ روم قیصر ہرقل، گورنر مصر جریح ابن مینا قبطی عرف

مقوقش ، بادشاہ ایران خسرو پرویز اور گورنر یمن باذان، والی دمشق حارث وغیرہ کے نام خطوط روانہ فرمائے۔ آپ کے خطوط کامختلف بادشاہوں پرمختلف اثر ہوا، نجاشی نے اسلام قبول کر لیا، شاہ ایران نے آپ کا خط پڑھ کر غیظ و غضب کے تحت خط کے ٹکڑے اڑا دے قاصد کونکال دیا ، اور گورنر یمن نے لکھا کہ مدینہ کے دیوانہ (آنحضرت) کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے اس نے دوسپاہی مدینہ بھیجے تاکہ حضور کو گرفتار کریں حضرت نے فرمایا، جاؤ تم کیا گرفتار کرو گے تمہیں خبر بھی تمہارا بادشاہ انتقال کر گیا، سپاہی جو یمن پہنچے تو سنا کہ شاہ ایران داعی اجل کو لبیک کہہ چکا ہے آپ کی اس خبر دہی سے بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔ قیصر روم نے آپ کے خط کی تعظیم کی گورنر مصر نے آپ کے قاصد کی بڑی مدارات کی اور بہت سے تحفوں سمیت اسے واپس کر دیا۔ ان تحفوں میں ماریہ قبطیہ (زوجہ آنحضرت) اور ان کی ہمشیرہ شیریں (زوجہ حسان بن ثابت) ایک دلدل نامی جانور برائے حضرت علی، یعفور نامی دراز گوش مابور نامی خواجہ سر اشامل تھے۔

اصحاب کاتاریخی اجتماع اور تبلیغ رسالت کی آخری منزل

حضرت علی کی خلافت کا اعلان

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلاق عالم نے انتخاب خلافت کو اپنے لیے

مخصوص رکھا ہے اور اس میں لوگوں کا دسترس نہیں ہونے دیا۔ فرماتا ہے :
 ربك يخلق ما يشاء ويختار ما كان لهم الخيرة سبحان الله تعالى عما يشركون -
 تمہارا رب ہی پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (نبوت و خلافت) کے لیے منتخب
 کرتا ہے یا درہے کہ انسان کو نہ انتخاب کا کوئی حق ہے اور نہ وہ اس میں
 خدا کے شریک ہو سکتے ہیں (پ ۲۰ رکوع ۱۰) یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے
 تمام خلفاء آدم سے خاتم تک خود مقرر کئے ہیں اور ان کا اعلان اپنے نبیوں کے
 ذریعہ سے کرایا ہے۔ (روضۃ الصفا، تاریخ کامل، تاریخ ابن الوری، عرائس
 ثعلبی وغیرہ) اور اس میں تمام انبیاء کے کردار کی موافقت کا اتنا لحاظ رکھا ہے کہ
 تاریخ اعلان تک میں فرق نہیں آنے دیا۔ علامہ مجلسی و علامہ بہائی لکھتے
 ہیں کہ تمام انبیاء نے خلافت کا اعلان ۱۸ / ذی الحجہ کو کیا ہے (جامع عباسی
 و اختیارات مجلسی) مورخین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم نے حجة الوداع
 کے موقع پر ۱۸ / ذی الحجہ کو بمقام غدیر خم حکم خدا سے حضرت علی کے
 جانشین ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

حجة الوداع

حضرت رسول کریم صلعم ۲۵ / ذی قعدہ ۱۰ ء ہجری کو حج آخر کے ارادہ
 سے روانہ ہو کر ۴ / ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے آپ کے ہمراہ آپ کی تمام
 بیبیاں اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا تھیں روانگی کے وقت ہزاروں صحابہ
 کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو گئی حضرت علی یمن سے مکہ پہنچے

حضور صلعم نے فرمایا کہ تم قربانی اور مناسک حج میں میرے شریک ہو۔ اس حج کے موقع پر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت صلعم کو مناسک حج ادا کرتے ہوئے دیکھا اور معركة الاراء خطبے سننے جن میں بعض باتیں یہ تھیں

۱۔ جاہلیت کے زمانہ کے دستور کچل ڈالنے کے قابل ہیں۔ ۲۔ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ ۳۔ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ۴۔ غلاموں کا خیال ضروری ہے۔ ۵۔ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیئے گئے۔ ۶۔ جاہلیت کے تمام واجب الاداسود باطل کر دیئے گئے۔

غرض کہ حج سے فراغت کے بعد آپ مدینہ کے ارادہ سے ۱۴ / ذی الحجہ کو روانہ ہوئے ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب آپ کے ہمراہ تھے جحفہ کے قریب مقام غدیر پر پہنچتے ہی آیہ بلغ کانزول ہوا آپ نے پالان اشرکامنبر بنایا اور بلا کو حکم دیا کہ ”حی علی خیر العمل“ کہہ کر آوازیں دیں مجمع سمت کرنقطہ اعتدال پر آگیا آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ فرمایا جس میں حمد و ثنا کے بعد اپنی افضلیت کا اقرار لیا اور فرمایا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن اور دوسرے میرے اہلبیت۔ اس کے بعد علی کو اپنے نزدیک بلا کر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل ظاہر ہو گئی پھر فرمایا ”من کنت مولاه فہذا علی مولاه جس کامیں مولاه ہوں اس کے یہ علی مولا ہیں خدا یا علی جدھر مڑیں حق کو اسی طرف موڑ دینا پھر علی کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا لوگوں نے مبارکبادیاں دینی شروع

کیں سب آپ کی جانشینی سے مسرور ہوئے حضرت عمر نے بھی نمایاں الفاظ میں مبارکبادی جبرئیل نے بھی بزبان قرآن اکمال دین اور اتمام نعمت کامژدہ سنایا۔

سیرہ حلبیہ میں ہے کہ یہ جانشینی ۱۸ / ذی الحجہ کو واقع ہوئی ہے نورالابصار صفحہ ۷۸ میں ہے کہ ایک شخص حارث بن نعمان فہری نے حضرت کے عمل غدیر خم پر اعتراض کیا تو اسی وقت آسمان سے اس پر ایک پتھر گر اور وہ مر گیا۔

واضح ہو کہ اس واقعہ غدیر کو امام المحدثین حافظ ابن عبدہ نے ایک سو صحابہ سے اس حدیث غدیر کی روایت کی ہے امام جزری و شافعی نے اسی صحابیوں سے امام احمد بن حنبل نے تیس صحابیوں سے اور طبری نے پچھتر صحابیوں سے روایت کی ہے علاوہ اس کے تمام اکابر اسلام مثلاً ذہبی صنعائی اور علی القاری وغیرہ اسے مشہور اور متواتر مانتے ہیں (منہج الوصول صدیق حسن ص ۱۳ تفسیر ثعلبی فتح البیان صدیق حسن جلد ۱ ص ۴۸)۔

واقعہ مباہلہ

نجران یمن میں ایک مقام ہے وہاں عیسائی رہتے تھے اور ہاں ایک بڑا کلیسا تھا آنحضرت صلعم نے انہیں بھی دعوت اسلام بھیجی ، انہوں نے تحقیق حالات کے لئے ایک وفد زیر قیادت عبدال مسیح عاقب مدینہ بھیجا وہ وفد مسجد نبوی کے صحن میں آکر ٹہرا حضرت سے مباحثہ ہوا مگر وہ قائل نہ ہوئے حکم خدا نازل

ہوا ” فقل تعالوا ندع انباءنا “ الخ ائے پیغمبران سے کہدو کہ دونوں اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو لا کر مباہلہ کریں - چنانچہ فیصلہ ہو گیا اور ۲۴ / ذی الحجہ ۱۰ کو پینجتن پاک جھوٹوں پر لعنت کرنے کے لئے نکلے نصاریٰ کے سردار نے جونہی ان کی شکلیں دیکھیں کانپنے لگا اور مباہلہ سے باز آیا۔ خراج دینا منظور کیا جزیہ دے کر رعایا بننا قبول کر لیا (معراج العرفان ص ۱۳۵ ، تفسیر بیضاوی ص ۷۴) -

سرور کائنات کے آخری لمحات زندگی

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپ کی وہ علالت جو بروایت مشکوٰۃ خیبر میں دئے ہوئے زہر کے کروٹ لینے سے ابھرا کرتی تھی مستمر ہو گئی آپ علیؑ رہنے لگے بیماری کی خبر کے عام ہوتے ہی جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہونے لگے جن میں مسیلمہ کذاب ، اسود عنسی ، طلیحہ ، سجاح زیادہ نمایاں تھے لیکن خدانے انہیں ذلیل کیا اسی دوران میں آپ کو اطلاع ملی کہ حکومت روم مسلمانوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کر رہی ہے آپ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ حملہ نہ کر دیں اسامہ بن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ علیؑ کے علاوہ اعیان مہاجر و انصار میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ رہے اور اس روانگی پر اتنا زور دیا کہ یہ تک فرمایا ” لعن الله من تخلف عنها “ جو اس جنگ میں نہ جائے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی اس کے بعد آنحضرت نے اسامہ کو اپنے ہاتھوں

سے تیار کر کے روانہ کیا انہوں نے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں کیمپ لگایا اور اعیان صحابہ کا انتظار کرنے لگے لیکن وہ لوگ نہ آئے۔ مدارج النبوت جلد ۲ ص ۴۸۸ و تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۰ و طبری جلد ۳ ص ۱۸۸ میں ہے کہ نہ جانے والوں میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی تھے۔ مدارج النبوت جلد ۲ ص ۴۹۴ میں ہے کہ آخر صفر میں جب کہ آپ کو شدید درد سر تھا آپ رات کے وقت اہل بقیع کے لئے دعا کی خاطر تشریف لے گئے حضرت عائشہ نے سمجھا کہ میری باری میں کسی اور بیوی کے وہاں چلے گئے ہیں۔ اس پر وہ تلاش کے لیے نکلیں تو آپ کو بقیع میں محدود عاپایا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کیا اچھا ہوتا ائے عائشہ کہ تم مجھ سے پہلے مرجاتیں اور میں تمہاری اچھی طرح تجہیز و تکفین کرتا انہوں نے جواب دیا کہ آپ چاہتے ہیں میں مرجاؤں تو آپ دوسری شادی کر لیں۔ اسی کتاب کے ص ۴۹۵ میں ہے کہ آنحضرت کی تیمارداری آپ کے اہل بیت کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اہل بیت کو تیمارداری میں پیچھے رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

واقعہ قرطاس

حجۃ الوداع سے واپسی پر بمقام غدیر خم اپنی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے اب آخری وقت میں آپ نے یہ ضروری سمجھتے ہوئے کہ اسے دستاویزی شکل دیدوں اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم و دوات اور کاغذ دیدو تاکہ میں

تمہارے لیے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو تمہیں گمراہی سے ہمیشہ ہمیشہ بچانے کے لیے کافی ہو یہ سن کر اصحاب میں باہمی چہ می گوئیاں ہونے لگیں لوگوں کے رحجاناں قلم و دوات دے دینے کی طرف دیکھ کر حضرت عمر نے کہا ”ان الرجل لیہجر حسبنا کتاب اللہ“ یہ مرد ہذیان بک رہا ہے ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے صحیح بخاری پ ۳۰ ص ۸۴۲ علامہ شبلی لکھتے ہیں روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں --- حضرت عمر نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (الفاروق ص ۶۱) لغت میں ہذیان کے معنی بیہودہ گفتن یعنی بکواس کے ہیں (صراح جلد ۲ ص ۱۲۳)

شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں ”جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انہوں نے تودہین گامستی سے منصوبہ ہی چٹکیوں میں اڑادیا اور مزاحمت کی یہ تاویل کی کہ ہمارے ہدایت کے لیے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجانہیں ہیں۔ کاغذ، قلم و دوات کالا نا کچھ ضروری نہیں خدا جانے کیا کیا لکھوادیں گے۔ (امہات الامۃ صفحہ ۹۲) اس واقعہ سے آنحضرت کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے جہنجا کر فرمایا قوموا عنی میرے پاس سے ہٹ اٹھ کر چلے جاؤ نبی کے روبرو شور و غل انسانی ادب نہیں ہے علامہ طریحی لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں پانچ افراد نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، ابو عبیدہ، عبدالرحمن، سالم غلام حذیفہ نے متفقہ عہد و پیمانہ کیا تھا کہ ”لانودبذہ الامرفی بنی ہاشم“

پیغمبر کے بعد خلافت بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے (مجمع البحرین) میں کہتا ہوں کہ کون یقین کر سکتا ہے کہ جیش اسامہ میں رسول سے سرتابی کرنے والوں جس میں لعنت تک کی گئی ہے اور واقعہ قرطاس میں حکم کو بکواس بتلانے والوں کو رسول خدانے نماز کی امامت کا حکم دیدیا ہوگا میرے نزدیک امامت نماز کی حدیث ناقابل قبول ہے۔

وصیت اور احتضار

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آخری وقت آپ نے فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ میں نے اپنے باپ ابو بکر پر عمر کو بلا یا انہوں نے پھر یہی فرمایا تو میں نے علی کو بلا بھیجا آپ نے علی کو چادر میں لے لیا اور آخر تک سینے سے لپٹائے رہے (ریاض النضرۃ ص ۱۸۰ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ اور حسنین کو طلب فرمایا اور حضرت علی کو بلا کر وصیت کی اگر ہاجیش اسامہ کے لیے میں نے فلاں یہودی سے قرض لیا تھا اسے ادا کر دینا اور اے علی تمہیں میرے بعد سخت صدمات پہنچیں گے تم صبر کرنا اور دیکھو جب اہل دنیا دنیا پرستی کریں تو تم دین اختیار کئے رہنا (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۵۵۹، مدارج النبوة جلد ۲ ص ۱۱۵، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۱۹)۔

رسول کریم کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام سے وصیت فرمانے کے بعد آپ کی حالت متغیر ہو گئی حضرت فاطمہ جن کے زانو پر سر مبارک رسال مآب تھا فرماتی ہیں کہ

ہم لوگ انتہائی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ ایک شخص نے اذن حضوری چاہا میں نے داخلہ سے منع کر دیا، اور کہا اے شخص یہ وقت ملاقات نہیں ہے اس وقت واپس چلا جا اس نے کہامیری واپسی ناممکن ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں حاضر ہوجاؤں آنحضرت کو جو قدرے افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا اے فاطمہ اجازت دے دو یہ ملک الموت ہیں فاطمہ نے اجازت دیدی اور وہ داخل خانہ ہوئے پیغمبر کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی مولایہ پہلا دروازہ ہے جس پر میں نے اجازت مانگی ہے اور اب آپ کے بعد کسی کے دروازے پر اجازت طلب نہ کروں گا (عجائب القصص علامہ عبدالواحد ص ۲۸۲، روضة الصفا جلد ۲ ص ۲۱۶، انوارالقلوب ص ۱۸۸)۔

الغرض ملک الموت نے اپنا کام شروع کیا اور حضور رسول کریم نے بتاریخ ۲۸ / صفر ۱۱ ہجری یوم دوشنبہ بوقت دوپہر ظاہری خلعت حیات اتار دیا (مودة القربی ص ۴۹ م ۱۴ طبع بمبئی ۳۱۰ ہجری اہلبیت کرام میں رونے کا کہرام مچ گیا حضرت ابوبکر اس وقت اپنے گھر محلہ سخ گئے ہوئے تھے جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا حضرت عمر نے واقعہ وفات کو نشر ہونے سے روکا اور جب حضرت ابوبکر آگئے تو دونوں سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اور باطل پر مشوروں کے لیے بنایا گیا تھا (غیاث اللغات) اور انہیں کے ساتھ ابو عبیدہ بھی چلے گئے جو غسل تھے غرض کہ اکثر صحابہ رسول خدا کی لاش چھوڑ کر ہنگامہ خلافت میں جاشریک ہوئے اور حضرت علی نے غسل و کفن کا بندوبست

کیا حضرت علی غسل دینے میں، فضل ابن عباس حضرت کا پیرا بن اونچا کرنے میں، عباس اور قثم کروٹ بدلوانے میں اور اسامہ و شقران پانی ڈالنے میں مصروف ہو گئے اور انہیں چھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی اور اسی حجرہ میں آپ کے جسم اطہر کو دفن کر دیا گیا جہاں آپ نے وفات پائی تھی ابو طلحہ نے قبر کھودی -

حضرت ابو بکر و حضرت عمر آپ کے غسل و کفن اور نماز میں شریک نہ ہوسکے کیونکہ جب یہ حضرات سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرت کی لاش مطہر سپرد خاک کی جا چکی تھی (کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۰، ارجح المطالب ص ۶۷۰، المرتضیٰ ص ۳۹، فتح الباری جلد ۶ ص ۴) - وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۵۲) -

وفات اور شہادت کا اثر

سرور کائنات کی وفات کا اثریوں تو تمام لوگوں پر ہوا، اصحاب بھی روئے اور حضرت عائشہ نے بھی ماتم کیا (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۷۴، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۲، تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۷) لیکن جو صدمہ حضرت فاطمہ کو پہنچا اس میں وہ منفرد تھیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات سے عالم علوی اور عالم سفلی بھی متاثر ہوئے اور ان میں جو چیزیں ہیں ان میں بھی اثرات ہوید ہوئے علامہ زمخشری کا بیان ہے کہ ایک دن

آنحضرت نے ام معبد کے وہاں قیام فرمایا آپ کے وضو کے پانی سے ایک درخت اگا، جو بہترین پھل لاتا رہا، ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کے پتے جھڑ ہوئے ہیں اور میوے گرے ہوئے ہیں میں حیران ہوئی کہ ناگاہ خبر وفات سرور عالم پہنچی پھر تیس سال بعد دیکھا گیا کہ اس میں تمام کانٹے اگ آئے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت علی نے شہادت پائی پھر مدت مدید کے بعد اس کی جڑ سے خون تازہ ابلتا ہوا دیکھا گیا بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین نے شہادت پائی ہے اس کے بعد وہ خشک ہو گیا (عجائب القصاص ص ۲۵۹ بحوالہ ربیع الابرار زمخشری)۔

آنحضرت کی شہادت کا سبب

یہ ظاہر ہے کہ حضرات چہارہ معصومین علیہم السلام میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہوا ہو۔ حضرت رسول کریم سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک سب ہی شہید ہوئے ہیں کوئی زہر سے شہید ہوا، کوئی تلوار سے شہید ہوا ان میں ایک خاتون تھیں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ وہ ضرب شدید سے شہید ہوئیں ان چودہ معصوموں میں تقریباً تمام کی شہادت کا سبب واضح ہے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی شہادت کے سبب سے اکثر حضرات ناواقف ہیں اس پر روشنی ڈالتا ہوں۔ حجة الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی کی کتاب سر العالمین کے ص ۷ طبع بمبئی ۱۳۱۴ ھ اور کتاب مشکوٰۃ شریف کے باب ۳ ص ۵۸ سے واضح ہے

کہ آپ کی شہادت زہر کے ذریعہ ہوئی ہے اور بخاری شریف کی ج ۳ طبع مصر ۱۳۱۴ء کے باب اللدودص ۱۲۷ کتاب الطب سے مستفاد اور مستنبط ہوتا ہے کہ ”آنحضرت کو دوامیں ملا کر زہر دیا گیا تھا۔ میرے نزدیک رسول کریم کے بستر علالت پر ہونے کے وقت کے واقعات و حالات کے پیش نظر دوامیں زہر ملا کر دیا جانا متوقع نہیں ہے علامہ محسن فیض ”کتاب الوافی“ کی جلد ۱ کے ۱۶۶ میں بحوالہ تہذیب الاحکام تحریر فرماتے ہیں کہ حضور مدینہ می ں زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ الخ۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں میں زہر خورانی کی تشہیر اخفائے جرم کے لیے کی گئی ہے۔

ازواج

چند کنیزوں کے علاوہ جنہیں ماریہ اور ریحانہ بھی شامل تھیں آپ کے گیارہ بیویاں تھیں جن میں سے حضرت خدیجۃ اور زینب بنت خزیمہ نے آپ کی زندگی میں وفات پائی تھی اور نوبیویوں نے آپ کی وفات کے بعد انتقال فرمایا آنحضرت کی بیویوں کے نام درج ذیل ہیں:

- ۱۔ خدیجۃ الکبریٰ ۲۔ سودہ ۳۔ عائشہ ۴۔ حفصہ ۵۔ زینب بنت خزیمہ ۶۔ ام سلمہ ۷۔ زینب بنت جحش ۸۔ جزیرہ بنت حارث ۹۔ ام حبیبہ ۱۰۔ صفیہ ۱۱۔ میمونہ

اولاد

آپ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی تھی جناب ابراہیم کے علاوہ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے سب بچے حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے حضور کی اولاد کے نام حسب ذیل ہیں:

۱ - حضرت قاسم طیب : آپ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

۲ - جناب عبداللہ : جو طاہر کے نام سے مشہور تھے بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

۳ - جناب ابراہیم : ۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰ ہجری میں انتقال کر گئے۔

۴ - حضرت فاطمہ الزہرا : آپ پیغمبر اسلام کی اکلوتی بیٹی تھیں آپ کے شوہر حضرت علی اور بیٹے حضرت امام حسن اور امام حسین تھے ان جناب کی نسل سے گیارہ امام پیدا ہوئے اور ان ہی کے ذریعہ سے رسول خدا کی نسل بڑھی اور آپ کی اولاد کا سیادت کا شرف نصیب ہوا اور وہ قیامت تک ”سید“ کہی جائے گی۔

حضرت رسول کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں میرے سلسلہ نسب کے علاوہ سارے سلسلے ٹوٹ جائیں گے اور کسی کارشتہ کسی کے کام نہ آئے گا (صواعق محرقہ ص ۹۳)

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کی اولاد ہمیشہ قابل تعظیم سمجھی جاتی رہی ہے، ہمارے نبی اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حق دار ہیں (روضۃ الشهداء ص ۴۰۴) امام المسلمین علامہ جلال الدین فرماتے ہیں کہ

حضرات حسنین کی اولاد کے لیے سیادت مخصوص ہے مردہویا عورت جو بھی ان کی نسل سے ہے وہ قیامت تک ”سید“ رہے گا ”و یحب علی اجمع الخلق تعظیمہم ابدًا“ اور ساری کائنات پر واجب ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ ان کی تعظیم کرتی رہے (لوامع التنزیل ج ۳ ص ۴،۳، اسعاف الراغبین بر حاشیئہ نوالابصار شبنجی ص ۱۱۴ طبع مصر)۔

چودہ ستارے

حضرت علی علیہ السلام

نام

پیغمبر اسلام (ص) نے آپ کا نام اللہ کے نام پر علی رکھا۔ حضرت ابو طالب و فاطمہ بنت اسد نے پیغمبر اسلام (ص) سے عرض کیا کہ ہم نے ہاتف غیبی سے یہی نام سنا تھا۔

القاب

آپ کے مشہور القاب امیر المومنین ، مرتضیٰ، اسد اللہ، ید اللہ، نفس اللہ، حیدر، کرار، نفس رسول اور ساقی کوثر ہیں۔

کنیت

حضرت علی علیہ السلام کی مشہور کنیت ابو الحسن و ابو تراب ہیں۔

والدین

حضرت علی (ع) ہاشمی خاندان کے وہ پہلے فرزند ہیں جن کے والد اور و الدہ دونوں ہاشمی ہیں۔ آپ کے والد ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم ہیں اور ماں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں۔ ہاشمی خاندان قبیلہ قریش میں اور قریش تمام عربوں میں اخلاقی فضائل کے لحاظ سے مشہور و معروف تھے۔ جو اوردی، دلیری، شجاعت اور بہت سے فضائل بنی ہاشم سے مخصوص تھے اور یہ تمام فضائل حضرت علی (ع) کی ذات مبارک میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

ولادت

جب حضرت علی (ع) کی ولادت کا وقت قریب آیا تو فاطمہ بنت اسد کعبہ کے پاس ائیں اور اپنے جسم کو اس کی دیوار سے مس کر کے عرض کیا: پروردگارا! میں تجھ پر، تیرے نبیوں پر، تیری طرف سے نازل شدہ کتابوں پر اور اس مکان کی تعمیر کرنے والے، اپنے جد ابراہیم (ع) کے کلام پر راسخ ایمان رکھتی ہوں۔ پروردگارا! تجھے اس ذات کے احترام کا واسطہ جس نے اس مکان مقدس کی تعمیر کی اور اس بچہ کے حق کا واسطہ جو میرے شکم میں موجود ہے،

اس کی ولادت کو میرے لئے آسان فرما ۔
 ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ کعبہ کی جنوبی مشرقی دیوار ، عباس
 بن عبد المطلب اور یزید بن تعف کی نظروں کے سامنے شگافتہ ہوئی، فاطمہ
 بنت اسد کعبہ میں داخل ہوئیں اور دیوار دوبارہ مل گئی ۔ فاطمہ بنت اسد تین
 دن تک روئے زمین کے اس سب سے مقدس مکان میں اللہ کی مہمان رہیں
 اور تیرہ رجب سن ۳۰ / عام الفیل کو بچہ کی ولادت ہوئی ۔ ولادت کے بعد
 جب فاطمہ بنت اسد نے کعبہ سے باہر آنا چاہا تو دیوار دو بارہ شگافتہ ہوئی،
 آپ کعبہ سے باہر تشریف لائیں اور فرمایا : ” میں نے غیب سے یہ پیغام سنا
 ہے کہ اس بچے کا ” نام علی “ رکھنا “ ۔

بچپن اور تربیت

حضرت علی (ع) تین سال کی عمر تک اپنے والدین کے پاس رہے اور اس
 کے بعد پیغمبر اسلام (ص) کے پاس آگئے۔ کیونکہ جب آپ تین سال کے
 تھے اس وقت مکہ میں بہت سخت قحط پڑا۔ جس کی وجہ سے رسول اللہ (ص)
 کے چچا ابو طالب کو اقتصادی مشکل کا بہت سخت سامنا کرنا پڑا۔ رسول اللہ
 (ص) نے اپنے دوسرے چچا عباس سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ
 ہم میں سے ہر ایک، ابو طالب کے ایک ایک بچے کی کفالت اپنے ذمہ لے
 لے تاکہ ان کی مشکل آسان ہو جائے۔ اس طرح عباس نے جعفر اور رسول
 اللہ (ص) نے علی (ع) کی کفالت اپنے ذمہ لے لی ۔

حضرت علی (ع) پوری طرح سے پیغمبر اکرم (ص) کی کفالت میں آگئے اور حضرت علی علیہ السلام کی پرورش براہِ راست حضرت محمد مصطفیٰ کے زیر نظر ہونے لگی۔ آپ نے انتہائی محبت اور توجہ سے آپنا پورا وقت، اس چھوٹے بھائی کی علمی اور اخلاقی تربیت میں صرف کیا۔ کچھ تو حضرت علی (ع) کے ذاتی جوہر اور پھر اس پر رسول جیسے بلند مرتبہ مربی کافیز تربیت، چنانچہ علی علیہ السلام دس برس کے سن میں ہی اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ جب پیغمبر اسلام (ص) نے رسالت کا دعویٰ کیا، تو آپ نے ان کی تصدیق فرمائی۔ آپ ہمیشہ رسول اللہ (ص) کے ساتھ رہتے تھے، یہاں تک کہ جب پیغمبر اکرم (ص) شہر سے باہر، کوہ و بیابان کی طرف جاتے تھے تو آپ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

پیغمبر اکرم (ص) کی بعثت اور حضرت علی (ع)

جب حضرت محمد مصطفیٰ (ص) چالیس سال کے ہوئے تو اللہ نے انہیں عملی طور پر آپنا پیغام پہنچانے کے لئے معین فرمایا۔ اللہ کی طرف سے پیغمبر (ص) کو جو یہ ذمہ داری سونپی گئی، اسی کو بعثت کہتے ہیں۔ حضرت محمد (ص) پر وحی الہی کے نزول و پیغمبری کے لئے انتخاب کے بعد کی تین سال کی مخفیانہ دعوت کے بعد بالآخر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور رسول اللہ (ص) کو عمومی طور پر دعوت اسلام کا حکم دیا گیا۔

اس دوران پیغمبر اکرم (ص) کی الہی دعوت کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے والے تنہا حضرت علی (ع) تھے۔ جب رسول اللہ (ص) نے اپنے اعزاء و اقرباء کے درمیان اسلام کی تبلیغ کے لئے انہیں دعوت دی تو آپ کے ہمدرد و ہمدم، تنہا حضرت علی (ع) تھے۔

اس دعوت میں پیغمبر خدا (ص) نے حاضرین سے سوال کیا کہ آپ میں سے کون ہے جو اس راہ میں میری مدد کرے اور آپ کے درمیان میرا بھائی، وصی اور جانشین ہو؟

اس سوال کا جواب فقط حضرت علی (ع) نے دیا: ”اے پیغمبر خدا! میں اس راہ میں آپ کی نصرت کروں گا۔ پیغمبر اکرم (ص) نے تین مرتبہ اسی سوال کی تکرار اور تینوں مرتبہ حضرت علی (ع) کا جواب سننے کے بعد فرمایا: اے میرے خاندان والوں! جان لو کہ علی میرا بھائی اور میرے بعد تمہارے درمیان میرا وصی و جانشین ہے۔“

علی (ع) کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ (ع) رسول اللہ (ص) پر ایمان لانے والے سب سے پہلے شخص ہیں۔ اس سلسلے میں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

”بزرگ علماء اور گروہ معتزلہ کے متکلمین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ علی بن ابی طالب (ع) وہ پہلے شخص ہیں جو پیغمبر اسلام پر ایمان لائے اور پیغمبر خدا (ص) کیتصدیق کی۔“

رسول اسلام کی بعثت، زمانہ، ماحول، شہر اور اپنی قوم و خاندان کے خلاف

ایک ایسی مہم تھی ، جس میں رسول کا ساتھ دینے والا کوئی نظر نہ ی اتا تھا ۔ بس ایک علی علیہ السّلام تھے کہ جب پیغمبر نے رسالت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے سب سے پہلے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان کا اقرار کیا ۔ دوسری ذات جناب خدیجۃ ال کبریٰ کی تھی، جنہوں نے خواتین کے طبقہ میں سبقتِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ پیغمبر کا دعوائے رسالت کرنا تھا کہ مکہ کا ہر آدمی رسول کا دشمن نظر آنے لگا ۔ وہی لوگ جو کل تک آپ کی سچائی اور امانتداری کا دم بھرتے تھے آج آپ کو (معاذ اللہ) یوانہ، جادو گر اور نہ جانے کیا کیا کہنے لگے۔ اللہ کے رسول کے راستوں میں کانٹے بچھائے جاتے، انہیں پتھر مارے جاتے اور ان کے سر پر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ اس مصیبت کے وقت میں رسول کے شریک صرف اور صرف حضرت علی علیہ السّلام تھے، جو بھائی کا ساتھ دینے میں کبھی بھی ہمت نہیں ہارتے تھے ۔ وہ ہمیشہ محبت و وفاداری کا دم بھرتے رہے اور ہر موقع پر رسول کے سینہ سپر رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا جب مخالف گروہ نے انتہائی سختی کے ساتھ یہ طے کر لیا کہ پیغمبر اور ان کے تمام گھر والوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ حالات اتنے خراب تھے کہ جانوں کے لالے پڑ گئے تھے۔ حضرت ابو طالب علیہ السّلام نے اپنے تمام ساتھیوں کو حضرت محمد مصطفیٰ سمیت ایک پہاڑ کے دامن میں محفوظ قلعہ میں بند کر دیا۔ وہاں پر تین برس تک قید و بند کی زندگی بسر کرنی پڑی ۔ کیونکہ اس دوران ہر رات یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں دشمن شب خون نہ مار دے ۔

اس لئے ابو طالب علیہ السلام نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ رات بھر رسول کو ایک بستر پر نہیں رہنے دیتے تھے، بلکہ کبھی رسول کے بستر پر جعفر کو اور جعفر کے بستر پر رسول کو کبھی عقیل کے بستر پر رسول کو اور رسول کے بستر پر عقیل کو کبھی علی کے بستر پر رسول کو اور رسول کے بستر پر علی علیہ السلام کو لٹاتے رہتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر دشمن رسول کے بستر کا پتہ لگا کر حملہ کرنا چاہے تو میرا کوئی بیٹا قتل ہو جائے مگر رسول کا بال بیکانہ ہونے پائے۔ اس طرح علی علیہ السلام بچپن سے ہی فدا کاری اور جان نثاری کے سبق کو عملی طور پر دہراتے رہے۔

رسول کی ہجرت اور حضرت علی (ع)

حضرت علی (ع) کے دیگر افتخارات میں سے ایک یہ ہے کہ جب شب ہجرت مشرک دشمنوں نے رسول اللہ (ص) کے قتل کی سازش رچی تو آپ (ع) نے پوری شجاعت کے ساتھ رسول اللہ (ص) کے بستر پر سو کر انکی سازش کو نا کام کر دیا۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی وفات سے پیغمبر کا دل ٹوٹ گیا اور آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ دشمنوں نے یہ سازش رچی کہ ایک رات جمع ہو کر پیغمبر کے گھر کو گھیر لیں اور حضرت کو شہید کر ڈالیں۔ جب حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے جان نثار بھائی علی علیہ

السلام کو بلا کر اس سازش کے بارے میں اطلاع دی اور فرمایا کہ میری جان اس طرح بچ سکتی ہے اگر آج رات آپ میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ اور میں مخفی طور پر مکہ سے روانہ ہو جاؤں . کوئی دوسرا ہوتا تو یہ پیغام سنتے ہی اس کا دل دہل جاتا، مگر علی علیہ السلام نے یہ سن کر کہ میرے ذریعہ سے رسول کی جان کی حفاظت ہوگی، خدا کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہوئے کہ مجھے رسول کا فدیہ قرار دیا جا رہا ہے۔ یہی ہوا کہ رسالت ماب شب کے وقت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اور علی بن ابی طالب علیہ ما السلام رسول کے بستر پر سوئے۔ چاروں طرف خون کے پیاسے دشمن تلواریں کھینچے نیزے لئے ہوئے مکان کو گھیرے ہوئے تھے . بس اس بات کی دیر تھی کہ ذرا صبح ہو اور سب کے سب گھر میں داخل ہو کر رسالت مآب کو شہید کر ڈالیں . علی علیہ السلام اطمینان کے ساتھ بستر پر آرام کرتے رہے اور اپنی جان کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ جب دشمنوں کو صبح کے وقت یہ معلوم ہوا کہ محمد نہیں ہیں تو انہوں نے آپ پر یہ دباؤ ڈالا کہ آپ بتلا دیں کہ رسول کہا نگئے ہیں ؟ مگر علی علیہ السلام نے بڑے بہادرانہ انداز میں یہ بتانے سے قطعیتور پر انکار کر دیا . اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ (ص) مکہ سے کافی دور تک بغیر کسی پریشانی اور رکاوٹ کے تشریف لے جاسکیں۔ علی علیہ السلام تین روز تک مکہ میں رہے . جن لوگوں کی امانتیں رسول اللہ کے پاس تھیں ان کے سپرد کر کے خواتین بیت رسالت کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے .

آپ کئی روز تک رات دن پیدل چلے کر اس حالت میں رسول کے پاس پہنچے کہ آپ کے پیروں سے خون بہ رہا تھا۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام پر رسول کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اور جس وفاداری، ہمت اور دلیری سے علی علیہ السلام نے اس ذمہ داری کو پورا کیا ہے وہ بھی اپنی آپ میں ایک مثال ہے۔

شادی

جب رسول اکرم (ص) ہجرت کر کے مدینے گئے تو فاطمہ زہرا السلام اللہ علیہا و آلہا و سلم کی چکی تھیں اور پیغمبر (ص) اپنی اکلوتی بیٹی فاطمہ زہرا السلام اللہ علیہا و آلہا و سلم کی شادی کی فکر میں تھے۔ کیوں کہ رسول (ص) اپنی بیٹی سے بے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں اتنی عزت دیتے تھے کہ جب فاطمہ زہرا السلام اللہ علیہا و آلہا و سلم ان کے پاس تشریف لاتی تھیں تو رسول اللہ (ص) ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس لئے ہر شخص رسول کی اس معزز بیٹی کے ساتھ منسوب ہونے کا شرف حاصل کرنے کی تمنا میں تھا۔ کچھ لوگوں نے ہمت کر کے رسول کو پیغام بھی دیا مگر حضرت نے سب کی خواہشوں کو رد کر دیا اور فرمایا کہ فاطمہ کی شادی اللہ کے حکم بغیر نہیں ہو سکتی۔ عمر و ابوبکر قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ سے مشورہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ علی (ع) کے سوا کوئی بھی زہرا (س) کے ساتھ ازدواج کی لیاقت نہیں رکھتا۔ ایک دن جب حضرت علی (ع) انصار

رسول (ص) میں سے کسی کے باغ میں آبیاری کر رہے تھے تو انہوں نے اس موضوع کو آپ (ع) کے سامنے چھیڑا اور آپ نے فرمایا : ” میں بھی دختر رسول (ص) سے شادی کا خواہاں ہوں ، یہ کہہ کر آپ رسول اللہ (ص) کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب رسول اللہ (ص) کی خدمت میں پہنچے تو رسول اللہ (ص) کی عظمت اس بات میں مانع ہوئی کہ آپ (ع) کچھ عرض کریں۔ جب رسول اللہ (ص) نے آنے کی وجہ دریافت کی تو حضرت علی (ع) نے اپنے فضائل، تقویٰ اور اسلام کے لئے اپنے سابقہ کارناموں کی بنیاد پر عرض کیا : ” آیا آپ فاطمہ کو میرے عقد میں دینا بہتر سمجھتے ہیں ؟“ حضرت زہرا (س) کی رضامندی کے بعد رسول اللہ (ص) نے یہ رشتہ قبول کر لیا۔

ہجرت کا پہلا سال تھا کہ رسول نے علی علیہ السلام کو اس عزت کے لئے منتخب کیا . یہ شادی نہایت سادگی کے ساتھ انجام دی گئی . حضرت فاطمہ (س) کا مہر حضرت علی علیہ السلام سے لے کر اسی سے کچھ گھر کا سامان خریدا گیا جسے جہیز طور پر دیا گیا۔ وہ سامان بھی کیا تھا ؟ کچھ مٹی کے برتن ، خرمے کی چھال کے تکیے ، چمڑے کا بستر ، چرخہ ، چکی اور پانی بھرنے کی مشک . حضرت زہرا (س) کا مہر ایک سو سترہ تولے چاندی قرار پایا، جسے حضرت علی علیہ السلام نے اپنی زرہ فروخت کر کے ادا کیا

کتابت وحی

وحی الہی کی کتابت اور بہت سے تاریخی و سیاسی اسناد کی تنظیم اور دعوت الہی کے تبلیغی خطوط لکھنا، حضرت علی (ع) کے بہت اہم کاموں میں سے ایک ہے۔ آپ (ع) قرآنی آیات کو لکھتے اور منظم و کرتے تھے اسی لئے آپ کو کاتبان وحی اور حافظان قرآن میں شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت علیہ السلام، پیغمبر اسلام (ص) کے بھائی

پیغمبر اسلام (ص) نے مدینے پہنچ کر مسلمانوں کے درمیان بھائی کا رشتہ قائم کیا۔ عمر کو ابو بکر کا بھائی بنا بنا یاطلہ کو زبیر کا بھائی قرار دیا و۔۔۔۔۔ اور حضرت علی (ع) کو رسول اللہ (ص) نے اپنا بھائی بنایا اور حضرت علی (ع) سے فرمایا :

”تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو، اس خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔۔۔ میں تمہیں اپنی اخوت کے لئے انتخاب کرتا ہوں، ایک ایسی اخوت جو دونوں جہان میں برقرار رہے۔“

حضرت علی علیہ السلام اور اسلامی جہاد

اسلام کے دشمنوں نے پیغمبر اسلام (ص) کو مدینہ میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ جو مسلمان مکہ میں تھے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں کچھ کو قتل

کر دیا گیا، کچھ کو قیدی بنا لیا گیا اور کچھ کو مارا پیٹا گیا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اسلحہ اور فوج جمع کر کے خود رسول کے خلاف مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ اس موقع پر رسول اللہ (ص) کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ مدینہ والوں کے گھروں کی حفاظت کریں، کیوں کہ انہوں نے آپ کو پریشانی کے عالم میں پناہ دی تھی اور آپ کی نصرت و مدد کا وعدہ کیا تھا، لہذا آپ نے یہ کسی طرح پسند نہ کیا کہ آپ شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں اور دشمن کو مدینہ کی پر امن آبادی میں داخل ہونے اور عورتوں اور بچوں کو پریشان کرنے کا موقع دیں۔ آپ کے ساتھیوں تعداد بہت کم تھی۔ آپ کے پاس کل تین سو تیرہ آدمی تھے اور آپ کے پاس ہتھیار بھی نہیں تھے، مگر آپ نے یہ طے کیا کہ ہم مدینے سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ یہ اسلام کی پہلی جنگ ہوئی جو آگے چل کر جنگ بدر کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ (ص) نے اپنے عزیزوں کو زیادہ آگے رکھا، جس کی وجہ سے آپ کے چچا زاد بھائی عبید ابن حارث ابن عبدالمطلب اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ علی علیہ السلام ابن ابی طالب کو جنگ کا پہلا تجربہ تھا۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۲۵ برس تھی مگر جنگ کی فتح کا سہرا علی علیہ السلام کے سر ہی بندھا۔ جتنے مشرکین قتل ہوئے ان میں سے ادھے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ سے اور ادھے، باقی مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اس کے بعد، أحد، خندق، خیبر اور آخر میں حنین یہ وہ بڑی جنگیں تھیں جن میں حضرت علی علیہ السلام نے

رسول کے ساتھ رہ کر اپنی بہادری کے جوہر دکھا ئے۔ تقریباً ان تمام جنگوں میں علی علیہ السّلام کو علمداری کا عہدہ بھی حاصل رہا۔ اس کے علاوہ بہت سی جنگیں ایسی تھیں جن میں رسول نے حضرت علی علیہ السّلام کو تنہا بھیجا اور انہوں نے اکیلے ہی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ فتح حاصل کی اور استقلال، تحمّل اور شرافتُ نفس کا وہ مظاہرہ کیا کہ اس کا اقرار خود ان کے دشمن کو بھی کرنا پڑا۔ جب خندق کی جنگ میں دشمن کے سب سے بڑے سورما عمر و بن عبدود کو آپ نے مغلوب کر لیا اور اس کا سر کاٹنے کے لیے اس کے سینے پر سوار ہوئے تو اس نے آپ کے چہرے پر لعب دہن پھینک دیا۔ آپ کو غصہ آگیا اور آپ اس کے سینے سے اتر آئے۔ صرف اس خیال سے کہ اگر اس غصے کی حالت میں اس کو قتل کیا تو یہ عمل خواہش نفس کے مطابق ہوگا، خدا کی راہ میں نہ ہوگا۔ اسی لئے آپ نے اس کو کچھ دیر کے بعد قتل کیا۔ اس زمانے میں دشمن کو ذلیل کرنے کے لیے اس کی لاش کو برہنہ کر دیتے تھے، مگر حضرت علی علیہ السّلام نے اس کی زرہ نہیں اتاری جبکہ وہ بہت قیمتی تھی۔ چنانچہ جب عمرو کی بہن اپنے بھائی کی لاش پر آئی تو اس نے کہا کہ اگر علی کے علاوہ کسی اور نے میرے بھائی کو قتل کیا ہوتا تو میں عمر بھر روتی، مگر مجھے یہ دیکھ کر صبر آگیا کہ اس کا قاتل شریف انسان ہے جس نے اپنے دشمن کی لاش کی توہین گوارا نہیں کی۔ آپ نے کبھی دشمن کی عورتوں یا بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھا یا اور نہ کبھی

مالِ غنیمت کی طرف رخ کیا .

غدیر خم

پیغمبر اکرم (ص) اپنی پر برکت زندگی کے آخری سال میں حج کا فریضہ انجام دینے کے بعد مکہ سے مدینے کی طرف پلٹ رہے تھے، جس وقت آپ کا قافلہ جحفہ کے نزدیک غدیر خم نامی مقام پر پہنچا تو جبرئیل امین یہ آیہ بلغ لیکر نازل ہوئے، پیغمبر اسلام (ص) نے قافلے کو ٹھہرنے کا حکم دیا ۔ نماز ظہر کے بعد پیغمبر اکرم (ص) اونٹوں کے کجاو سے بنے منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا :

” ایہا الناس ! وہ وقت قریب ہے کہ میں دعوت حق پر لبیک کہتے ہوئے تمہارے درمیان سے چلا جاؤں ، لہذا بتاؤ کہ میرے بارے میں تمہاری کیا رای ہے؟“

سب نے کہا : ” ہم گواہی دیتے ہیں آپ نے الہی آئین و قوانین کی بہترین طریقے سے تبلیغ کی ہے “ رسول اللہ (ص) نے فرمایا ” کیا تم گواہی دیتے ہو کہ خدائے واحد کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور محمد خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے “۔

پھر فرمایا: ” ایہا الناس ! مومنوں کے نزدیک خود ان سے بہتر اور سزا وار تر کون ہے ؟“۔

لوگوں نے جواب دیا : ” خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں “۔

پھر رسول اللہ (ص) نے حضرت علی (ع) کے ہاتھ کو پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا

: ”ایہا الناس ! من كنت مولاه فهذا علي مولاه۔ جس جس کا میں مولا ہوں اس

اس کے یہ علی مولا ہیں“ ۔

رسول اللہ (ص) نے اس جملے کی تین مرتبہ تکرار کی ۔

اس کے بعد لوگوں نے حضرت علی (ع) کو اس منصب ولایت کے لئے

مبارک باددی اور آپ (ع) کے ہاتھوں پر بیعت کی ۔

حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر اسلام (ص) کی نظر میں

علی علیہ السلام کے امتیازی صفات اور خدمات کی بنا پر رسول ان کی بہت

عزت کرتے تھے او اپنے قول اور فعل سے ان کی خوبیوں کو ظاہر کرتے

رہتے تھے کبھی یہ کہتے تھے کہ «علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے

ہوں» ۔ کبھی یہ کہا کہ «میں علم کاشہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے ۔ کبھی

یہ کہا «آپ سب میں بہترین فیصلہ کرنے والا علی ہے ۔ کبھی یہ کہا» علی

کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی ۔ کبھی

یہ کہا» علی مجھ سے وہ تعلق رکھتے ہیں جو روح کو جسم سے یاسر کو بدن

سے ہوتا ہے

کبھی یہ کہ» وہ خدا اور رسول کے سب سے زیادہ محبوب ہیں ،، یہاں تک کہ

مباہلہ کے واقعہ میں علی علیہ السلام کو نفس رسول کا خطاب ملا۔ عملی

اعزاز یہ تھا کہ جب مسجد کے صحن میں کھانے والے، سب کے دروازے بند ہوئے تو علی کادروازہ کھلا رکھا گیا . جب مہاجرین و انصار میں بھائی کا رشتہ قائم کیا گیا تو علی علیہ السّلام کو پیغمبر نے اپنا بھائی قرار دیا۔ اور سب سے آخر میں غدیر خم کے میدان میں مسلمانوں کے مجمع میں علی علیہ السّلام کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے یہ اعلان فرما دیا کہ جس طرح میں تم سب کا حاکم اور سرپرست ہوں اسی طرح علی علیہ السّلام، تم سب کے سرپرست اور حاکم ہیں۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ تمام مسلمانوں نے علی علیہ السّلام کو مبارک باد دی اور سب نے سمجھ لیا کہ پیغمبر نے علی علیہ السّلام کی ولی عہدی اور جانشینی کا اعلان کر دیا ہے .

رسول اللہ (ص) کی وفات اور حضرت علی علیہ السلام

ہجرت کا دسواں سال تھا کہ پیغمبر خدا (ص) ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوئے، جو ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوا۔ یہ خاندانِ رسول کے لئے بڑی مصیبت کا وقت تھا۔ حضرت علی علیہ السّلام رسول کی بیماری میں آپ کے پاس موجود رہ کر تیمارداری کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اور رسول اللہ (ص) بھی اپنے پاس سے ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت علی علیہ السّلام کا جدا ہونا گوارا نہیں کرتے تھے . پیغمبر اسلام (ص) نے علی علیہ السّلام کو اپنے پاس بلایا اور سینے سے لگا کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور ضروری وصیتیں فرمائیں . اس گفتگو کے بعد بھی حضرت علی علیہ السّلام

کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیا اور ان کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔ جس وقت رسول اللہ (ص) کی روح جسم سے جدا ہوئی، اس وقت بھی حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ رسول کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔ جس نے زندگی بھر پیغمبر کا ساتھ دیا ہو، وہ بعد رسول ان کی لاش کو کس طرح چھوڑ سکتا تھا، لہذا رسول کی تجہیز و تکفین اور غسل کا تمام کام علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیا اور رسول اللہ (ص) کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں رکھ کر دفن کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی طاہری خلافت

رسول اللہ (ص) کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے پچیس برس خانہ نشینی میں بسر کئے۔ جب سن ۳۵ ہجری قمری میں مسلمانوں نے خلافت اسلامی کا منصب حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو پہلے تو آپ نے انکار کر دیا، لیکن جب مسلمانوں کا اصرار بہت بڑھا تو آپ نے اس شرط سے منظو رکر لیا کہ میں قرآن اور سنت پیغمبر (ص) کے مطابق حکومت کروں گا اور کسی رورعایت سے کام نہ لوں گا۔ جب مسلمانوں نے اس شرط کو منظور کر لیا تو آپ نے خلافت کی ذمہ داری قبول کی۔ مگر زمانہ آپ کی خالص دینی حکومت کو برداشت نہ کرسکا، لہذا بنی امیہ اور بہت سے وہ لوگ، جنہیں آپ کی دینی حکومت کی وجہ سے اپنے اقتدار کے ختم ہوجانے کا خطرہ محسوس ہو گیا تھا، وہ آپ کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ان سب

سے مقابلہ کرنا اپنا فرض سمجھا، جس کے نتیجے میں جمل، صفین، اور نہروان کی جنگیں ہوئیں۔ ان جنگوں میں حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام نے اس شجاعت اور بہادری سے جنگ کی جو بدر، احد، خندق، وخیبر میں کسی وقت دیکھی جاچکی تھی اور زمانہ کو یاد تھی۔ ان جنگوں کی وجہ سے آپ کو اتنا موقع نہ مل سکا کہ آپ اس طرح اصلاح فرماتے جیسا کہ آپ کا دل چاہتا تھا۔ پھر بھی آپ نے اس مختصر سی مدت میں، سادہ اسلامی زندگی، مساوات اور نیک کمائی کے لیے محنت و مزدوری کی تعلیم کے نقش تازہ کردئے۔ آپ شہنشاہ اسلام ہونے کے باوجود کجھوروں کی دکان پر بیٹھنا اور اپنے ہاتھ سے کھجوریں بیچنا بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، غریبوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھالتے تھے۔ جو مال بیت المال میں اتا تھا اسے تمام حقداروں کے درمیان برابر تقسیم کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے سگے بھائی عقیل نے جب یہ چاہا کہ انہیں، دوسرے مسلمانوں سے کچھ زیادہ مل جائے، تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر میرا ذاتی مال ہوتا تو یہ ممکن تھا، مگر یہ تمام مسلمانوں کا مال ہے، لہذا مجھے حق نہیں ہے کہ میں اس میں سے اپنے کسی عزیز کو دوسروں سے زیادہ حصہ دوں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر آپ کبھی رات کے وقت بیت المال میں حساب و کتاب میں مصروف ہوتے اور کوئی ملاقات کے لیے آجاتا اور غیر متعلق باتیں کرنے لگتا تو آپ چراغ کو بھجادیاتے تھے اور کہتے تھے کہ بیت المال کے چراغ کو میرے ذاتی کام میں صرف نہیں ہونا چاہئے۔

آپ کی کوشش یہ رہتی تھی کہ جو کچھ بیت المال میں آئے وہ جلد سے جلد حق داروں تک پہنچ جائے . آپ اسلامی خزانے میں مال کو جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت

جنگ نہروان کے بعد خوارج میں سے کچھ لوگ جیسے عبد الرحمن بن ملجم مرادی ، ومبرک بن عبد اللہ تمیمی اور عمر و بن بکر تمیمی ایک رات میں ایک جگہ جمع ہوئے اور نہروان میں مارے گئے اپنے ساتھیوں کو یاد کیا کرتے ہوئے ان دنوں کے حالات اور داخلی جنگوں کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قتل و غارت کی وجہ حضرت علی (ع) معاویہ اور عمرو عاص ہیں اور اگر ان تینوں افراد کو قتل کر دیا جائے تو مسلمان اپنے مسائل کو خود حل کر لیں گے۔ لہذا انہوں نے آپس میں طے کیا کہ ہم میں سے ہر ایک آدمی ان میں سے ایک ایک کو قتل کرے گا ۔

ابن ملجم نے حضرت علی (ع) کے قتل کا عہد کیا اور سن ۴۰ ہجری قمری میں انیسویں رمضان المبارک کی شب کو کچھ لوگوں کے ساتھ مسجد کوفہ میں آکر بیٹھ گیا۔ اس شب حضرت علی (ع) اپنی بیٹی کے گھر مہمان تھے اور صبح کو واقع ہونے والے حادثہ سے باخبر تھے۔ لہذا جب اس مسئلہ کو اپنی بیٹی کے سامنے بیان کیا تو ام کلثوم نے کہا کہ کل صبح آپ...کو مسجد

میں بھیج دیجئے ۔
 حضرت علی (ع) نے فرمایا : قضائے الہی سے فرار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر
 اپنے کمر کے پٹکے کو کس کر باندھا اور اس شعر کو گنگناتے ہوئے مسجد
 کی طرف روانہ ہو گئے ۔
 ”اپنی کمر کو موت کے لئے کس لو ، اس لئے کہ موت تم سے ملاقات کرے
 گی
 اور جب موت تمہاری تلاش میں آئے تو موت کے ڈر سے نالہ و فریاد نہ کرو
 ۔“

حضرت علی (ع) سجدہ میں تھے کہ ابن ملجم نے آپ کے فرق مبارک پر
 تلوار کا وار کیا۔ آپ کے سر سے خون جاری ہوا آپ کی داڑھی اور محراب
 خون سے رنگین ہو گئی۔ اس حالت میں حضرت علی (ع) نے فرمایا : ”فزت
 و رب الكعبه“ کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ پھر سورہ طہ کی
 اس آیت کی تلاوت فرمائی :
 ”ہم نے تم کو خاک سے پیدا کیا ہے اور اسی خاک میں واپس پلٹا دیں گے
 اور پھر اسی خاک تمہیں دوبارہ اٹھائیں گے ۔“
 حضرت علی (ع) اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی لوگوں کی اصلاح و
 سعادت کی طرف متوجہ تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں، عزیزوں اور تمام
 مسلمانوں سے اس طرح وصیت فرمائی :
 ”میں تمہیں پرہیز گاری کی وصیت کرتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ تم

اپنے تمام امور کو منظم کرو اور ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اصلاح کی فکر کرتے رہو۔ یتیموں کو فراموش نہ کرو۔ پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت کرو۔ قرآن کو اپنا عملی نصاب قرار دو، نماز کی بہت زیادہ قدر کرو، کیوں کہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔“

آپ کے رحم و کرم اور مساوات پسندی کا عالم یہ تھا کہ جب آپ کے قاتل کو گرفتار کر کے آپ کے سامنے لا یا گیا، اور آپ نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، تو آپ کو اس پر بھی رحم آگیا۔ اپنے اپنے دونوں بیٹوں امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ یہ ہمارا قیدی ہے اس کے ساتھ کوئی سختی نہ کرنا، جو کچھ خود کھانا وہ اسے کھلانا، اگر میں صحتیاب ہو گیا تو مجھے اختیار ہے کہ چاہے اسے سزا دوں یا معاف کر دوں اور اگر میں دنیا میں نہ رہا اور آپ نے اس سے انتقام لینا چاہا تو اسے ایک ہی ضربت لگانا کیونکہ اس نے مجھے ایک ہی ضربت لگائی ہے۔ اور ہر گز اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ قطع نہ کرنا کیوں کہ یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

حضرت علی علیہ السلام دو روز تک بستر بیماری پر کرب و بیچینی کے ساتھ کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر کار زہر کا اثر جسم میں پھیل گیا اور ۲۱ رمضان کو نماز صبح کے وقت آپ کی روح جسم سے پرواز کر گئی۔ حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام نے تجہیز و تکفین کے بعد آپ کے جسم اطہر کو نجف میں دفن کر دیا۔

چودہ ستارے

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

نام، القاب و کنیت

نام فاطمہ اور مشہور لقب زہرا ، سیدۃ النساء العلمین ، راضیۃ ، مرضیۃ ، شافعة، صدیقہ ، طاہرہ ، زکیہ، خیر النساء اور بتول ہیں۔ اور آپ کی مشہور کنیت ام الآئمة ، ام الحسنین، ام السبطين اور ام ابیہا ہے۔ ان تمام کنیتوں میں سب سے زیادہ حیرت انگیز ام ابیہا ہے، یعنی اپنے باپ کی ماں ، یہ لقب اس بات کا ترجمان ہے کہ آپ اپنے والد بزرگوار کو بے حد چاہتی تھیں اور کمسنی کے باوجود اپنے بابا کی روحی اور معنوی پناہ گاہ تھیں ۔ پیغمبر اسلام (ص) نے آپ کو ام ابیہا کا لقب اس لئے دیا ۔ کیونکہ عربی میں اس لفظ کے معنی، ماں کے علاوہ اصل اور مبداء کے بھی ہیں یعنی جڑ اور بنیاد لہذا اس لقب (ام ابیہا) کا ایک مطلب نبوت اور ولایت کی بنیاد اور مبدابھی ہے۔ کیونکہ یہ آپ ہی کا وجود تھا، جس کی برکت سے شجرہٴ امامت اور ولایت نے رشد پایا ، جس نے نبوت کو نابودی اور نبی خدا کو ابتریت کے طعنہ سے بچایا۔

والدین

آپ کے والد ماجد ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ (ص) اور والدہ ماجدہ

حضرت خدیجہ بنت خولد ہیں۔ ہم اس باپ کی تعریف میں کیا کہیں، جو ختم المرسلین، حبیب خدا اور منجی بشریت ہو؟ کیا لکھیں اس باپ کی تعریف میں جسکے تمام اوصاف و کمالات لکھنے سے قلم عاجز ہو؟ فصحاء و یلفاء عالم، جس کے محاسن کی توصیف سے ششدر ہوں؟ اور آپ کی والدہ ماجدہ، جناب خدیجہ بنت خویلد جو قبل از اسلام قریش کی سب سے زیادہ با عفت اور نیک خاتون تھیں۔ وہ عالم اسلام کی سب سے پہلی خاتون تھیں، جو خورشید اسلام کے طلوع کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ (ص) پر ایمان لائیں اور اپنا تمام مال دنیا اسلام کو پروان چڑھانے کے لئے اپنے شوہر کے اختیار میں دے دیا۔ تاریخ اسلام، حضرت خدیجہ (س) کی پیغمبر اسلام (ص) کے ساتھ وفاداری اور جان و مال کی فدا کاری کو ہر گز نہیں بھلا سکتی۔ جیسا کہ خود پیغمبر اسلام (ص) کے کردار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک آپ زندہ تھیں کوئی دوسری شادی نہیں کی اور ہمیشہ آپ کی عظمت کا قصیدہ پڑھا، عائشہ زوجہ پیغمبر (ص) فرماتی ہیں :

ازواج رسول (ص) میں کوئی بھی حضرت خدیجہ کے مقام و احترام تک نہیں پہنچ پائی۔ پیغمبر اسلام (ص) ہمیشہ انکا ذکر خیر کیا کرتے تھے اور اتنا احترام کہ گویا ازواج میں سے کوئی بھی ان جیسی نہیں تھی۔

پھر عائشہ کہتی ہیں : میں نے ایک دن پیغمبر اسلام (ص) سے کہا : وہ محض ایک بیوہ عورت تھیں، تو یہ سن کر پیغمبر اسلام (ص) اس قدر ناراض ہوئے کہ آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور پھر فرمایا : خدا کی قسم میرے لئے

خدیجہ سے بہتر کوئی نہیں تھا ۔
جب سب لوگ کافر تھے تو وہ مجھ پر ایمان لائیں، جب سب لوگ مجھ سے
رخ پھیر چکے تھے تو انہوں نے اپنی ساری دولت میرے حوالے کر دی ۔ خدا
نے مجھے اس سے ایک ایسی بیٹی عطا کی کہ جو تقویٰ، عفت و طہارت کا
نمونہ ہے ۔

پھر عائشہ کہتی ہیں : میں یہ بات کہہ کر بہت ارمنده ہوئی اور میں نے پیغمبر
اسلام (ص) سے عرض کیا : اس بات سے میرا کوئی غلط مقصد نہیں تھا ۔
حضرت فاطمہ زہراء (س) ایسی والدہ اور والد کی آغوش پروردہ ہیں ۔

ولادت

حضرت فاطمہ زہرا (ع) کیتاریخ ولادت کے سلسلہ میں علماء اسلام کے
درمیان اختلاف ہے۔ لیکن اہج بیت عصمت و طہارت کی روایات کی بنیاد پر
آپ کی ولادت بعثت کے پانچویں سال ۲۰ جمادی الثانی، بروز جمعہ مکہ
معظمہ میں ہوئی ۔

بچپن اور تربیت

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پانچ برس تک اپنی والدہ ماجدہ حضرت
خدیجۃ الکبریٰ کے زیر سایہ رہیں اور جب بعثت کے دسویں برس خدیجۃ
الکبریٰ علیہا السلام کا انتقال ہو گیا ماں کی آغوش سے جدائی کے بعد، ان کا
گہوارہ تربیت صرف باپ کا سایہ رحمت تھا اور پیغمبر اسلام کی اخلاقی

تربیت کا افتاب تھا جس کی شعاعیں براہِ راست اس بے نظیر گوہر کی اب
 وتاب میں اضافہ کر رہی تھیں .
 جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا ک و اپنے بچپن میں بہت سے ناگوار حالات کا سامنا
 کرنا پڑا۔ پانچ سال کے سن میں سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا۔ اب باپ کے زیر
 سایہ زندگی شروع ہوئی تو اسلام کے دشمنوں کی طرف سے رسول کو دی
 جانے والی اذیتیں سامنے تھیں کبھی اپنے بابا کے جسم مبارک کو پتھروں
 سے لہو لہان دیکھتیں تو کبھی سنتی کے مشرکوں نے بابا کے س پر کوڑا ڈال
 دیا۔ کبھی سنتیں کہ دشمن بابا کے قتل کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ مگر اس کم
 سنی کے عالم میں بھی سیّدہ عالم نہ ڈریں نہ سہمیں نہ گھبرائیں بلکہ اس ننھی
 سی عمر میں اپنے بزرگ مرتبہ باپ کی مدد گار بنی رہیں

. حضرت فاطمہ (س) کی شادی

یہ بات شروع سے ہی سب پر عیاں تھی کہ علی (ع) کے علاوہ کوئی دوسرا
 دختر رسول (ص) کا کفو و ہمتا نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی بہت سے ایسے
 لوگ، جو اپنے آپ کو پیغمبر (ص) سے نزدیک سمجھتے تھے اپنے دلوں میں
 دختر رسول (ص) سے شادی کی امید لگائے بیٹھے تھے۔
 مورخین نے لکھا ہے : جب سب لوگوں نے قسمت آزمائی کر لی تو حضرت
 علی (ع) سے کہنا شروع کر دیا : اے علی (ع) آپ دختر پیغمبر (ص) سے
 شادی کے لئے نسبت کیوں نہیں دیتے۔ حضرت علی (ع) فرماتے تھے :

میرے پاس ایسا کچھ بھی نہیں ہے جس کی بنا پر میں اس راہ میں قدم بڑھاؤں ۔ وہ لوگ کہتے تھے : پیغمبر (ص) تم سے کچھ نہیں مانگیں گے ۔ آخر کار حضرت علی (ع) نے اس پیغام کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کیا ۔ اور ایک دن رسول اکرم (ص) کے بیت الشرف میں تشریف لے گئے لیکن شرم و حیا کی وجہ سے آپ اپنا مقصد ظاہر نہیں کر پا رہے تھے ۔ مورخین لکھتے ہیں کہ : آپ اسی طرح دو تین مرتبہ رسول اکرم (ص) کے گھر گئے لیکن اپنی بات نہ کہہ سکے ۔ آخر کار تیسری مرتبہ پیغمبر اکرم (ص) نے پوچھ ہی لیا : اے علی کیا کوئی کام ہے ؟ حضرت امیر (ع) نے جواب دیا : جی ، رسول اکرم (ص) نے فرمایا : شاید زہراء سے شادی کی نسبت لے کر آئے ہو ؟ حضرت علی (ع) نے جواب دیا، جی۔ چونکہ مشیت الہی بھی یہی چاہ رہی تھی کہ یہ عظیم رشتہ برقرار ہو لہذا حضرت علی (ع) کے آنے سے پہلے ہی رسول اکرم (ص) کو وحی کے ذریعہ اس بات سے آگاہ کیا جا چکا تھا ۔ بہتر تھا کہ پیغمبر (ص) اس نسبت کا تذکرہ زہراء سے بھی کرتے لہذا آپ نے اپنی صاحب زادی سے فرمایا : آپ ، علی (ع) کو بہت اچھی طرح جانتیں ہیں ، وہ مجھ سے سب سے زیادہ نزدیک ہیں ، علی (ع) اسلام سابق خدمت گزاروں اور با فضیلت افراد میں سے ہیں، میں نے خدا سے یہ چاہا تھا کہ وہ تمہارے لئے بہترین شوہر کا انتخاب کرے ۔ اور خدا نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ کی شادی علی (ع) سے کر دوں آپ

کی کیا رائے ہے ؟

حضرت زہراء (س) خاموش رہیں ، پیغمبر اسلام (ص) نے آپ کی خاموشی کو آپ کی رضا مندی سمجھا اور خوشی کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ پھر حضرت امیر (ع) کو شادی کی بشارت دی۔ حضرت فاطمہ زہرا (س) کا مہر ۴۰ مثقال چاندی قرار پایا اور اصحاب کے ایک مجمع میں خطبہ نکاح پڑھا دیا گیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ شادی کے وقت حضرت علی (ع) کے پاس ایک تلوار ، ایک ذرہ اور پانی بھرنے کے لئے ایک اونٹ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا ، پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا : تلوار کو جہاد کے لئے رکھو ، اونٹ کو سفر اور پانی بھرنے کے لئے رکھو لیکن اپنی زرہ کو بیچ ڈالو تاکہ شادی کے وسائل خرید سکو ۔ رسول اکرم (ص) نے جناب سلمان فارسی سے کہا : اس زرہ کو بیچ دو جناب سلمان نے اس زرہ کو پانچ سو درہم میں بیچا ۔ پھر ایک بھیڑ ذبح کی گئی اور اس شادی کا ولیمہ ہوا ۔ جہیز کا وہ سامان جو دختر رسول اکرم (ص) کے گھر لایا گیا تھا ، اس میں چودہ چیزیں تھیں ۔

شہزادی عالم، زوجہ علی (ع)، فاطمہ زہراء (ع) کا بس یہی مختصر سا جہیز تھا ۔ رسول اکرم (ص) اپنے چند با وفا مہاجر اور انصار اصحاب کے ساتھ اس شادی کے جشن میں شریک تھے ۔ تکبیروں اور تہلیوں کی آوازوں سے مدینہ کی گلیوں اور کوچوں میں ایک خاص روحانیت پیدا ہو گئی تھی اور دلوں میں سرور و مسرت کی لہریں موج زن تھیں ۔ پیغمبر اسلام (ص) اپنی

صاحب زادی کا ہاتھ حضرت علی (ع) کے ہاتھوں میں دے کر اس مبارک جوڑے کے حق میں دعا کی اور انہیں خدا کے حوالے کر دیا۔ اس طرح کائنات کے سب سے بہتر جوڑے کی شادی کے مراسم نہایت سادگی سے انجام پائے۔

حضرت فاطمہ (س) کا اخلاق و کردار

حضرت فاطمہ زہرا اپنی والدہ گرامی حضرت خدیجہ کی والا صفات کا واضح نمونہ تھیں جو دو سخا، اعلیٰ فکری اور نیکی میں اپنی والدہ کی وارث اور ملکوتی صفات و اخلاق میں اپنے پدر بزرگوار کی جانشین تھیں۔ وہ اپنے شوہر حضرت علی (ع) کے لئے ایک دلسوز، مہربان اور فدا کار زوجہ تھیں۔ آپ کے قلب مبارک میں اللہ کی عبادت اور پیغمبر کی محبت کے علاوہ اور کوئی تیسرا نقش نہ تھا۔ زمانہ جاہلیت کی بت پرستی سے آپ کو سوں دور تھیں۔ آپ نے شادی سے پہلے کی ۹ سال کی زندگی کے پانچ سال اپنی والدہ اور والد بزرگوار کے ساتھ اور ۴ سال اپنے بابا کے زیر سایہ بسر کئے اور شادی کے بعد کے دوسرے نو سال اپنے شوہر بزرگوار علی مرتضیٰ (ع) کے شانہ بہ شانہ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت، اجتماعی خدمات اور خانہ داری میں گزارے۔ آپ کا وقت بچوں کی تربیت گھر کی صفائی اور ذکر و عبادت خدا میں گذرتا تھا۔ فاطمہ (س) اس خاتون کا نام ہے جس نے اسلام کے مکتب تربیت میں پرورش پائی تھی اور ایمان و تقویٰ آپ کے وجود کے

ذرات میں گھل مل چکا تھا ۔
 فاطمہ زہرا (س) نے اپنے ماں باپ کی آغوش میں تربیت پائی اور معارف و
 علوم الہی کو، سر چشمہ نبوت سے کسب کیا۔ انہوں نے جو کچھ بھی
 ازدواجی زندگی سے پہلے سیکھا تھا اسے شادی کے بعد اپنے شوہر کے
 گھر میں عملی جامہ پہنایا ۔ وہ ایک ایسی مسن و سمجھدار خاتون کی طرح
 جس نے زندگی کے تمام مراحل طے کر لئے ہوں اپنے اپنے گھر کے
 امور اور تربیت اولاد سے متعلق مسائل پر توجہ دیتی تھیں اور جو کچھ گھر
 سے باہر ہوتا تھا اس سے بھی باخبر رہتی تھیں اور اپنے اور اپنے شوہر
 کے حق کا دفاع کرتی تھیں ۔

حضرت فاطمہ (س) کا نظام عمل

حضرت فاطمہ زہرا نے شادی کے بعد جس نظام زندگی کا نمونہ پیش کیا
 وہ طبقہ نسواں کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ گھر کا تمام کام اپنے
 ہاتھ سے کرتی تھیں۔ جھاڑو دینا، کھانا پکانا، چرخہ چلانا، چکی پیسنا اور
 بچوں کی تربیت کرنا یہ سب کام اور ایک اکیلی سیدہ لیکن نہ تو کبھی تیوریوں
 پر بل پڑے اور نہ کبھی اپنے شوہر حضرت علی علیہ السلام سے اپنے لیے
 کسی مددگار یا خادمہ کے انتظام کی فرمائش کی۔ ایک مرتبہ اپنے پدر
 بزرگوار حضرت رسول خدا سے ایک کنیز عطا کرنے کی خواہش کی تو
 رسول نے بجائے کنیز عطا کرنے کے وہ تسبیح تعلیم فرمائی جو تسبیح فاطمہ

زہرا کے نام سے مشہور ہے۔ ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، 33 مرتبہ الحمد للہ اور 33 مرتبہ سبحان اللہ۔ حضرت فاطمہ اس تسبیح کی تعلیم سے اتنی خوش ہوئی کہ کنیز کی خواہش ترک کر دی۔ بعد میں رسول نے بلا طلب ایک کنیز عطا فرمائی جو فضہ کے نام سے مشہور ہے۔ جناب سیّدہ اپنی کنیز فضہ کے ساتھ کنیز جیسا برتاؤ نہیں کرتی تھیں بلکہ اس سے ایک برابر کے دوست جیسا سلوک کرتی تھیں۔ وہ ایک دن گھر کا کام خود کرتیں اور ایک مدینہ فضہ سے کراتیں۔ اسلام کی تعلیم یقیناً یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں زندگی کے جہاد میں مشترک طور پر حصہ لیں اور کام کریں۔ بیکار نہ بیٹھیں مگر ان دونوں میں صنف کے اختلاف کے لحاظ سے تقسیم عمل ہے۔ اس تقسیم کار کو علی علیہ السلام اور فاطمہ نے مکمل طریقہ پر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ گھر سے باہر کے تمام کام اور اپنی قوت بازو سے اپنے اور اپنے گھر والوں کی زندگی کے حرج کا سامان مہیا کرنا علی علیہ السلام کے ذمہ تھے اور گھر کے اندر کے تمام کام حضرت فاطمہ زہرا انجام دیتی تھیں۔

حضرت زہرا سلام اللہ کا پردہ

سیدہ عالم نہ صرف اپنی سیرت زندگی بلکہ اقوال سے بھی خواتین کے لیے پردہ کی اہمیت پر بہت زور دیتی تھیں۔ آپ کا مکان مسجد رسول سے بالکل متصل تھا۔ لیکن آپ کبھی برقع و چارد میں نہاں ہو کر بھی اپنے والد بزرگوار کے پیچھے نماز جماعت پڑھنے یا اپ کا وعظ سننے کے لیے مسجد میں

تشریف نہیں لائیں بلکہ اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام سے جب وہ مسجد سے واپس جاتے تھے اکثر رسول کے خطبے کے مضامین سن لیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ پیغمبر نے منبر پر یہ سوال پیش کر دیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے یہ بات سیدہ کو معلوم ہوئی تو آپ نے جواب دیا عورت کے لئے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ نہ اس کی نظر کسی غیر مرد پر پڑے اور نہ کسی غیر مرد کی نظر اس پر پڑے۔ رسول کے سامنے یہ جواب پیش ہوا تو حضرت نے فرمایا۔ "کیوں نہ ہو فاطمہ میرا ہی ایک ٹکڑا ہے۔"

حضرت زہرا (س) اور جہاد

اسلام میں عورتوں کا جہاد، مردوں کے جہاد سے مختلف ہے۔ لہذا حضرت فاطمہ زہرا نے کبھی میدانِ جنگ میں قدم نہیں رکھا۔ لیکن جب کبھی پیغمبر میدانِ جنگ سے زخمی ہو کر پلٹتے تو سیدہ عالم ان کے زخموں کو دھو تیں تھیں۔ اور جب علی علیہ السلام خون آلود تلوار لے کر آتے تو فاطمہ اسے دھو کر پاک کرتی تھیں۔ وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ ان کا جہاد یہی ہے جسے وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں رہ کے کرتی ہیں۔ ہاں صرف ایک موقع پر حضرت زہرا نصرتِ اسلام کے لئے گھر سے باہر آئیں اور وہ تھا مباہلے کا موقع۔ کیوں کہ یہ ایک پر امن مقابلہ تھا اور اس میں صرف روحانی فتح کا سوال تھا۔ یعنی صرف مباہلہ کا میدان ایسا تھا جہاں سیدہ عالم خدا کے حکم سے برقع و چادر میں نہاں ہو کر اپنے باپ اور شوہر کے ساتھ گھر سے باہر

نکلیں جس کا واقعہ یہ تھا کہ یمن سے عیسائی علماء کا ایک وفد رسول کے پاس بحث و مباحثہ کے لیے آیا اور کئی دن تک ان سے بحث ہوتی رہی جس سے حقیقت ان پر روشن تو ہوگئی مگر سخن پروری کی بنا پر وہ قائل نہ ہونا تھے نہ ہوئے . اس وقت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے رسول اتنے سچے دلائل کے بعد بھی یہ نہیں مانتے تو ان سے کہو کہ پھر جاؤ «ہم اپنے بیٹوں کو لائیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ، ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ، ہم اپنے نفسوں کو لائیں تم اپنے نفسوں کو اور اللہ کی طرف رجوع کریں اور اور جھوٹوں کے لیے اللہ کی لعنت یعنی عذاب کی بددعا کریں .» عیسائی علماء پہلے تو اس کے لیے تیار ہو گئے مگر جب رسول اللہ اس شان سے تشریف لے گئے کہ حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام جیسے بیٹے فاطمہ زہرا جیسی خاتون اور علی علیہ السلام جیسے نفس ان کے ساتھ تھے تو عیسائیوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا اور مخصوص شرائط پر صلح کر کے واپس ہو گئے .

فاطمہ زہرا (س) اور پیغمبر اسلام

حضرت فاطمہ زہرا (س) کے اوصاف و کمالات اتنے بلند تھے کہ ان کی بنا پر رسول (ص) فاطمہ زہرا (س) سے محبت بھی کرتے تھے اور عزت بھی۔ محبت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب آپ کسی عزوہ پر تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں فاطمہ زہرا سے رخصت ہونے تھے اور جب واپس

تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ زہرا سے ملنے کے لئے جاتے تھے .

اور عزت و احترام کا نمونہ یہ ہے کہ جب فاطمہ (س) ان کے پاس آتی تھیں تو آپ تعظیم کو کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے . رسول کا یہ برتاؤ فاطمہ زہرا کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہ تھا .

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پیغمبر (ص) کی نظر میں

سیدہ عالم کی فضیلت میں پیغمبر کی اتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ جتنی حضرت علی علیہ السلام کے سوا کسی دوسری شخصیت کے لیے نہیں ملتیں .

ان میں سے اکثر علماء اسلام میں متفقہ حیثیت رکھتی ہیں . مثلاً "آپ بہشت میں جانے والی عورتوں کی سردار ہیں .
ایمان لانے والی عورتوں کی سردار ہیں .
سردار ہیں .
آپ کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ ناراض ہوتا ہے ."
جس نے آپ کو ایذا دی اس نے رسول کو ایذا دی .
اس طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں جو معتبر کتابوں میں درج ہیں .

فاطمہ زہرا (س) پر پڑنے والی مصیبتیں

افسوس ہے کہ وہ فاطمہ (س) جن کی تعظیم کو رسول کھڑے ہو جاتے تھے بعد رسول اہل زمانہ کا رخ ان کی طرف سے پھر گیا۔ ان پر طرہ طرہ کے ظلم

ہونے لگے۔ علی علیہ السلام سے خلافت چھین لی گئی۔ پھر آپ سے بیعت کا سوال بھی کیا جانے لگا اور صرف سوال ہی پر اکتفا نہیں بلکہ جبر و تشدد سے کام لیا جانے لگا۔ انتہا یہ کہ سیدہ عالم کے گھر پر لکڑیاں جمع کر دیں گئیں اور آگ لگائی جانے لگی۔ اس وقت آپ کو وہ جسمانی صدمہ پہنچا، جسے آپ برداشت نہ کر سکیں اور وہی آپ کی وفات کا سبب بنا۔ ان صدموں اور مصیبتوں کا اندازہ سیدہ عالم کی زبان پر جاری ہونے والے اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے کہ

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوَانَهَا صَبَّتْ عَلَيَّ الْإِيَّامُ صَرْنُ لِيَالِيَا
 یعنی مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ رات میں تبدیل ہو جاتے۔

سیدہ عالم کو جو جسمانی و روحانی صدمے پہنچے ان میں سے ایک، فدک کی جائیداد کا چھن جانا بھی ہے جو رسول نے سیدہ عالم کو مرحمت فرمائی تھی۔ جائیداد کا چلا جانا سیدہ کے لئے اتنا تکلیف دہ نہ تھا جتنا صدمہ آپ کو حکومت کی طرف سے آپ کے دعوے کو جھٹلانے کا ہوا۔ یہ وہ صدمہ تھا جس کا اثر سیدہ کے دل میں مرتے دم تک باقی رہا۔

حضرت فاطمہ زہرا (س) کی وصیتیں

حضرت فاطمہ زہرا (س) نے خواتین کے لیے پردے کی اہمیت کو اس وقت بھی ظاہر کیا جب آپ دنیا سے رخصت ہونے والی تھیں۔ اس طرح کہ آپ

ایک دن غیر معمولی طور فکر مند نظر آئیں . آپ کی چچی (جعفر طیار (رض) کی بیوہ) اسماء بنتِ عمیس نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے جنازہ کے اٹھانے کا یہ دستور اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ عورت کی میت کو بھی تختہ پر اٹھایا جاتا ہے جس سے اس کا قد و قامت نظر آتا ہے . اسما (رض) نے کہا کہ میں نے ملک حبشہ میں ایک طریقہ جنازہ اٹھانے کا دیکھا ہے وہ غالباً آپ کو پسند ہو . اس کے بعد انہوں نے تابوت کی ایک شکل بنا کر دکھائی اس پر سیدہ عالم بہت خوش ہوئیں اور پیغمبر کے بعد صرف ایک موقع ایسا تھا کہ آپ کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی چنانچہ آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کو اسی طرح کے تابوت میں اٹھایا جائے . مورخین تصریح کرتے ہیں کہ سب سے پہلی لاش جو تابوت میں اٹھی ہے وہ حضرت فاطمہ زہرا کی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ آپ کا جنازہ شبکی تاریکی میں اٹھایا جائے اور ان لوگوں کو اطلاع نہ دی جائے جن کے طرزِ عمل نے میرے دل میں زخم پیدا کر دئے ہیں۔ سیدہ ان لوگوں سے انتہائی ناراضگی کے عالم میں آپ اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

شہادت

سیدہ عالم نے اپنے والد بزرگوار رسولِ خدا کی وفات کے 3 مہینہ بعد تیسری جمادی الثانی سن ۱۱ ہجری قمری میں وفات پائی . آپ کی وصیت کے مطابق

اپ کا جنازہ رات کو اٹھایا گیا . حضرت علی علیہ السّلام نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا . صرف بنی ہاشم اور سلیمان فارسی (رض)، مقداد(رض) و عمار(رض) جیسے مخلص و وفادار اصحاب کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ کر خاموشی کے ساتھ دفن کر دیا . اپ کے دفن کی اطلاع بھی عام طور پر سب لوگوں کو نہیں ہوئی، جس کی بنا پر یہ اختلاف رہ گیا کہ اپ جنت البقیع میں دفن ہیں یا اپنے ہی مکان میں جو بعد میں مسجد رسول کا جزو بن گیا۔ جنت البقیع میں جو آپ کا روضہ تھا وہ بھی باقی نہیں رہا۔ اس مبارک روضہ کو 8 شوال سن ۱۳۴۴ ہجری قمری میں ابن سعود لعنتی نے دوسرے مقابر اہلبیت علیہ السّلام کے ساتھ منہدم کرادیا۔

اولاد

حضرت فاطمہ زہرا (س) کو اللہ نے پانچ اولاد عطا فرمائی جن میں سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ شادی کے بعد حضرت فاطمہ زہرا صرف نو برس زندہ رہیں۔ اس نو برس میں شادی کے دوسرے سال حضرت امام حسن علیہ السّلام پیدا ہوئے اور تیسرے سال حضرت امام حسین علیہ السّلام . پھر غالباً پانچویں سال حضرت زینب اور ساتویں سال حضرت ام کلثوم - نویں سال جناب محسن علیہ السلام بطن میں تھے جبھی وہ ناگوار مصائب پیش آئے جن کے سبب سے وہ دنیا میں تشریف نہ لا سکے اور بطن مادر میں ہی شہید ہو گئے۔ اس جسمانی صدمہ سے حضرت سیّدہ بھی جانبر نہ ہوسکیں . لہذا وفات

کے وقت آپ نے دو صاحبزادوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام اور دو صاحبزادیوں زینب کبریٰ و ام کلثوم کو چھوڑا جو اپنے اوصاف کے لحاظ سے طبقہ خواتین میں اپنی ماں کی سچی جانشین ثابت ہوئیں .

چودہ ستارے

حضرت امام حسن علیہ السلام

آپ کی ولادت

آپ ۱۵ / رمضان ۳ ہجری کی شب کومدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ولادت سے قبل ام الفضل نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں آہنچاہے خواب رسول کریم سے بیان کیا آپ نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری لخت جگر فاطمہ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش تم کروگی مورخین کا کہنا ہے کہ رسول کے گھر میں آپ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی آپ کی ولادت نے رسول کے دامن سے مقطوع النسل ہونے کا دہبہ صاف کر دیا اور دنیا کے سامنے سورئہ کوثر کی ایک عملی اور بنیادی تفسیر پیش کر دی۔

آپ کا نام نامی

ولادت کے بعد اسم گرامی حمزہ تجویز ہو رہا تھا لیکن سرور کائنات نے بحکم خدا، موسیٰ کے وزیر ہارون کے فرزندوں کے شبروشبیر نام پر آپ کا نام حسن اور بعد میں آپ کے بھائی کا نام حسین رکھا، بحار الانوار میں ہے کہ امام حسن کی پیدائش کے بعد جبرئیل امین نے سرور کائنات کی خدمت میں ایک سفیر ریشمی رومال پیش کیا جس پر حسن لکھا ہوا تھا ماہر علم النسب علامہ ابوالحسین کا کہنا ہے کہ خداوند عالم نے فاطمہ کے دونوں شاہزادوں کا نام انظار عالم سے پوشیدہ رکھا تھا یعنی ان سے پہلے حسن و حسین نام سے کوئی موسوم نہیں ہوا تھا۔ کتاب اعلام الوری کے مطابق یہ نام بھی لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

زبان رسالت دہن امامت میں

علل الشرائع میں ہے کہ جب امام حسن کی ولادت ہوئی اور آپ سرور کائنات کی خدمت میں لائے گئے تو رسول کریم بے انتہا خوش ہوئے اور ان کے دہن مبارک میں اپنی زبان اقدس دیدی بحار الانوار میں ہے کہ آنحضرت نے نوزائیدہ بچے کو آغوش میں لے کر پیار کیا اور داہنے کان میں اذن میں اور بائیں کان میں اقامت فرمانے کے بعد اپنی زبان ان کے منہ میں دیدی، امام حسن اسے چوسنے لگے اس کے بعد آپ نے دعا کی خدایا اس کو اور اس کی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امام حسن کو لعاب دہن رسول کم اور امام حسین کو زیادہ چوسنے کا موقع دستیاب ہوا تھا اسی لیے امامت نسل

حسین میں مستقر ہو گئی۔

آپ کا عقیقہ

آپ کی ولادت کے ساتویں دن سرکار کائنات نے خود اپنے دست مبارک سے عقیقہ فرمایا اور بالوں کو منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی تصدق کی (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳) -

علامہ کمال الدین کابیان ہے کہ عقیقہ کے سلسلے میں دنبہ ذبح کیا گیا تھا (مطالب السؤل ص ۲۲۰) کافی کلینی میں ہے کہ سرور کائنات نے عقیقہ کے وقت جو دعا پڑھی تھی اس میں یہ عبارت بھی تھی ”اللہم عظمہا بعظمہ، لحمہا یلحمہ دمہا بدمہ وشعرہا بشعرہ اللہم اجعلہا وقاء لمحمد والہ“ خدایا اس کی بڑی مولود کی بڑی کے عوض، اس کا گوشت اس کے گوشت کے عوض، اس کا خون اس کے خون کے عوض، اس کا بال اس کے بال کے عوض قرار دے اور اسے محمد و آل محمد کے لیے ہر بلا سے نجات کا ذریعہ بنا دے -

امام شافعی کا کہنا ہے کہ آنحضرت نے امام حسن کا عقیقہ کر کے اس کے سنت ہونے کی دائمی بنیاد ڈال دی (مطالب السؤل ص ۲۲۰) - بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے آپ کا ختنہ بھی کرایا تھا لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ امامت کی شان سے مختون پیدا ہونا بھی ہے۔

کنیت والقاب

آپ کی کنیت صرف ابو محمد تھی اور آپ کے القاب بہت کثیر ہیں: جن میں طیب، تقی، سبط اور سید زیادہ مشہور ہیں، محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ کا ”سید“ لقب خود سرور کائنات کا عطا کردہ ہے (مطالب السؤل ص ۲۲۱)۔ زیارت عاشورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا لقب ناصح اور امین بھی تھا۔

امام حسن پیغمبر اسلام کی نظر میں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امام حسن اسلام پیغمبر اسلام کے نواسے تھے لیکن قرآن نے انہیں فرزند رسول کا درجہ دیا ہے اور اپنے دامن میں جا بجا آپ کے تذکرہ کو جگہ دی ہے خود سرور کائنات نے بے شمار احادیث آپ کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں:

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں حسنین کو دوست رکھتا ہوں اور جو انہیں دوست رکھے اسے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے رسول کریم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ ایک کندھے پر امام حسن کو اور ایک کندھے پر امام حسین کو بٹھائے ہوئے لیے جا رہے ہیں اور باری باری دونوں کامنہ چومتے جاتے ہیں ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت نماز پڑھ رہے تھے اور حسنین آپ کی پشت پر سوار ہو گئے کسی نے روکنا چاہا تو حضرت نے اشارہ سے منع کر دیا (اصابہ

جلد ۲ ص ۱۲ -

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں اس دن سے امام حسن کو بہت زیادہ دوست رکھنے لگا ہوں جس دن میں نے رسول کی آغوش میں بیٹھ کر انہیں ڈاڈھی سے کھیلتے دیکھا (نور الابصار ص ۱۱۹) -

ایک دن سرور کائنات امام حسن کو کاندھے پر سوار کئے ہوئے کہیں لیے جا رہے تھے ایک صحابی نے کہا کہ اے صاحبزادے تمہاری سواری کس قدر اچھی ہے یہ سن کر آنحضرت نے فرمایا یہ کہو کہ کس قدر اچھا سواری ہے (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۵ بحوالہ ترمذی)۔

امام بخاری اور امام مسلم لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت رسول خدا امام حسن کو کاندھے پر بٹھائے ہوئے فرما رہے تھے خدایا میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر ۔

حافظ ابونعیم ابوبکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت نماز جماعت پڑھا رہے تھے کہ ناگاہ امام حسن آگئے اور وہ دوڑ کر پشت رسول پر سوار ہو گئے یہ دیکھ کر رسول کریم نے نہایت نرمی کے ساتھ سر اٹھایا، اختتام نماز پر آپ سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو فرمایا یہ میرا گل امید ہے۔“ ابی ہذا سید“ یہ میرا بیٹا سید ہے اور دیکھو یہ عنقریب دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

امام نسائی عبد اللہ ابن شداد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نماز عشاء پڑھانے کے لیے آنحضرت تشریف لائے آپ کی آغوش میں امام حسن تھے آنحضرت نماز میں مشغول ہو گئے ، جب سجدہ میں گئے تو اتنا طول دیا کہ میں

یہ سمجھنے لگا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہونے لگی ہے اختتام نماز پر آپ سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ میرا فرزند میری پشت پر آگیا تھا میں نے یہ نہ چاہا کہ اسے اس وقت تک پشت سے اتاروں ، جب تک کہ وہ خود نہ اتر جائے ، اس لیے سجدہ کو طول دینا پڑا۔

حکیم ترمذی ، نسائی اور ابوداؤد نے لکھا ہے کہ آنحضرت ایک دن محو خطبہ تھے کہ حسنین آگئے اور حسن کے پاؤں دامن عبامیں اس طرح الجھے کہ زمین پر گر پڑے، یہ دیکھ کر آنحضرت نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر کر انہیں آغوش میں اٹھالیا اور منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ شروع فرمایا (مطالب السؤل ص ۲۲۳)۔

امام حسن کی سرداری جنت

آل محمد کی سرداری مسلمات سے ہے علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے ”الحسن والحسین سید شباب اہل الجنة و ابوہما خیر منہما“ حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے والد بزرگوار یعنی علی بن ابی طالب ان دونوں سے بہتر ہیں۔ جناب حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت کو ایک دن بہت زیادہ مسرور پا کر عرض کی مولا آج افراط شادمانی کی کیا وجہ ہے ارشاد فرمایا کہ مجھے آج جبرئیل نے یہ بشارت دی ہے کہ میرے دونوں فرزند حسن و حسین جوانان بہشت کے سردار ہیں اور ان کے والد علی ابن ابی طالب ان سے بھی

بہترین (کنز العمال ج ۷ ص ۱۰۷، صواعق محرقہ ص ۱۱۷) اس حدیث سے اس کی بھی وضاحت ہوگئی کہ حضرت علی صرف سیدی نہ تھے بلکہ فرزندان سیادت کے باپ تھے۔

جذبہ اسلام کی فراوانی

مؤرخین کا بیان ہے کہ ایک دن ابوسفیان حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ آنحضرت سے سفارش کر کے ایک ایسا معاہدہ لکھوادیں جس کی روسے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں آپ نے فرمایا کہ آنحضرت جو کچھ کہے چکے ہیں اب اس میں سرمو فرق نہ ہوگا اس نے امام حسن سے سفارش کی خواہش کی، آپ کی عمر اگرچہ اس وقت صرف ۱۴ ماہ کی تھی لیکن آپ نے اس وقت ایسی جرات کا ثبوت دیا جس کا تذکرہ زبان تاریخ پر ہے لکھا ہے کہ ابوسفیان کی طلب سفارش پر آپ نے دوڑ کر اس کی ڈاڈھی پکڑ لی اور ناک مروڑ کر کہا کلمہ شہادت زبان پر جاری کرو، تمہارے لیے سب کچھ ہے یہ دیکھ کر امیر المومنین مسرور ہو گئے (مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۴۶)۔

امام حسن اور ترجمانی وحی

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن کا یہ وطیرہ تھا کہ آپ انتہائی کم سنی کے عالم میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی من و عن اپنی والدہ ماجدہ کو سنا دیا کرتے تھے ایک دن حضرت علی نے فرمایا کہ اے بنت رسول

میراجی چاہتا ہے کہ میں حسن کو ترجمانی وحی کرتے ہوئے خود دیکھوں، اور سنوں، سیدہ نے امام حسن کے پہنچنے کا وقت بتادیا ایک دن امیر المومنین حسن سے پہلے داخل خانہ ہو گئے اور گوشہ خانہ میں چھپ کر بیٹھ گئے امام حسن حسب معمول تشریف لائے اور ماں کی آغوش میں بیٹھ کر وحی سنانا شروع کر دی لیکن تھوڑی دیر کے بعد عرض کی ”یا ماہ قذتلج لسانی وکل بیانی لعل سیدی یرانی“ مادر گرامی آج زبان وحی ترجمان میں لکنت اور بیان مقصد میں رکاوٹ ہو رہی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرے بزرگ محترم مجھے دیکھ رہے ہیں یہ سن کر حضرت امیر المومنین نے دوڑ کر امام حسن کو آغوش میں اٹھالیا اور بوسہ دینے لگے (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۹۳)۔

حضرت امام حسن کا بچپن میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرنا

امام بخاری رقمطراز ہیں کہ ایک دن کچھ صدقہ کی کھجوریں آئی ہوئی تھیں امام حسن اور امام حسین اس کے ڈھیر سے کھیل رہے تھے اور کھیل ہی کھیل کے طور پر امام حسن نے ایک کھجور دہن اقدس میں رکھ لی، یہ دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا اے حسن کیا تمہیں معلوم نہیں ہے؟ کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے (صحیح بخاری پارہ ۶ ص ۵۲)۔

حضرت حجة الاسلام شہید ثالث قاضی نور اللہ شوشتری تحریر فرماتے ہیں کہ ”امام پر اگرچہ وحی نازل نہیں ہوتی لیکن اس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوح

محفوظ کامطالعہ کرتا ہے جس پر علامہ ابن حجر عسقلانی کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو انہوں نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح میں لکھا ہے جس میں آنحضرت نے امام حسن کے شیرخوارگی کے عالم میں صدقہ کی کھجور کے منہ میں رکھ لینے پر اعتراض فرمایا تھا ”کخ کخ اما تعلم ان الصدقة علینا حرام“ تھو کو تھو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ امام حسن اس وقت دودھ پیتے تھے آپ پر ابھی شرعی پابندی نہ تھی آنحضرت نے ان پر کیوں اعتراض کیا اس کا جواب علامہ عسقلانی نے اپنی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں دیا ہے کہ امام حسن اور دوسرے بچے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ان الحسن یطالع لوح المحفوظ امام حسن شیرخوارگی کے عالم میں بھی لوح محفوظ کامطالعہ کیا کرتے تھے (احقاق الحق ص ۱۲۷)۔

امام حسن کا بچپن اور مسائل علمیہ

یہ مسلمات سے ہے کہ حضرت ائمہ معصومین علیہم السلام کو علم لدنی ہوا کرتا تھا وہ دنیا میں تحصیل علم کے محتاج نہیں ہوا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ بچپن میں ہی ایسے مسائل علمیہ سے واقف ہوتے تھے جن سے دنیا کے عام علماء اپنی زندگی کے آخری عمر تک بے بہرہ رہتے تھے امام حسن جو خانوادہ رسالت کی ایک فرد اکمل اور سلسلہ عصمت کی ایک مستحکم کڑی تھے، کے بچپن کے حالات و واقعات دیکھے جائیں تو میرے دعویٰ کا ثبوت مل

سکے گا:

۱ - مناقب ابن شہر آشوب میں بحوالہ شرح اخبار قاضی نعمان مرقوم ہے کہ ایک سائل حضرت ابوبکر کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا کہ میں نے حالت احرام میں شتر مرغ کے چند انڈے بھون کر کھالیے ہیں بتائیے کہ مجھ پر کفارہ واجب الادا ہوا۔ سوال کا جواب چونکہ ان کے بس کا نہ تھا اس لیے عرق ندامت پیشانی خلافت پر آگیا ارشاد ہوا کہ اسے عبدالرحمن بن عوف کے پاس لے جاؤ، جوان سے سوال دہرایا تو وہ بھی خاموش ہو گئے اور کہہا کہ اس کا حل تو امیر المومنین کر سکتے ہیں۔

سائل حضرت علی کی خدمت میں لایا گیا آپ نے سائل سے فرمایا کہ میرا دو چھوٹے بچے جو سامنے نظر آ رہے ہیں ان سے دریافت کر لے سائل امام حسن کی طرف متوجہ ہوا اور مسئلہ دہرایا امام حسن نے جواب دیا کہ تونے جتنے انڈے کھائے ہیں اتنی ہی عمدہ اونٹیاں لے کر انہیں حاملہ کرا اور ان سے جو بچے پیدا ہوں انہیں راہ خدامین ہدیہ خانہ کعبہ کر دے۔ امیر المومنین نے ہنس کر فرمایا کہ بیٹا جواب تو بالکل صحیح ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ کچھ حمل ضائع ہو جاتے ہیں اور کچھ بچے مر جاتے ہیں عرض کی باباجان بالکل درست ہے مگر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کچھ انڈے بھی خراب ہا ور گندے نکل جاتے ہیں یہ سن کر سائل پکار اٹھا کہ ایک مرتبہ اپنے عہد میں سلیمان بن داؤد نے بھی یہی جواب دیا تھا جیسا کہ میں نے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے۔

۲ - ایک روز امیر المومنین مقام رحبہ میں تشریف فرماتے تھے اور حسنین بھی

وہاں موجود تھے ناگاہ ایک شخص آکر کہنے لگا کہ میں آپ کی رعایا اور اہل بلد (شہری) ہوں حضرت نے فرمایا کہ توجھوٹ کہتا ہے تو نہ میری رعایا میں سے ہے اور نہ میرے شہر کاشہری ہے بلکہ تو بادشاہ روم کافر ستادہ ہے تجھے اس نے معاویہ کے پاس چند مسائل دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا اور اس نے میرے پاس بھیج دیا ہے اس نے کہا یا حضرت آپ کا ارشاد باکل درست ہے مجھے معاویہ نے پوشیدہ طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے اور اس کا حال خداوند عالم کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے مگر آپ بہ علم امامت سمجھ گئے ، آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ان مسائل کے جوابات ان دو بچوں میں سے کسی ایک سے پوچھ لے وہ امام حسن کی طرف متوجہ ہوا چاہتا تھا کہ سوال کرے امام حسن نے فرمایا:

ایسے شخص تو یہ دریافت کرنے آیا ہے کہ ۱ - حق و باطل کتنا فاصلہ ہے ۲ - زمین و آسمان تک کتنی مسافت ہے ۳ - مشرق و مغرب میں کتنی دوری ہے - ۴ - قوس قزح کیا چیز ہے ۵ - مخنث کسے کہتے ہیں ۶ - وہ دس چیزیں کیا ہیں جن میں سے ہر ایک کو خداوند عالم نے دوسرے سے سخت اور فائق پیدا کیا ہے۔ سن ، حق و باطل میں چار انگشت کافرق و فاصلہ ہے اکثر و بیشتر جو کچھ آنکھ سے دیکھا حق ہے اور جو کان سے سنا باطل ہے (آنکھ سے دیکھا ہوا یقینی - کان سے سنا ہوا محتاج تحقیق)۔ زمین اور آسمان کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ مظلوم کی آہ اور آنکھ کی روشنی پہنچ جاتی ہے -

مشرق و مغرب میں اتنا فاصلہ ہے کہ سورج ایک دن میں طے کر لیتا ہے۔ اور قوس و قزح اصل میں قوس خدا ہے اس لئے کہ قزح شیطان کا نام ہے۔ یہ فراوانی رزق اور اہل زمین کے لیے غرق سے امان کی علامت ہے اس لئے اگر یہ خشکی میں نمودار ہوتی ہے تو بارش کے حالات میں سے سمجھی جاتی ہے اور بارش میننکلتی ہے تو ختم باران کی علامت مینسے شمار کی جاتی ہے۔

مخنت وہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ مرد ہے یا عورت اور اس کے جسم میں دونوں کے اعضاء ہوں اس کا حکم یہ ہے کہ تا حد بلوغ انتظار کریں اگر محتمل ہو تو مرد اور حائض ہو اور پستان ابھرائیں تو عورت۔ اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو دیکھنا چاہئے کہ اس کے پیشاب کی دھاریں سیدھی جاتی ہیں یا نہیں اگر سیدھی جاتی ہیں تو مرد، ورنہ عورت۔ اور وہ دس چیزیں جن میں سے ایک دوسرے پر غالب و قوی ہے وہ یہ ہیں کہ خدانے سب سے زائد سخت قوی پتھر کو پیدا کیا ہے مگر اس سے زیادہ سخت لوہا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ دیتا ہے اور اس سے زائد سخت قوی آگ ہے جو لوہے کو پگھلا دیتی ہے اور آگ سے زیادہ سخت قوی پانی ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے اور اس سے زائد سخت قوی ابر ہے جو پانی کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے زائد قوی ہوا ہے جو ابر کو اڑائے پھرتی ہے اور ہوا سے زائد سخت قوی فرشتہ ہے جس کی ہوا محکوم ہے اور اس سے زائد سخت قوی ملک الموت ہے جو فرشتہ باد کی بھی روح قبض کر لیں گے اور موت

سے زائد سخت وقوی حکم خدا ہے جو موت کو بھی ٹال دیتا ہے یہ جوابات سن کر سائل پھڑک اٹھا۔

۳ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں خون آلود چھری ہے اور اسی جگہ ایک شخص ذبح کیا ہوا پڑا ہے جب اس سے پوچھا گیا کہ تو نے اسے قتل کیا ہے، تو اس نے کہا ہاں، لوگ اسے جسد مقتول سمیت جناب امیر المومنین کی خدمت میں لے چلے اتنے میں ایک اور شخص دوڑتا ہوا آیا، اور کہنے لگا کہ اسے چھوڑ دو اس مقتول کا قاتل میں ہوں۔ ان لوگوں نے اسے بھی ساتھ لے لیا اور حضرت کے پاس لے گئے سارا قصہ بیان کیا آپ نے پہلے شخص سے پوچھا کہ جب تو اس کا قاتل نہیں تھا تو کیا وجہ ہے کہ اپنے کو اس کا قاتل بیان کیا، اس نے کہا یا مولا میں قصاب ہوں گو سفند ذبح کر رہا تھا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی، اس طرح خون آلود چھری میں لیے ہوئے اس خرابہ میں چلا گیا وہاں دیکھا کہ یہ مقتول تازہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے اتنے میں لوگ آگئے اور مجھے پکڑ لیا میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس وقت جبکہ قتل کے سارے قرائن موجود ہیں میرے انکار کو کون باور کرے گا میں نے اقرار کر لیا۔ پھر آپ نے دوسرے سے پوچھا کہ تو اس کا قاتل ہے اس نے کہا جی ہاں، میں ہی اسے قتل کر کے چلا گیا تھا جب دیکھا کہ ایک قصاب کی ناحق جان چلی جائے گی تو حاضر ہو گیا آپ نے فرمایا میرے فرزند حسن کو بلاؤ وہی اس مقدمہ کا فیصلہ سنائیں گے امام حسن آئے اور سارا قصہ سنا، فرمایا دونوں کو چھوڑ دو

یہ قصاب بے قصور ہے اور یہ شخص اگرچہ قاتل ہے مگر اس نے ایک نفس کو قتل کیا تو دوسرے نفس (قصاب) کو بچا کر اسے حیات دی اور اسکی جان بچالی اور حکم قرآن ہے کہ ”من احييا فکانما احييا للناس جميعا“ یعنی جس نے ایک نفس کی جان بچائی اس نے گویا تمام لوگوں کی جان بچائی لہذا اس مقتول کا خون بہابیت المال سے دیا جائے۔

۴ - علی ابن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شاہ روم نے جب حضرت علی کے مقابلہ میں معاویہ کی چیزہ دستیوں سے آگاہی حاصل کی تو دونوں کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایک نمائندہ بھیج دیں حضرت علی کی طرف سے امام حسن اور معاویہ کی طرف سے یزید کی روانگی عمل میں آئی یزید نے وہاں پہنچ کر شاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسن نے جاتے ہی کہا کہ خدا کا شکر ہے میں یہودی، نصرانی، مجوسی وغیرہ نہیں ہوں بلکہ خالص مسلمان ہوں شاہ روم نے چند تصاویر نکالیں یزید نے کہا میں ان سے ایک کو بھی نہیں پہچانتا اور نہ بتا سکتا ہوں کہ یہ کن حضرات کی شکلیں ہیں امام حسن نے حضرت آدم، نوح، ابراہیم، اسماعیل، اور شعیب ویحی کی تصویریں دیکھ کر پہچان لیں اور ایک تصویر دیکھ کر آپ رونے لگے بادشاہ نے پوچھا یہ کس کی تصویر ہے فرمایا میرے جد نامدار کی ، اس کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ وہ کون سے جاندار ہیں جو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدائیں ہوئے آپ نے فرمایا اے بادشاہ وہ سات جاندار ہیں :

۱ - ۲ - آدم و حوا ۳ - دنبہ ابراہیم ۴ - ناقہ صالح ۵ - ابلیس ۶ - موسوی اژدھا ۷ -

وہ کوا جس نے قابیل کی دفن ہابیل کی طرف رہبری کی ۔
بادشاہ نے یہ تبحر علمی دیکھ کر آپ کی بڑی عزت کی اور تحائف کے ساتھ
واپس کیا۔

امام حسن اور تفسیر قرآن

علامہ ابن طلحہ شافعی بحوالہ تفسیر وسیط واحدی لکھتے ہیں کہ ایک شخص
نے ابن عباس اور ابن عمر سے ایک آیت سے متعلق ”شاہد و مشہود“ کے معنی
دریافت کئے ابن عباس نے شاہد سے یوم جمعہ اور مشہود سے یوم عرفہ
بتایا اور ابن عمر نے یوم جمعہ اور یوم النحر کہا اس کے بعد وہ شخص امام حسن
کے پاس پہنچا، آپ نے شاہد سے رسول خدا اور مشہود سے یوم قیامت
فرمایا اور دلیل میں آیت پڑھی :

۱ - یا ایہا النبی انارسلناک شاہدا و مبشرا و نذیرا۔ اے نبی ہم نے تم کو شاہد و مبشر
اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

۲ - ذالک یوم مجموع لہ الناس و ذالک یوم مشہود۔ قیامت کا وہ دن ہوگا جس میں
تمام لوگ ایک مقام پر جمع ہوں کر دیے جائیں گے ، اور یہی یوم مشہود ہے ۔
سائل نے سب کا جواب سننے کے بعد کہا ”فکان قول الحسن احسن“ امام حسن
کا جواب دونوں سے کہیں بہتر ہے (مطالب السؤل ص ۲۲۵)۔

امام حسن کی عبادت

امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام زبردست عابد، بے مثل

زابد، افضل ترين عالم تھے آپ نے جب بهى حج فرمايا پيدل فرمايا، كبهى كبهى
 پابرنه حج كے ليے جاتے تھے آپ اكثر موت، عذاب، قبر، صراط اور بعثت
 ونشور كو ياد كركے رويا كرتے تھے جب آپ وضو كرتے تھے تو آپ كے چهره
 كارنگ زرد بهو جايَا كرتا تھا اور جب نماز كے ليے كھڑے ہوتے تھے تو بيديكى
 مثل كانپنے لگتے تھے آپ كامعمول تھا كے جب دروازه مسجد پر پہنچتے
 تو خدا كو مخاطب كركے كہتے ميرے پالنے والے تيرا گنہگار بنده تيرى بارگاہ
 ميں آيا ہے اسے رحمن و رحيم اپنے اچھائيوں كے صدقہ ميں مجھ جيسے
 برائى كرنے والے بنده كو معاف كرده آپ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے
 تھے تو اس وقت تك خاموش بيٹھے رہتے تھے جب تك سورج طالع نہ
 ہوجائے (روضۃ الواعظين بحار الانوار)۔

آپ كازبد

امام شافعى لكھتے ہيں كہ امام حسن عليہ السلام نے اكثر اپنا سارا مال راہ
 خداميں تقسيم كردهيا ہے اور بعض مرتبه نصف مال تقسيم فرمايا ہے وہ عظيم
 و پريزگار تھے۔

آپ كى سخاوت

مورخين لكھتے ہيں كہ ايك شخص نے حضرت امام حسن عليہ السلام سے
 كچھ مانگا دست سوال دراز ہونا تھا كہ آپ نے پچاس ہزار درہم اور پانچ
 سواشرفياں دے ديں اور فرمايا كہ مزدور لا كرا سے اٹھوالے جا اس كے بعد آپ

نے مزدور کی مزدوری میں اپنا چغابخش دیا (مرآة الجنان ص ۱۲۳) -
 ایک مرتبہ آپ نے ایک سائل کو خدا سے دعا کرتے دیکھا خدا یا مجھ دس
 ہزار درہم عطا فرما آپ نے گھر پہنچ کر مطلوبہ رقم بھجوا دی (نور الابصار ص
 ۱۲۲) -

آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ توفیق کرتے ہیں لیکن سائل کو محروم واپس
 نہیں فرماتے ارشاد فرمایا کہ میں خدا سے مانگنے والا ہوں اس نے مجھے دینے
 کی عادت ڈال رکھی ہے اور میں نے لوگوں کو دینے کی عادت ڈالی رکھی ہے
 میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنی عادت بدل دوں ، تو کہیں خدا بھی نہ اپنی عادت بدل
 دے اور مجھے بھی محروم کر دے (ص ۱۲۳) -

توکل کے متعلق آپ کا ارشاد

امام شافعی کا بیان ہے کہ کسی نے امام حسن سے عرض کی کہ ابوذر غفاری
 فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تونگری سے زیادہ ناداری اور صحت سے زیادہ
 بیماری پسند ہے آپ نے فرمایا کہ خدا ابوذر پر رحم کرے ان کا کہنا درست ہے
 لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضا و قدر پر توکل کرے وہ ہمیشہ
 اسی چیز کو پسند کرے گا جسے خدا اس کے لیے پسند کرے (مرآة الجنان جلد ۱
 ص ۱۲۵) -

امام حسن حلم اور اخلاق کے میدان میں

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسن علیہ

السلام گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لیے جارہے تھے راستہ میں معاویہ کے طرف داروں کا ایک شامی سامنے آپڑا اس نے حضرت کو گالیاں دینی شروع کر دیں آپ نے اس کا مطلقاً کوئی جواب نہ دیا جب وہ اپنی جیسی کرچکاتو آپ اس کے قریب گئے اور اس کو سلام کر کے فرمایا کہ بھائی شاید تو مسافر ہے، سن اگر تجھے سواری کی ضرورت ہو تو میں تجھے سوری دیدوں، اگر تو بھوکا ہے تو کھانا کھلا دوں، اگر تجھے کپڑے درکار ہوں تو کپڑے دیدوں، اگر تجھے رہنے کو جگہ چاہئے تو مکان کا انتظام کر دوں، اگر دولت کی ضرورت ہے تو تجھے اتنا دیدوں کہ تو خوش حال ہو جائے یہ سن کر شامی بے انتہا شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین خدا پر اس کے خلیفہ ہیں مولامیں تو آپ کو اور آپ کے باپ دادا کو سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا لیکن آج آپ کے اخلاق نے مجھے آپ کا گردیدہ بنا دیا اب میں آپ کے قدموں سے دور نہ جاؤں گا اور تاحیات آپ کی خدمت میں رہوں گا (مناقب جلد ۴ ص ۵۳، وکامل مبروج جلد ۲ ص ۸۶)۔

عہد امیر المومنین میں امام حسن کی اسلامی خدمات

تواریخ میں ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو پچیس برس کی خانہ نشینی کے بعد مسلمانوں نے خلیفہ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے بعد جمل، صفین، نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں امام حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ہی نہیں رہے بلکہ بعض موقعوں

پرجنگ میں آپ نے کارہائے نمایاں بھی کئے۔ سیرالصحابہ اورروضۃ
الصفامیں ہے کہ جنگ صفین کے سلسلہ میں جب ابوموسیٰ اشعری کی ریشہ
دوانیاں عریاں ہوچکیں توامیرالمومنین نے امام حسن اورعمار یاسرکوکوفہ
روانہ فرمایا آپ نے جامع کوفہ میں ابوموسیٰ کے افسون کو اپنی تقریر کرتریاق
سے بے اثر بنادیا اور لوگوں کو حضرت علی کے ساتھ جنگ کے لیے جانے
پر آمادہ کر دیا۔ اخبار الطوال کی روایت کی بنا پر نو ہزار چھ سو پچاس افراد کالشکر
تیار ہو گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جنگ جمل کے بعد جب عائشہ مدینہ جانے پر آمادہ نہ
ہوئیں تو حضرت علی نے امام حسن کو بھیجا کہ انہیں سمجھا کر مدینہ روانہ
کریں چنانچہ وہ اس سعی میں ممدوح کامیاب ہو گئے بعض تاریخوں میں ہے
کہ امام حسن جنگ جمل و صفین میں علمدار لشکر تھے اور آپ نے معاہدہ تحکیم
پر دستخط بھی فرمائے تھے اور جنگ جمل و صفین اور نہروان میں بھی سعی
بلیغ کی تھی۔

فوجی کاموں کے علاوہ آپ کے سپرد سرکاری مہمان خانہ کا انتظام اور شاہی
مہمانوں کی مدارات کا کام بھی تھا آپ مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے
اور بیت المال کی نگرانی بھی فرماتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علی کی شہادت اور امام حسن کی بیعت

مورخین کا بیان ہے کہ امام حسن کے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام

کے سرمبارک پر بمقام مسجد کوفہ ۱۸ / رمضان ۴۹ ہجری بوقت صبح امیر معاویہ کی سازش سے عبدالرحمن ابن ملجم مرادی نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لگائی جس کے صدمہ سے آپ نے ۲۱ / رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو بوقت صبح شہادت پائی اس وقت امام حسن کی عمر ۳۷ سال چھ یوم کی تھی۔

حضرت علی کی تکفین و تدفین کے بعد عبداللہ ابن عباس کی تحریک سے بقول ابن اثیر قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری نے امام حسن کی بیعت کی اور ان کے بعد تمام حاضرین نے بیعت کر لی جن کی تعداد چالیس ہزار تھی یہ واقعہ ۲۱ / رمضان ۴۰ ھ یوم جمعہ کا ہے کفایۃ الاثر علامہ مجلسی میں ہے کہ اس وقت آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم میں ہر ایک یا تلوار کے گھاٹ اترے گایازہرو غاسے شہید ہوگا اس کے بعد آپ نے عراق، ایران، خراسان، حجاز، یمن اور بصرہ وغیرہ کے اعمال کی طرف توجہ کی اور عبداللہ ابن عباس کو بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ معاویہ کو جو نہی یہ خبر پہنچی کی بصرہ کے حاکم ابن عباس مقرر کر دیئے گئے ہیں تو اس نے دو جاسوس روانہ کیے ایک قبیلہ حمیر کا کوفہ کی طرف اور دوسرا قبیلہ قین کا بصرہ کی طرف، اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ امام حسن سے منحرف ہو کر میری طرف آجائیں لیکن وہ دونوں جاسوس گرفتار کر لیے گئے اور بعد میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

حقیقت ہے کہ جب عنان حکومت امام حسن کے ہاتھوں میں آئی تو زمانہ

بڑا پر آشوب تھا حضرت علی جن کی شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھی ہوئی تھی دنیا سے کوچ کر چکے تھے ان کی دفعۃ شہادت نے سوئے ہوئے فتنوں کو بیدار کر دیا تھا اور ساری مملکت میں سازشوں کی کھیچڑی پک رہی تھی خود کوفہ میں اشعث ابن قیس، عمر بن حریت، شیبث ابن ربیع وغیرہ کھلم کھلا برسر عناد اور آمادہ فساد نظر آتے تھے --- معاویہ نے جابجا جاسوس مقرر کر دیئے تھے جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈلواتے تھے اور حضرت کے لشکر میں اختلاف و تشنت و افتراق کا بیج بوتے تھے اس نے کوفہ کے بڑے بڑے سرداروں سے سازشی ملاقات کیں اور بڑی بڑی رشوتیں دے کر انہیں توڑ لیا۔

بحار الانوار میں علل الشرائع کے حوالہ سے منقول ہے کہ معاویہ نے عمر بن حریت، اشعث بن قیس، حجاب بن الحجر، شیبث ابن ربیع کے پاس علیحدہ علیحدہ یہ پیام بھیجا کہ جس طرح ہوسکے حسن ابن علی کو قتل کرادو، جو منچلا یہ کام کر گزرے گا اس کو دو لاکھ درہم نقدانعام دوں گا فوج کی سرداری عطا کروں گا اور اپنی کسی لڑکی سے اس کی شادی کر دوں گا یہ انعام حاصل کرنے کے لئے لوگ شب و روز موقع کی تاک میں رہنے لگے حضرت کو اطلاع ملی تو آپ نے کپڑوں کے نیچے زرہ پہنی شروع کر دی یہاں تک کہ نماز جماعت پڑھانے کے لیے باہر نکلتے تو زرہ پہن کر نکلتے تھے۔

معاویہ نے ایک طرف تو خفیہ توڑ جوڑ کئے دوسری طرف ایک بڑا لشکر عراق

پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا جب حملہ آور لشکر حدود عراق میں دور تک آگے بڑھ آیا تو حضرت نے اپنے لشکر کو حرکت کرنے کا حکم دیا حبر ابن عدی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے فرمایا آپ کے لشکر میں بھیڑ بھاڑ تو خاصی نظر آنے لگی تھی مگر سردار جو سپاہیوں کو لڑاتے ہیں کچھ تو معاویہ کے ہاتھ بک چکے تھے کچھ عافیت کوشی میں مصروف تھے حضرت علی کی شہادت نے دوستوں کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور دشمنوں کو جرأت و ہمت دلادی تھی۔

مورخین کا بیان ہے کہ معاویہ ۶۰ ہزار کی فوج لے کر مقام مسکن میں جا اترا جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی ”جانب اوانا“ کے قریب واقع ہے امام حسن علیہ السلام کو جب معاویہ کی پیشقدمی کا علم ہوا تو آپ نے بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ کوچ کر دیا اور کوفہ سے ساباط میں جا پہنچے اور ۱۲ ہزار کی فوج قیس ابن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کر دی پھر ساباط سے روانہ ہوتے وقت آپ نے ایک خطبہ پڑھا، جس میں آپ نے فرمایا کہ

”لوگوں! تم نے اس شرط پر مجھ سے بیعت کی ہے کہ صلح اور جنگ دونوں حالتوں میں میرا ساتھ دو گے“ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی شخص سے بغض و عداوت نہیں ہے میرے دل میں کسی کو ستانے کا خیال نہیں میں صلح کو جنگ سے اور محبت کو عداوت سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں۔“

لوگوں نے حضرت کے اس خطاب کا مطلب یہ سمجھا کہ حضرت امام حسن،

امیر معاویہ سے صلح کرنے کی طرف مائل ہیں اور خلافت سے دستبرداری کا ارادہ دل میں رکھتے ہیں اسی دوران میں معاویہ نے امام حسن کے لشکر کی کثرت سے متاثر ہو کر یہ مشورہ عمر و عاص کچھ لوگوں کو امام حسن کے لشکر والے سازشیوں نے قیس کے لشکر میں بھیج کر ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا کرادیا۔ امام حسن کے لشکر والے سازشیوں نے قیس کے متعلق یہ شہرت دینی شروع کی کہ اس نے معاویہ سے صلح کر لی ہے اور قیس بن سعد کے لشکر میں جو سازشی گھسے ہوئے تھے انہوں نے تمام لشکریوں میں یہ چرچا کر دیا کہ امام حسن نے معاویہ سے صلح کر لی ہے۔ امام حسن کے دونوں لشکروں میں اس غلط افواہ کے پھیل جانے سے بغاوت اور بدگمانی کے جذبات ابھرنے لگے امام حسن کے لشکر کا وہ عنصر جسے پہلے ہی سے شبہ تھا کہ یہ مائل بہ صلح ہیں کہ کہنے لگا کہ امام حسن بھی اپنے باپ حضرت علی کی طرح کافر ہو گئے ہیں بالآخر فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے آپ کا کل اسباب لوٹ لیا آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک گھسیٹ لیا، دوش مبارک پر سے ردابھی اتار لی اور بعض نمایاں قسم کے افراد نے امام حسن کو معاویہ کے حوالے کر دینے کا پلان تیار کیا، آخر کار آپ ان بدبختیوں سے مایوس ہو کر مدائن کے گورنر، سعدیہ سعید کی طرف روانہ ہو گئے ، راستہ میں ایک خارجی نے جس کا نام بروایت الاخبار الطوال ص ۳۹۳ ” جراح بن قیسہ“ تھا آپ کی ران پر کمین گاہ سے ایک ایسا خنجر لگایا جس نے ہڈی تک محفوظ نہ رہنے دیا آپ نے مدائن میں مقیم رہ کر علاج کرایا اور اچھے ہو گئے

(تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۶۱، تاریخ ائمہ ص ۳۳۳ فتح باری)۔ معاویہ نے موقع غنیمت جان کر ۲۰ ہزار کالشکر عبداللہ ابن عامر کی قیادت و ماتحتی میں مدائن بھیج دیا امام حسن اس سے لڑنے کے لیے نکلنے ہی والے تھے کہ اس نے عام شہرت کر دی کہ معاویہ بہت بڑا لشکر لیے ہوئے آ رہا ہے میں امام حسن اور ان کے لشکر سے درخواست کرتا ہوں کہ مفت میں اپنی جان نہ دین اور صلح کر لیں۔ اس دعوت صلح اور پیغام خوف سے لوگوں کے دل بیٹھ گئے ہمتیں پست ہو گئیں اور امام حسن کی فوج بھاگنے کے لیے راستہ ڈھونڈنے لگی۔

صلح

مورخ معاصر علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسن کے لیے جنگ ممکن نہیں ہے مگر اس کے ساتھ وہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کتنے ہی بے بس اور بے کس ہوں، مگر علی و فاطمہ کے بیٹے اور پیغمبر کے نواسے ہیں اس لیے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے جو حق پرستی کے خلاف ہوں اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو، اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انہوں نے ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ بن عامر کے ذریعہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو، اور خون ریزی نہ

ہونے دو۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کور شوتیں بھی دی گئیں اور کچھ بزدلوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوف زدہ کیا گیا اور دوسری طرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انہیں شرائط پر صلح کے لیے تیار ہوں۔

امام حسن یقیناً اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیش نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ باطل کی تقویت کا دہبہ میرے دامن پر نہ آئے پائے، اس گھرانے کو حکومت و اقتدار کی ہوس تو کبھی تھی ہی نہیں انہیں تو مطلب اس سے تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الہی کا اجرا ہو، اب معاویہ نے جو آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی تو اب مصالحت سے انکار کرنا شخصی اقتدار کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پاسکتا تھا اور یہ معاویہ صلح کی شرائط پر عمل نہ کریں گے، بعد کی بات تھی جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آکھاں سکتا تھا اور حجت تمام کیونکر ہو سکتی تھی پھر بھی آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کر لیا اور تقریر فرمائی

آگاہ رہو کہ تم میں وہ خون ریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے کچھ مقتول صفین میں ہوئے جن کے لیے آج تک رو رہے ہو اور کچھ مقتول نہروان کے جن کا معاوضہ طلب کر رہے ہو، اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغام صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ کے بھروسہ پر تلواروں سے

فیصلہ کریں اور اگر زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو ہم اس کو قبول کر لیں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں۔
 جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا ہم زندگی چاہتے ہیں ہم زندگی چاہتے ہیں آپ صلح کر لیجیے، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صلح کی شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کئے (ترجمہ ابن خلدون)۔

شرائط صلح

اس صلح نامہ کے مکمل شرائط حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ معاویہ حکومت اسلام میں، کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کریں گے۔ ۲۔ معاویہ کو اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ ۳۔ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لیے امان ہوگی۔ ۴۔ حضرت علی کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان و مال اور ناموس اور اولاد محفوظ رہیں گے۔ ۵۔ معاویہ، حسن بن علی اور ان کے بھائی حسین ابن علی اور خاندان رسول میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طور پر اور نہ اعلانیہ، اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایا نہیں جائے گا۔ ۶۔ جناب امیر المومنین کی شان میں کلمات نازیبا جواب تک مسجد جامع اور قنوت نماز میں استعمال ہوتے رہے ہیں وہ ترک کر دیئے جائیں، آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذر ہوا تو یہ طے پایا کہ کم از کم جس موقع پر امام حسن علیہ السلام موجود ہوں اس جگہ ایسا نہ

کیاجائے، یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاول ۴۱ ۷ ہجری کو عمل میں آیا۔

صلح نامہ پر دستخط

۲۵ / ربیع الاول کو کوفہ کے قریب مقام انبار میں فریقین کا اجتماع ہوا اور صلح نامہ پر دونوں کے دستخط ہوئے اور گواہیاں ثبت ہوئیں (نہایۃ الارب فی معرفتہ انساب العرب ص ۸۰)

اس کے بعد معاویہ نے اپنے لیے عام بیعت کا اعلان کر دیا اور اس سال کانام سنت الجماعت رکھا پھر امام حسن کو خطبہ دینے پر مجبور کیا آپ منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا:

”اے لوگوں خدائے تعالیٰ نے ہم میں سے اول کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اور آخر کے ذریعہ سے تمہیں خونریزی سے بچایا معاویہ نے اس امر میں مجھ سے جھگڑا کیا جس کام میں اس سے زیادہ مستحق ہوں لیکن میں نے لوگوں کی خونریزی کی نسبت اس امر کو ترک کر دینا بہتر سمجھا تم رنج و ملال نہ کرو کہ میں نے حکومت اس کے نااہل کو دے دی اور اس کے حق کو جائے ناحق پر رکھا، میری نیت اس معاملہ میں صرف امت کی بھلائی ہے یہاں تک فرمانے پائے تھے کہ معاویہ نے کہا ”بس اے حضرت زیادہ فرمانے کی ضرورت نہیں ہے“ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۵)۔

تکمیل صلح کے بعد امام حسن نے صبر و استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناخوشگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے

مگر ادھر یہ ہوا کہ امیر شام نے جنگ کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدار کے مضبوط ہوتے ہی عراق میں داخل ہو کر نخیلہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہئے، قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد اعلان کیا کہ میرا مقصد جنگ سے یہ نہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو روزے رکھنے لگو، حج کرو یا زکوٰۃ ادا کرو، یہ سب تو تم کرتے ہی ہو میرا مقصد تو یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلم ہو جائے اور یہ مقصد میرا حسن کے اس معاہدہ کے بعد پورا ہو گیا اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے میں کامیاب ہو گیا رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسن کے ساتھ کئے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے یہ سن کر مجمع میں ایک سنٹا چھا گیا مگر اب کس میں دم تھا کہ اس کے خلاف زبان کھولتا۔

شرائط صلح کا حشر

مورخین کا اتفاق ہے کہ امیر معاویہ جو میدان سیاست کے کھلاڑی اور مکر و زور کی سلطنت کے تاجدار تھے امام حسن سے وعدہ اور معاہدہ کے بعد ہی سب سے مکر گئے ”ولم یف لہ معاویۃ لثنیٰ معاہد علیہ“ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۲ میں ہے کہ معاویہ نے کسی ایک چیز کی بھی پرواہ نہ کی اور کسی پر عمل نہ کیا، امام ابوالحسن علی بن محمد لکھتے ہیں کہ جب معاویہ کے لیے امر سلطنت استور ہو گیا تو اس نے اپنے حاکموں کو جو مختلف شہروں اور علاقوں میں تھے یہ فرمان بھیجا کہ اگر کوئی شخص ابوتراب

اور اس کے اہل بیت کی فضیلت کی روایت کرے گا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں ، جب یہ خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی اور لوگوں کو معاویہ کا منشاء معلوم ہو گیا تو تمام خطیبوں نے منبروں پر سب و شتم اور منقصدت امیر المومنین پر خطبہ دینا شروع کر دیا کوفہ میں زیاد ابن ابیہ جو کئی برس تک حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں ان کے عمال میں رہ چکا تھا وہ شیعین علی کو اچھی طرح سے جانتا تھا ۔ مردوں، عورتوں، جوانوں، اور بوڑھوں سے اچھی طرح آگاہ تھا اسے ہر ایک رہائش اور کونوں اور گوشوں میں بسنے والوں کا پتہ تھا اسے کوفہ اور بصرہ دونوں کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔

اس کے ظلم کی یہ حالت تھی کہ شیعین علی کو قتل کرتا اور بعضوں کی آنکھوں کو پھوڑ دیتا اور بعضوں کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا تھا اس ظلم عظیم سے سینکڑوں تباہ ہو گئے ، ہزاروں جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے ، بصرہ میں آٹھ ہزار آدمیوں کا قتل واقع ہوا جن میں بیالیس حافظ اور قاری قرآن تھے ان پر محبت علی کا جرم عاید کیا گیا تھا حکم یہ تھا کہ علی کے بجائے عثمان کے فضائل بیان کئے جائیں اور علی کے فضائل کے متعلق یہ فرماتے تھے کہ ایک ایک فضیلت کے عوض دس دس منقصدت و مذمت تصنیف کی جائیں یہ سب کچھ امیر المومنین سے بد لالینے اور یزید کے لیے زمین خلافت ہموار کرنے کی خاطر تھا۔

کوفہ سے امام حسن کی مدینہ کو روانگی

صلح کے مراحل طے ہونے کے بعد امام حسن علیہ السلام اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ ابن جعفر اور اپنے اطفال و عیال کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے تاریخ اسلام مسٹر ذاکر حسین کی جلد ۱ ص ۳۴ میں ہے کہ جب آپ کوفہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو معاویہ نے راستہ میں ایک پیغام بھیجا اور وہ یہ تھا کہ آپ خوارج سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں کیونکہ انہوں نے میری بیعت ہوتے ہی پھر سر نکالا ہے امام حسن نے جواب دیا کہ اگر خونریزی مقصود ہوتی تو میں تجھ سے صلح کیوں کرتا۔ جسٹس امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ خوارج حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو مانتے اور حضرت علی علیہ السلام اور عثمان غنی کو نہیں تسلیم کرتے تھے اور بنی امیہ کو مرتد کہتے تھے۔

صلح حسن اور اس کے وجوہ و اسباب

استاذی العلام حضرت علامہ سید عدیل اختر اعلیٰ اللہ مقامہ (سابق پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ) اپنی کتاب تسکین الفتن فی صلح الحسن کے ص ۱۵۸ میں تحریر فرماتے ہیں :

امام حسن کی پالیسی بلکہ جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے کل اہلبیت کی پالیسی ایک اور صرف ایک تھی (دراسات اللیب ص ۲۴۹) وہ یہ کہ حکم خدا اور حکم رسول کی پابندی انہیں کے احکام کا اجراء چاہئے، اس مطلب کے لیے جو برداشت کرنا پڑے، مذکورہ بالا حالات میں امام حسن کے لیے سوائے

صلح کیا چارہ ہو سکتا تھا اس کو خود صاحبان عقل سمجھ سکتے ہیں کسی استدلال کی چنداں ضرورت نہیں ہے یہاں پر علامہ ابن اثیر کی یہ عبارت (جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے) قابل غور ہے:

”کہا گیا ہے کہ امام حسن نے حکومت معاویہ کو اس لیے سپرد کی کہ جب معاویہ نے خلافت حوالے کرنے کے متعلق آپ کو خط لکھا اس وقت اپنے خطبہ پڑھا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ دیکھو ہم کو شام والوں سے اس لیے نہیں دہنا پڑ رہا ہے (کہ اپنی حقیقت میں) ہم کو کوئی شک یا ندامت ہے بات تو فقط یہ ہے کہ ہم اہل شام سے سلامت اور صبر کے ساتھ لڑ رہے تھے مگر اب سلامت میں عداوت اور صبر میں فریاد مخلوط کر دی گئی ہے جب تم لوگ صفین کو جا رہے تھے اس وقت تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم تھا لیکن اب تم ایسے ہو گئے ہو کہ آج تمہاری دنیا تمہارے دین پر مقدم ہو گئی ہے اس وقت تمہارے دونوں طرف دو قسم کے مقتول ہیں ایک صفین کے مقتول جن پر رو رہے ہو دوسرے نہروان کے مقتول جن کے خون کا بدلہ لینا چاہ رہے ہو خلاصہ یہ کہ جو باقی ہے وہ ساتھ چھوڑنے والا ہے اور جو رو رہا ہے وہ تو بدلہ لینا ہی چاہتا ہے خوب سمجھ لو کہ معاویہ نے ہم کو جس امر کی دعوت دی ہے نہ اس میں عزت ہے اور نہ انصاف، لہذا اگر تم لوگ موت پر آمادہ ہو تو ہم اس کی دعوت کو رد کر دیں اور ہمارا اور اس کا فیصلہ خدا کے نزدیک بھی تلوار کی باڑھ سے ہو جائے اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو جو اس نے لکھا ہے مان لیا جائے اور جو تمہاری مرضی ہے ویسا ہو جائے، یہ سننا تھا کہ ہر طرف

سے لوگوں نے چلانا شروع کر دیا بقا، صلح صلح، (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۶۲)۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ کیا اب بھی امام حسن کے لیے یہ رائے ہے کہ صلح نہ کریں ان فوجیوں کے بل بوتے پر (اگر ایسوں کہ فوج اور ان کی قوتوں کو بل بوتہ کہا جاسکے) لڑائی زیباً ہے ہرگز نہیں ایسے حالات میں صرف یہی چارہ تھا کہ صلح کر کے اپنی اور ان تمام لوگوں کی زندگی تو محفوظ رکھیں جو دین رسول کے نام لیوا اور حقیقی پیرو پابند تھے، اس کے علاوہ پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی بھی صلح کی راہ میں مشعل کاکام کر رہی تھی (بخاری) علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ حضرت کو اگرچہ کی وفائے صلح پر اعتماد نہینتھا لیکن آپ نے حالات کے پیش نظر چاروں اچار دعوت صلح منظور کر لی (دمعہ ساکبہ)۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت

مورخین کا اتفاق ہے کہ امام حسن اگرچہ صلح کے بعد مدینہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، لیکن امیر معاویہ آپ کے درپے آزار رہے انہوں نے بار بار کوشش کی کسی طرح امام حسن اس دار فانی سے ملک جاودانی کو روانہ ہو جائیں اور اس سے ان کا مقصد یزید کی خلافت کے لیے زمین ہموار کرنا تھی، چنانچہ انہوں نے ۵/ بار آپ کو زہر دلوا یا، لیکن ایام حیات باقی تھے زندگی ختم نہ ہو سکی، بالآخرہ شاہ روم سے ایک زبردست قسم

کا زہر منگوا کر محمد ابن اشعث یا مروان کے ذریعہ سے جعدہ بنت اشعث کے پاس امیر معاویہ نے بھیجا اور کہلادیا کہ جب امام حسن شہد ہو جائیں گے تب ہم تجھے ایک لاکھ درہم دیں گے اور تیرا عقد اپنے بیٹے یزید کے ساتھ کر دیں گے چنانچہ اس نے امام حسن کو زہر دے کرے ہلاک کر دیا، (تاریخ مروج الذهب مسعودی جلد ۲ ص ۳۰۳، مقاتل الطالبین ص ۵۱، ابوالفداء ج ۱ ص ۱۸۳، روضة الصفاق ۳ ص ۷، حبیب السیر جلد ۲ ص ۱۸، طبری ص ۶۰۴، استیعاب جلد ۱ ص ۱۴۴)۔

مفسر قرآن صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی رقمطراز ہیں کہ امام حسن مصالحو معاویہ کے بعد مدینہ میں مستقل طور پر فروکش ہو گئے تھے آپ کو اطلاع ملی کہ بصرہ میں رہنے والے محبان علی کے اوپر چندا و باشوں نے شبخون مار کر ان کے ۳۸ آدمی ہلاک کر دیئے ہیں امام حسن اس خبر سے متاثر ہو کر بصرہ کے لیے روانہ ہو گئے آپ کے ہمراہ عبداللہ ابن عباس بھی تھے، راستے میں بمقام موصلی سعد موصلی جو جناب مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے چچا تھے کے وہاں قیام فرمایا اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر دمشق سے واپسی پر جب آپ موصل پہنچے تو باصرار شدید ایک دوسرے شخص کے ہاں مقیم ہوئے اور وہ شخص معاویہ کے فریب میں آچکا تھا اور مال و دولت کی وجہ سے امام حسن کو زہر دینے کا وعدہ کر چکا تھا چنانچہ دوران قیام میں اس نے تین بار حضرت کو کھانے میں زہر دیا، لیکن آپ بچ گئے۔ امام کے محفوظ رہ جانے سے اس شخص نے معاویہ کو خط لکھا کہ تین

بارزہریدیے چکاہوں مگر امام حسن ہلاک نہیں ہوئے یہ معلوم کر کے معاویہ نے زہر ہلاہل ارسال کیا اور لکھا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی تودے سکتا تو یقیناً امام حسن ہلاک ہو جائیں گے نامہ برزہر اور خط لیے ہوئے آ رہا تھا کہ راستے میں ایک درخت کے نیچے کھانا کھا کر لیٹ گیا، اس کے پیٹ میں درد اٹھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا ناگاہ ایک بھیڑیا برآمد ہوا اور اسے لے کر رفوچ کر ہو گیا، اتفاقاً امام حسن کے ایک ماننے والے کا اس طرف سے گزر ہوا، اس نے ناقہ، اور زہر سے بھر ہوئی بوتل حاصل کر لی اور امام حسن کی خدمت میں پیش کیا، امام علیہ السلام نے اسے ملاحظہ فرما کر جانماز کے نیچے رکھ لیا حاضرین نے واقعہ دریافت کیا امام نے نہ بتایا۔ سعد موصلی نے موقع پا کر جانماز کے نیچے سے وہ خط نکال لیا جو معاویہ کی طرف سے امام کے میزبان کے نام سے بھیجا گیا تھا خط پڑھ کر سعد موصلی آگ بگولہ ہو گئے اور میزبان سے پوچھا کیا معاملہ ہے، اس نے لاعلمی ظاہر کی مگر اس کے عذر کو باور نہ کیا گیا اور اس کی زد کو ب کی گئی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا اس کے بعد آپ روانہ مدینہ ہو گئے۔ مدینہ میں اس وقت مروان بن حکم والی تھا اسے معاویہ کا حکم تھا کہ جس صورت سے ہو سکے امام حسن کو ہلاک کر دو مروان نے ایک رومی دلالہ جس کا نام ”الیسونیہ“ تھا کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ توجعدہ بنت اشعث کے پاس جا کر اسے میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ اگر تو امام حسن کو کسی صورت سے شہید کر دے گی تو تجھے معاویہ ایک ہزار دینار سرخ اور پچاس خلعت مصری

عطا کرے گا اور اپنے بیٹے یزید کے ساتھ تیرا عقد کر دے گا اور اس کے ساتھ ساتھ سو دینا نقد بھیج دئیے دلالہ نے وعدہ کیا اور جعدہ کے پاس جا کر اس سے وعدہ لے لیا، امام حسن اس وقت گھر میں نہ تھے اور بمقام عقیق گئے ہوئے تھے اس لیے دلالہ کوبات چیت کا اچھا خاصا موقع مل گیا اور وہ جعدہ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو گئی ۔

الغرض مروان نے زہر بھیجا اور جعدہ نے امام حسن کو شہد میں ملا کر دیدیا امام علیہ السلام نے اسے کھاتے ہی بیمار ہو گئے اور فوراً روضہ رسول پر جا کر صحت یاب ہوئے زہر تو آپ نے کھالیا لیکن جعدہ سے بدگمان بھی ہو گئے، آپ کو شبہ ہو گیا جس کی بنا پر آپ نے اس کے ہاتھ کا کھانا پینا چھوڑ دیا اور یہ معمول مقرر کر لیا کہ حضرت قاسم کی ماں یا حضرت امام حسین کے گھر سے کھانا منگا کر کھانے لگے ۔

تھوڑے عرصہ کے بعد آپ جعدہ کے گھر تشریف لے گئے اس نے کہا کہ مولا حوالی مدینہ سے بہت عمدہ خرما آئے ہیں حکم ہو تو حاضر کروں آپ چونکہ خرما کو بہت پسند کرتے تھے فرمایا آ، وہ زہر آلود خرما لے کر آئی اور پہچانے ہوئے دانے چھوڑ کر خود ساتھ کھانے لگی امام نے ایک طرف سے کھانا شروع کیا اور وہ دانے کھا گئے جن میں زہر تھا اس کے بعد امام حسین کے گھر تشریف لائے اور ساری رات تڑپ کر بسر کی، صبح کو روضہ رسول پر جا کر دعا مانگی اور صحت یاب ہوئے ۔

امام حسن نے بار بار اس قسم کی تکلیف اٹھانے کے بعد اپنے بھائیوں سے

تبدیلی آب و ہوا کے لیے موصل جانے کا مشورہ کیا اور موصل کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ حضرت عباس اور چند ہوا خواہان بھی گئے، ابھی وہاں چند یوم نہ گزرے تھے کہ شام سے ایک نابینا بھیج دیا گیا اور اسے ایک ایسا عصا دیا گیا جس کے نیچے لوہا لگایا ہوا تھا جو زہر میں بجھا ہوا تھا اس نابینا نے موصل پہنچ کر امام حسن کے دوستانہان میں سے اپنے کو ظاہر کیا اور موقع پا کر ان کے پیر میں اپنے عصا کی نوک چبھو دی زہر جسم میں دوڑ گیا اور آپ اعلیٰ ہو گئے، جراح علاج کے لیے بلایا گیا، اس نے علاج شروع کیا، نابینا زخم لگا کر روپوش ہو گیا تھا، چودہ دن کے بعد جب پندرہویں دن وہ نکل کر شام کی طرف روانہ ہوا تو حضرت عباس علمدار کی اس پر نظر جا پڑی آپ نے اس سے عصا چھین کر اس کے سر پر اس زور سے مارا کہ سر شگافتہ ہو گیا اور وہ اپنے کیفر و کردار کو پہنچ گیا۔

اس کے بعد جناب مختار اور ان کے چچا سعد موصلی نے اس کی لاش جلادی چند دنوں کے بعد حضرت امام حسن مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں آپ ایام حیات گزار رہے تھے کہ ”ایسونیہ“ دلالہ نے پھر باشارئہ مروان جعدہ سے سلسلہ جنبائی شروع کردی اور زہر ہلاہل اسے دے کر امام حسن کا کام تمام کرنے کی خواہش کی، امام حسن چونکہ اس سے بدگمان ہو چکے تھے اس لیے اس کی آمدورفت بند تھی اس نے ہر چند کوشش کی لیکن موقع نہ پاسکی بالآخر، شب بست و ہشتم صفر ۵۰ کو وہ اس جگہ جا پہنچی جس مقام پر امام حسن سو رہے تھے آپ کے قریب حضرت زینب وام

کلثوم سورہی تھیں اور آپ کی پائنتی کنیزیں محو خواب تھیں ،جعدہ اس پانی میں زہرہ لابل ملا کر خاموشی سے واپس آئی جو امام حسن کے سرہانے رکھا ہوا تھا اس کی واپسی کے تھوڑی دیر بعد ہی امام حسن کی آنکھ کھلی آپ نے جناب زینب کو آواز دی اور کہا اے بہن ،میں نے ابھی ابھی اپنے نانا اپنے پدر بزرگوار اور اپنی مادر گرامی کو خواب میں دیکھا ہے وہ فرماتے تھے کہ اے حسن تم کل رات ہمارے پاس ہو گے ، اس کے بعد آپ نے وضو کے لیے پانی مانگا اور خود اپنا ہاتھ بڑھا کر سرہانے سے پانی لیا اور پی کر فرمایا کہ اے بہن زینب ”این چہ آپ بود کہ از سر حلقم تا بنا قم پارہ پارہ شد“ ہائے یہ کیسا پانی ہے جس نے میرے حلق سے ناف تک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اس کے بعد امام حسین کو اطلاع دی گئی وہ آئے دونوں بھائی بغل گیر ہو کر محو گریہ ہو گئے ،اس کے بعد امام حسین نے چاہا کہ ایک کوزہ پانی خود پی کر امام حسن کے ساتھ نانا کے پاس پہنچیں ،امام حسن نے پانی کے برتن کو زمین پر پٹک دیا وہ چور چور ہو گیا راوی کا بیان ہے کہ جس زمین پر پانی گرا تھا وہ ابلنے لگی تھی ۔ الغرض تھوڑی دیر کے بعد امام حسن کو خون کی قے آنے لگی آپ کے جگر کے ستر ٹکڑے طشت میں آگئے آپ زمین پر تر پنے لگے ، جب دن چڑھا تو آپ نے امام حسین سے پوچھا کہ میرے چہرے کا رنگ کیسا ہے ”سبز“ ہے آپ نے فرمایا کہ حدیث معراج کا یہی مقتضی ہے ، لوگوں نے پوچھا کہ مولا حدیث معراج کیا ہے فرمایا کہ شب معراج میرے نانا نے آسمان پر دو قصر ایک زمرد کا ، ایک یاقوت سرخ کا دیکھا تو پوچھا کہ اے جبرئیل یہ

دونوں قصرکس کے لیے ہیں ، انہوں نے عرض کی ایک حسن کے لیے اور دوسرا حسین کے لیے پوچھا دونوں کے رنگ میں فرق کیوں ہے؟ کہا حسن زہر سے شہید ہوں گے اور حسین تلوار سے شہادت پائیں گے یہ کہہ کر آپ سے لپٹ گئے اور دونوں بھائی رونے لگے اور آپ کے ساتھ درو دیوار بھی رونے لگے۔

اس کے بعد آپ نے جعدہ سے کہا افسوس تو نے بڑی بے وفائی کی ، لیکن یاد رکھ کہ تو نے جس مقصد کے لیے ایسا کیا ہے اس میں کامیاب نہ ہوگی اس کے بعد آپ نے امام حسین اور بہنوں سے کچھ وصیتیں کیں اور انکھیں بند فرمائیں پھر تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھول کر فرمایا اے حسین میرے بال بچے تمہارے سپرد ہیں پھر بند فرما کر نانا کی خدمت میں پہنچ گئے ”انا لله وانا الیہ راجعون“

امام حسن کی شہادت کے فوراً بعد مروان نے جعدہ کو اپنے پاس بلا کر دو عورتوں اور ایک مرد کے ساتھ معاویہ کے پاس بھیج دیا معاویہ نے اسے ہاتھ پاؤں بندھوا کر دریائے نیل میں یہ کہہ کر ڈلوادیا کہ تو نے جب امام حسن کے ساتھ وفا نہ کی، تو یزید کے ساتھ کیا وفا کرے گی (روضۃ الشهداء ص ۲۲۰ تا ۲۳۵ طبع بمبئی ۱۲۸۵ء و ذکر العباس ص ۵۰ طبع لاہور ۱۹۵۶ء۔

امام حسن کی تجہیز و تکفین

الغرض امام حسن کی شہادت کے بعد امام حسین نے غسل و کفن کا انتظام

فرمایا اور نماز جنازہ پڑھی گئی امام حسن کی وصیت کے مطابق انہیں سرور کائنات کے پہلومیں دفن کرنے کے لیے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے چلے ابھی پہنچے ہی تھے کہ بنی امیہ خصوصاً مروان وغیرہ نے آگے بڑھ کر پہلئے رسول میں دفن ہونے سے روکا اور حضرت عائشہ بھی ایک خچر پر سوار ہو کر آ پہنچیں، اور کہنے لگیں یہ گھیر میرا ہے میں تو ہرگز حسن کو اپنے گھر میں دفن نہ ہونے دوں گی (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۸۳، روضة المناظر جلد ۱۱ ص ۱۳۳، یہ سن کر بعض لوگوں نے کہا اے عائشہ تمہارا کیا حال ہے کبھی اونٹ پر سوار ہو کر داماد رسول سے جنگ کرتی ہو کبھی خچر پر سوار ہو کر فرزند رسول کے دفن میں مزاحمت کرتی ہو تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ذکر العباس ص ۵۱)۔

مگر وہ ایک نہ مانیں اور ضد پراڑی رہیں، یہاں تک کہ بات بڑھ گئی، آپ کے ہوا خواہوں نے آل محمد پر تیر برسائے۔

کتاب روضة الصفا جلد ۳ ص ۷ میں ہے کہ کئی تیر تابوت میں پیوست ہو گئے۔

کتاب ذکر العباس ص ۵۱ میں ہے کہ تابوت میں ستر تیر پیوست ہوئے تھے۔

(تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۲۸ میں ہے کہ ناچار نعش مبارک کو جنت البقیع میں لا کر دفن کر دیا گیا۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۸۲ میں ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۷ سال کی تھی۔

آپ کی ازواج اور اولاد

آپ نے مختلف اوقات میں ۹ بیویاں کیں ، آپ کی اولاد میں ۸ بیٹے اور ۷ بیٹیاں تھیں ، یہی تعداد ارشاد مفید ص ۲۰۸ ، نور الابصار ص ۱۱۲ طبع مصر میں ہے ۔ علامہ طلحہ شافعی مطالب السؤل کے ص ۲۳۹ پر لکھتے ہیں کہ امام حسن کی نسل زید اور حسن مثنی سے چلی ہے امام شبلنجی کا کہنا ہے کہ آپ کے تین فرزند، عبدالله ، قاسم ، اور عمرو ، کربلا میں شہید ہوئے ہیں (نور الابصار ص ۱۱۲) ۔

جناب زید بڑے جلیل القدر اور صدقات رسول کے متولی تھے انہوں نے ۱۲۰ ھ میں بعمر ۹۰ سال انتقال فرمایا ہے ۔ جناب حسن مثنی نہایت جلیل القدر فاضل متقی اور صدقات امیر المومنین کے متولی تھے آپ کی شادی امام حسین کی بیٹی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی آپ نے کربلا کی جنگ میں شرکت کی تھی اور بے انتہا زخمی ہو کر مقتولوں میں دب گئے تھے جب سر کاٹے جا رہے تھے تب ان کے ماموں ابو احسان نے آپ کو زندہ پا کر عمر سعد سے لے لیا تھا آپ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ۹۷ ھ میں زہر دیدیا تھا جس کی وجہ سے آپ نے ۵۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا آپ کی شہادت کے بعد آپ کی بیوی جناب فاطمہ ایک سال تک قبر پر خیمہ زن رہیں (ارشاد مفید ص ۲۱۱ و نور الابصار ص ۲۶۹) ۔

چودہ ستارے

حضرت امام حسین علیہ السلام

آپ کی ولادت

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے بعد چاس راتیں گزریں تھیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کانطفہ وجود بطن مادر میں مستقر ہوا تھا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ولادت حسن اور استقرار حمل حسین میں ایک طہر کا فاصلہ تھا (اصابہ نزول الابرار واقدی)۔ ابھی آپ کی ولادت نہ ہونے پائی تھی کہ بروایتی ام الفضل بنت حارث نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم کے جسم کا ایک ٹکڑا کاپ کر میری آغوش میں رکھا گیا ہے اس خواب سے وہ بہت گھبرائیں اور دوڑی ہوئی رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ حضور آج ایک بہت برا خواب دیکھا ہے، حضرت نے خواب سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ خواب تو نہایت ہی عمدہ ہے اے ام الفضل کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری آغوش میں پرورش آئے گا۔ آپ کے ارشاد فرمانے کو تھوڑی ہی عرصہ گزرا تھا کہ خصوصی مدت حمل صرف چھ ماہ گزر کر نور نظر رسول امام حسین بتاریخ ۳ / شعبان ۴ ھ ہجری بمقام مدینہ منورہ بطن مادر سے آغوش مادر میں آگئے۔ (شواہد النبوت ص ۱۳، انوار حسینہ جلد ۳ ص ۴۳ بحوالہ صافی ص ۲۹۸، جامع عباسی ص ۵۹، بحار الانوار و مصاح طوسی ابن نما ص ۲ وغیرہ)۔

ام الفضل کا بیان ہے کہ میں حسب الحکم ان کی خدمت کرتی رہی ، ایک دن میں بچہ کولے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے آغوش محبت میں لے کر پیار کیا اور آپ رونے لگے میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے وہ بتلا گئے ہیں کہ یہ بچہ امت کے ہاتھوں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید ہوگا، اور اے ام الفضل وہ مجھے اس کی قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دے گئے ہیں (مشکوٰۃ جلد ۸ ص ۱۴۰ طبع لاہور)۔ اور مسند امام رضا ص ۳۸ میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا دیکھو یہ واقعہ فاطمہ سے کوئی نہ بتلائے ورنہ وہ سخت پریشان ہوں گی ، ملا جامی لکھتے ہیں کہ ام سلمہ نے بیان کیا کہ ایک دن رسول خدامیرے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے تھے ، اور چہرہ پر گرد پڑی ہوئی تھی ، میں نے اس پریشانی کو دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے فرمایا مجھے ابھی ابھی جبرئیل عراق کے مقام کربلا میں لے گئے تھے وہاں میں نے جائے قتل حسین دیکھی ہے اور یہ مٹی لایا ہوں اے ام سلمہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھو جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا حسین شہید ہو گیا الخ (شواہد النبوت ص ۱۷۴)۔

آپ کا اسم گرامی

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد سرور کائنات صلعم نے امام حسین کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر بڑی

دیر تک چسایا، اس کے بعد داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، پھر دعائے خیر فرما کر حسین نام رکھا (نور الابصار ص ۱۱۳)۔ علماء کا بیان ہے کہ یہ نام اسلام سے پہلے کسی کا بھی نہیں تھا، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نام خود خداوند عالم کا رکھا ہوا ہے (ارجح المطالب و روضة الشهداء ص ۲۳۶)۔ کتاب اعلام الوری طبرسی میں ہے کہ یہ نام بھی دیگر آئمہ کے ناموں کی طرح لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

آپ کا عقیقہ

امام حسین کا نام رکھنے کے بعد سرور کائنات نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ بیٹی جس طرح حسن کا عقیقہ کیا گیا ہے اسی طرح اسی کے عقیقہ کا بھی انتظام کرو، اور اسی طرح بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کرو، جس طرح اس کے بھائی حسن کے لیے کرچکی ہو، الغرض ایک مینڈھا منگوا یا گیا، اور رسم عقیقہ ادا کر دی گئی (مطالب السؤل ص ۲۴۱)۔ بعض معاصرین نے عقیقہ کے ساتھ ختنہ کا ذکر کیا ہے جو میرے نزدیک قطعاً ناقابل قبول ہے کیونکہ امام کا مختون پیدا ہونا مسلمات سے ہے۔

کنیت والقاب

آپ کی کنیت صرف ابو عبد اللہ تھی، البتہ القاب آپ کے بے شمار ہیں جن میں سید و صبط اصغر، شہید اکبر، اور سید الشهداء زیادہ مشہور ہیں۔ علامہ محمد بن

طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ سبط اور سید خود رسول کریم کے معین کردہ القاب ہیں (مطالب السؤل ص ۳۱۲)۔

آپ کی رضاعت

اصول کافی باب مولدالحسین ص ۱۱۴ میں ہے کہ امام حسین نے پیدا ہونے کے بعد نہ حضرت فاطمہ زہرا کا شیر مبارک نوش کیا اور نہ کسی اور دائی کا دودھ پیا، ہوتا یہ تھا کہ جب آپ بھوکے ہوتے تھے تو سرور کائنات تشریف لاکر زبان مبارک دہن اقدس میں دے دیتے تھے اور امام حسین اسے چوسنے لگتے تھے، یہاں تک کہ سیر و سیراب ہو جاتے تھے، معلوم ہونا چاہئے کہ اسی سے امام حسین کا گوشت پوست بنا اور لعاب دہن رسالت سے حسین پرورش پا کر کار رسالت انجام دینے کی صلاحیت کے مالک بنے یہی وجہ ہے کہ آپ رسول کریم سے بہت مشابہ تھے (نور الابصار ص ۱۱۳)۔

خداوند عالم کی طرف سے ولادت امام حسین کی تہنیت اور تعزیت

علامہ حسین واعظ کاشفی رقمطراز ہیں کہ امام حسین کی ولادت کے بعد خلاق عالم نے جبرئیل کو حکم دیا کہ زمین پر جا کر میرے حبیب محمد مصطفیٰ کو میری طرف سے حسین کی ولادت پر مبارک باد دے دو اور ساتھ ہی ساتھ ان کی شہادت عظمیٰ سے بھی مطلع کر کے تعزیت ادا کر دو، جناب جبرئیل بحکم رب جلیل زمین پر وارد ہوئے اور انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں شہادت حسینی کی تعزیت بھی منجانب اللہ ادا کی جاتی ہے، یہ سن کر سرور کائنات

کاماتھا ٹھنکا اور آپ نے پوچھا، جبرئیل ماجرا کیا ہے تہنیت کے ساتھ تعزیت کی تفصیل بیان کرو، جبرئیل نے عرض کی کہ مولایک وہ دن ہوگا جس دن آپ کے چہیتے فرزند ”حسین“ کے گلوئے مبارک پر خنجر آبدار رکھا جائے گا اور آپ کا یہ نور نظر بے یار و مددگار میدان کربلا میں یکہ و تنہا تین دن کا بھوکا پیاسا شہید ہوگا یہ سن کر سرور عالم محو گریہ ہو گئے آپ کے رونے کی خبر جونہی امیر المومنین کو پہنچی وہ بھی رونے لگے اور عالم گریہ میں داخل خانہ سیدہ ہو گئے -

جناب سیدہ نے جو حضرت علی کو رو تادیکھا دل بے چین ہو گیا، عرض کی ابو الحسن رونے کا سبب کیا ہے فرمایا بنت رسول ابھی جبرئیل آئے ہیں اور وہ حسین کی تہنیت کے ساتھ ساتھ اس کی شہادت کی بھی خبر دے گئے ہیں حالات سے باخبر ہونے کے بعد فاطمہ کے گریہ گلو گیر ہو گیا، آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی باباجان یہ کب ہوگا، فرمایا جب میں نہ ہوں گانہ تو ہوگی نہ علی ہوں گے نہ حسن ہوں گے فاطمہ نے پوچھا بابا میرا بچہ کس خطا پر شہید ہوگا فرمایا فاطمہ بالکل بے جرم و خطا صرف اسلام کی حمایت میں شہادت ہوگی، فاطمہ نے عرض کی باباجان جب ہم میں سے کوئی نہ ہوگا تو پھر اس پر گریہ کون کرے گا اور اس کی صف ماتم کون بچھائے گا، راوی کا بیان ہے کہ اس سوال کا حضرت رسول کریم ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ ہاتف غیبی کی آواز آئی، اے فاطمہ غم نہ کرو تمہارے اس فرزند کا غم ابد الابد تک منایا جائے گا اور اس کاماتم قیامت تک جاری رہے گا

ایک روایت میں ہے کہ رسول خدانے فاطمہ کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ خدا کچھ لوگوں کو ہمیشہ پیدا کرتا رہے گا جس کے بوڑھے بوڑھوں پر اور جوان جوانوں پر اور بچے بچوں پر اور عورتیں عورتوں پر گریہ وزاری کرتے رہیں گے۔

فطرس کا واقعہ

علامہ مذکور بحوالہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں کہ اسی تہنیت کے سلسلہ میں جناب جبرئیل بے شمار فرشتوں کے ساتھ زمین کی طرف آ رہے تھے کہ ناگاہ ان کی نظر زمین کے ایک غیر معروف طبقہ پر پڑی دیکھا کہ ایک فرشتہ زمین پر پڑا ہوا زار و قطار رو رہا ہے آپ اس کے قریب گئے اور آپ نے اس سے ماجرا پوچھا اس نے کہا اے جبرئیل میں وہی فرشتہ ہوں جو پہلے آسمان پر ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرتا تھا میرا نام فطرس ہے جبرئیل نے پوچھا تجھے کس جرم کی یہ سزا ملی ہے اس نے عرض کی ، مرضی معبود کے سمجھنے میں ایک پل کی دیر کی تھی جس کی یہ سزا بھگت رہا ہوں بال و پر جل گئے ہیں یہاں کنج تنہائی میں پڑا ہوں ۔ اے جبرئیل خدار امیری کچھ مدد کرو ابھی جبرئیل جواب نہ دینے پائے تھے کہ اس نے سوال کیا اے روح الامین آپ کہاں جا رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام حسین ہے میں خدا کی طرف سے اس کی ادائے تہنیت کے لیے

جارہا ہوں، فطرس نے عرض کی اے جبرئیل خدا کے لیے مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلو مجھے اسی درسے شفا اور نجات مل سکتی ہے جبرئیل اسے ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب کہ امام حسین آغوش رسول میں جلوہ فرماتھے جبرئیل نے عرض حال کیا، سرور کائنات نے فرمایا کہ فطرس کے جسم کو حسین کے بدن سے مس کر دو، شفا ہو جائے گی جبرئیل نے ایسا ہی کیا اور فطرس کے بال و پیر اسی طرح روئیدہ ہو گئے جس طرح پہلے تھے۔

وہ صحت پانے کے بعد فخر و مباہات کرتا ہوا اپنی منزل ”اصلی“ آسمان سوم پر جا پہنچا اور مثل سابق ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرنے لگا، بعد از شہادت حسین چوں برآں قضیہ مطلع شد، یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا جس میں امام حسین نے شہادت پائی اور اسے حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے بارگاہ احدیت میں عرض کی مالک مجھے اجازت دی جائے کہ میں زمین پر جا کر دشمنان حسین سے جنگ کروں ارشاد ہوا کہ جنگ کی ضرورت نہیں البتہ تو ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر جا اور ان کی قبر مبارک پر صبح و شام گریہ ماتم کیا کر اور اس کا جو ثواب ہو اسے ان کے رونے والوں کے لیے بہہ کر دے چنانچہ فطرس زمین کربلا پر جا پہنچا اور تا قیام قیامت شب و روز روتا رہے گا (روضۃ الشہداء ص ۲۳۶ تا ص ۲۳۸ طبع بمبئی ۱۳۸۵ ھ وغنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی)۔

امام حسین سینہ رسول پر

صحابی رسول ابوہریرہ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ رسول کریم لیٹے ہوئے اور امام حسین نہایت کمسنی کے عالم میں ان کے سینہ مبارک پر ہیں، ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہوئے فرماتے ہیں اے حسین تو میرے سینے پر کود چنانچہ امام حسین آپ کے سینہ مبارک پر کودنے لگے اس کے بعد حضور صلعم نے امام حسین کا منہ چوم کر خدا کی بارگاہ میں عرض کی اے میرے پالنے والے میں اسے بے حد چاہتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت امام حسین کا لعاب دہن اور ان کی زبان اس طرح چوستے تھے جس طرح کجھور کوئی چوسے (ارجح المطالب ص ۳۵۹ و ص ۳۶۱، استیعاب ج ۱ ص ۱۴۴، اصابہ جلد ۲ ص ۱۱، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۴، کنوز الحقائق ص ۵۹)۔

جنت کے کپڑے اور فرزند ان رسول کی عید

امام حسن اور امام حسین کا بچپنا ہے عیدانے والی ہے اور ان اسخیائے عالم کے گھر میں نئے کپڑے کا کیا ذکر پرانے کپڑے بلکہ نان جوئی تک نہیں ہے بچوں نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں مادر گرامی اطفال مدینہ عید کے دن زرق برق کپڑے پہن کر نکلیں گے اور ہمارے پاس بالکل لباس نونہیں ہے ہم کس طرح عید منائیں گے ماں نے کہا بچو گھبراؤ نہیں، تمہارے کپڑے درزی لائے گا عید کی رات آئی بچوں نے ماں سے پھر کپڑوں کا تقاضا کیا، ماں نے وہی

جواب دے کر نونہالوں کو خاموش کر دیا۔

ابھی صبح نہیں ہونے پائی تھی کہ ایک شخص نے دق الباب کیا، دروازہ کھٹکھٹایا، فضہ دروازہ پر گئیں ایک شخص نے ایک بچہ لباس دیا، فضہ نے سیدئہ عالم کی خدمت میں اسے پیش کیا اب جو کھولتا تو اس میں دو چھوٹے چھوٹے عمامے دو قبائیں، دو عبائیں غرضیکہ تمام ضروری کپڑے موجود تھے ماں کادل باغ باغ ہو گیا وہ تو سمجھ گئیں کہ یہ کپڑے جنت سے آئے ہیں لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا بچوں کو جگایا کپڑے دئیے صبح ہوئی بچوں نے جب کپڑوں کے رنگ کی طرف توجہ کی تو کہا مادر گرامی یہ تو سفید کپڑے ہیں اطفال مدینہ رنگین کپڑے پہننے ہوں گے، امام جان ہمیں رنگین کپڑے چاہئیں

حضور انور کو اطلاع ملی، تشریف لائے، فرمایا گھبراؤ نہیں تمہارے کپڑے ابھی ابھی رنگین ہو جائیں گے اتنے میں جبرئیل آفتابہ لیے ہوئے آپہنچے انہوں نے پانی ڈالا محمد مصطفیٰ کے ارادے سے کپڑے سبز اور سرخ ہو گئے سبز جوڑا احسن نے پہنا سرخ جوڑا احسین نے زیب تن کیا، ماں نے گلے لگالیا باپ نے بوسے دئیے نانا نے اپنی پشت پر سوار کر کے مہار کے بدلے زلفیں ہاتھوں میں دیدیں اور کہا، میرے نونہالو، رسالت کی باگ ڈور تمہارے ہاتھوں میں ہے جدھر چاہو موڑ دو اور جہاں چاہو چلو (روضۃ الشهداء ص ۱۸۹ بحار الانوار)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ سرور کائنات بچوں کو پشت پر بٹھا کر دونوں ہاتھوں

اور پیروں سے چلنے لگے اور بچوں کی فرمائش پر اونٹ کی آوازمہ سے نکالنے لگے (کشف المحجوب)۔

امام حسین کا سردار جنت ہونا

پیغمبر اسلام کی یہ حدیث مسلمات اور متواترات سے ہے کہ ”الحسن والحسين سيد شباب اهل الجنة وابوہماخير منہما“ حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے پدر بزرگوار ان دنوں سے بہترین ہیں (ابن ماجہ) صحابی رسول جناب حذیفہ یمانہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سرور کائنات صلعم کو بے انتہا مسرور دیکھ کر پوچھا حضور، افراط مسرت کی کیا وجہ ہے فرمایا اے حذیفہ آج ایک ایسا ملک نازل ہوا ہے جو میرے پاس اس سے قبل کبھی نہیں آیا تھا اس نے مجھے میرے بچوں کی سرداری جنت پر مبارک دی ہے اور کہا ہے کہ ”ان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة وان الحسن والحسين سيد شباب اهل الجنة“ فاطمة جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنین جنت کے مردوں کے سردار ہیں (کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۷، تاریخ الخلفاء ۱۲۳، اسد الغابہ ص ۱۲، اصابہ جلد ۲ ص ۱۲، ترمذی شریف، مطالب السؤل ص ۲۴۲، صواعق محرقة ص ۱۱۴)۔

اس حدیث سے سیادت علویہ کا مسئلہ بھی حل ہو گیا قطع نظر اس سے کہ حضرت علی میں مثل نبی سیادت کا ذاتی شرف موجود تھا اور خود سرور کائنات نے بار بار آپ کی سیادت کی تصدیق سید العرب، سید المتقین، سید المومنین وغیرہ

جیسے الفاظ سے فرمائی ہے حضرت علی کا سرداران جنت امام حسن اور امام حسین سے بہتر ہونا واضح کرتا ہے کہ آپ کی سیادت مسلم ہی نہیں بلکہ بہت بلند درجہ رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک جملہ اولاد علی سید ہیں یہ اور بات ہے کہ بنی فاطمہ کے برابر نہیں ہیں۔

امام حسین عالم نماز میں پشت رسول پر

خدانے جو شرف امام حسن اور امام حسین کو عطا فرمایا ہے وہ اولاد رسول اور فرزندان علی میں آل محمد کے سوا کسی کو نصیب نہیں ان حضرات کا ذکر عبادت اور ان کی محبت عبادت، یہ حضرات اگر پشت رسول پر عالم نماز میں سوار ہو جائیں، تو نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ نونہالان رسالت پشت پر عالم نماز میں سوار ہو جایا کرتے تھے اور جب کوئی منع کرنا چاہتا تھا تو آپ اشارہ سے روک دیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدہ میں اس وقت تک مشغول ذکر رہا کرتے تھے جب تک بچے آپ کی پشت سے خود نہ اتر آئیں آپ فرمایا کرتے تھے خدایا میں انہیں دوست رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر؟ کبھی ارشاد ہوتا تھا اے دنیا والو! اگر مجھے دوست رکھتے ہو تو میرے بچوں سے بھی محبت کرو (اصابہ ص ۱۲ جلد ۲) و مستدرک امام حاکم و مطالب السؤل ص ۲۲۳)۔

حدیث حسین منی

سرور کائنات نے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے

دنیا والو! بس مختصریہ سمجھ لو کہ ”حسین منی وانامن الحسین“ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ خدا سے دوست رکھے جو حسین کو دوست رکھے (مطالب السؤل ص ۲۴۲، صواعق محرقہ ص ۱۱۴، نور الابصار ص ۱۱۳، صحیح ترمذی جلد ۶ ص ۳۰۷، مستدرک امام حاکم جلد ۳ ص ۱۷۷ و مسند احمد جلد ۴ ص ۹۷۲، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۱، کنز العمال جلد ۴ ص ۲۲۱)۔

مکتوبات باب جنت

سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ شب معراج جب میں سیر آسمانی کرتا ہوا جنت کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ باب جنت پرسونے کے حروف میں لکھا ہوا ہے۔

”لا الہ الا اللہ محمد حبیب اللہ علی ولی اللہ وفاطمۃ امۃ اللہ والحسن والحسین صفوۃ اللہ ومن ابغضہم لعنہ اللہ“

ترجمہ : خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں علی، اللہ کے ولی ہیں۔ فاطمہ اللہ کی کنیز ہیں، حسن اور حسین اللہ کے برگزیدہ ہیں اور ان سے بغض رکھنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے (ارجح المطالب باب ۳ ص ۳۱۳ طبع لاہور ۱۲۵۱)

امام حسین اور صفات حسنہ کی مرکزیت

یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام حسین حضرت محمد مصطفیٰ صلی علیہ وآلہ وسلم

کے نواسے، حضرت علی و فاطمہ کے بیٹے اور امام حسن کے بھائی تھے اور انہیں حضرات کو پنتن پاک کہا جاتا ہے اور امام حسین پنجتن کے آخری فرد ہیں یہ ظاہر ہے کہ آخر تک رہنے والے اور ہر دور سے گزرنے والے کے لیے اکتساب صفات حسنہ کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں، امام حسین ۳/ شعبان ۴ ہجری کو پیدا ہو کر سرور کائنات کی پرورش و پرداخت اور آغوش مادر میں رہے اور کسب صفات کرتے رہے، ۲۸/ صفر ۱۱ ہجری کو جب آنحضرت شہادت پا گئے اور ۳/ جمادی الثانیہ کوماں کی برکتوں سے محروم ہو گئے تو حضرت علی نے تعلیمات الہیہ اور صفات حسنہ سے بہرہ ور کیا، ۲۱/ رمضان ۴۰ ہجری کو آپ کی شہادت کے بعد امام حسن کے سر پر ذمہ داری عائد ہوئی، امام حسن ہر قسم کی استمداد و استعانت خاندانی اور فیضان باری میں برابر کے شریک رہے، ۲۸/ صفر ۵۰ ہجری کو جب امام حسن شہید ہو گئے تو امام حسین صفات حسنہ کے واحد مرکز بن گئے، یہی وجہ ہے کہ آپ میں جملہ صفات حسنہ موجود تھے اور آپ کے طرز حیات میں محمد و علی و فاطمہ اور حسن کا کردار نمایاں تھا اور آپ نے جو کچھ کیا قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا، کتب مقاتل میں ہے کہ کربلا میں جب امام حسین رخصت آخری کے لیے خیمہ میں تشریف لائے تو جناب زینب نے فرمایا تھا کہ اے خامس آل عبا آج تمہاری جدائی کے تصور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰ، فاطمہ الزہراء، حسن مجتبیٰ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔

حضرت عمر کا اعتراف شرف آل محمد

عہد عمری میں اگرچہ پیغمبر اسلام کی آنکھیں بند ہو چکی تھی اور لوگ محمد مصطفیٰ کی خدمت اور تعلیمات کو پس پشت ڈال چکے تھے لیکن پھر بھی کبھی کبھی ”حق بر زبان جاری“ کے مطابق عوام سچی باتیں سن ہی لیا کرتے تھے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر منبر رسول پر خطبہ فرما رہے تھے ناگاہ حضرت امام حسین کا ادھر سے گزر ہوا آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کر بولے ”انزل عن منبر ابی“ میرے باپ کے منبر سے اتر آئیے اور جائیے اپنے باپ کے منبر پر بیٹھے آپ نے کہا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے اس کے بعد منبر سے اتر کر امام حسین کو اپنے ہمراہ گھرالے گئے اور وہاں پہنچ کر پوچھا کہ صاحب زادے تمہیں یہ بات کس نے سکھائی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے سے کہا ہے، مجھے کسی نے سکھایا نہیں اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، کبھی کبھی آیا کرو آپ نے فرمایا بہتر ہے ایک دن آپ تشریف لے گئے تو حضرت عمر کو معاویہ سے تنہائی میں محو گفتگو پا کر واپس چلے گئے --- جب اس کی اطلاع حضرت عمر کو ہوئی تو انہوں نے محسوس کیا اور راستے میں ایک دن ملاقات پر کہا کہ آپ واپس کیوں چلے آئے تھے فرمایا کہ آپ محو گفتگو تھے اس لیے میں نے عبد اللہ (ابن عمر) کے ہمراہ واپس آیا حضرت عمر نے کہا کہ ”فرزند رسول میرے بیٹے سے زیادہ تمہارا حق ہے“ فانما انت ماتری فی روسنا اللہ ثم انتم“ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ

میرا وجود تمہارے صدقہ میں ہے اور میرا رواں تمہارے طفیل سے اگا ہے
(اصابة ج ۲ ص ۲۵، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۷، ازالة الخفاء)۔

ابن عمر کا اعتراف شرف حسینی

ابن حریب راوی ہیں کہ ایک دن عبداللہ ابن عمر خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے
ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت امام حسین علیہ
السلام سامنے سے آئے ہوئے دکھائی دئیے ابن عمر نے لوگوں کی طرف
مخاطب ہو کر کہا کہ یہ شخص یعنی امام حسین اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل
زمین سے زیادہ محبوب ہیں۔

کرم حسین کی ایک مثال

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں زیر آیة ”علم آدم الاسماء کلہا“ لکھتے ہیں
کہ ایک اعرابی نے خدمت امام حسین میں حاضر ہو کر کچھ مانگا اور کہا کہ میں
نے آپ کے جد نامدار سے سنا ہے کہ جب کچھ مانگنا ہو تو چار قسم کے لوگوں
سے مانگو : ۱۔ شریف عرب سے ۲۔ کریم حاکم سے ۳۔ حامل قرآن سے ۴۔

حسین شکل والے سے ۔

میں آپ میں یہ جملہ صفات پاتا ہوں اس لیے مانگ رہا ہوں آپ شریف عرب
ہیں آپ کے نانا عربی ہیں آپ کریم ہیں، کیونکہ آپ کی سیرت ہی کرم ہے،
قرآن پاگ آپ کے گھر میں نازل ہوا ہے آپ صبیح و حسین ہیں، رسول
خدا کا ارشاد ہے کہ جو مجھے دیکھنا چاہے وہ حسن اور حسین کو دیکھے، لہذا

عرض ہے کہ مجھے عطیہ سے سرفراز فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ
 جدنامدار نے فرمایا ہے کہ ”المعروف بقدر المعرفة“ معرفت کے مطابق عطیہ
 دینا چاہئے، تو میرے سوالات کا جواب دے - بتا:
 سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ پر ایمان لانا۔ ۲ - ہلاکت سے نجات
 کا ذریعہ ہے؟ اس نے کہا اللہ پر بھروسہ کرنا۔ ۳ - مردکی زینت کیا ہے؟ کہا ”علم
 معہ حلم“ ایسا علم جس کے ساتھ حلم ہو، آپ نے فرمایا درست ہے اس کے
 بعد آپ ہنس پڑے۔ ورمی بالصرة الیہ اور ایک بڑا کیسہ اس کے سامنے ڈال دیا۔
 (فضائل الخمسة من الصحاح الستہ جلد ۳ ص ۲۶۸) -

امام حسین کی نصرت کے لیے رسول کریم کا حکم

انس بن حارث کا بیان ہے جو کہ صحابی رسول اور اصحاب صفہ مینسے کہ
 میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک دن رسول خدا کی گود میں
 تھے اور وہ ان کو پیار کر رہے تھے، اسی دوران میں فرمایا، ان ابنی ہذا یقتل
 بارض یقال لہا کربلاء فمن شہد ذالک منکم فلینصرہ“ کہ میرا یہ فرزند حسین اس
 زمین پر قتل کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے دیکھو تم میں سے اس وقت جو بھی
 موجود ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مدد کرے۔
 راوی کا بیان ہے کہ اصل راوی اور چشم دید گواہ انس بن حارث جو کہ اس وقت
 موجود تھے وہ امام حسین کے ہمراہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے (اسد الغابہ جلد
 ۱ ص ۱۲۳ و ۳۴۹، اصابہ جل ۱ ص ۶۸، کنز العمال جلد ۶ ص ۲۲۳

ذخائر العقبیٰ محب طبری ص ۱۴۶)۔

امام حسین علیہ السلام کی عبادت

علماء و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام زبردست عبادت گزار تھے آپ شب و روز میں بے شمار نمازیں پڑھتے تھے اور انواع و اقسام عبادات سے سرفراز ہوتے تھے آپ نے پچس حج پایادہ کئے اور یہ تمام حج زمانہ قیام مدینہ منورہ میں فرمائے تھے، عراق میں قیام کے دوران آپ کو اموی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے کسی حج کا موقع نہیں مل سکا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۷)۔

امام حسین کی سخاوت

مسند امام رضا ص ۳۵ میں ہے کہ سخی دنیا کے لوگوں کے سردار اور متقی آخرت کے لوگوں کے سردار ہوتے ہیں امام حسین سخی ایسے تھے جن کی نظیر نہیں اور متقی ایسے تھے کہ جن کی مثال نہیں، علماء کا بیان ہے کہ اسامہ ابن زید صحابی رسول علیہ السلام تھے امام حسین انہیں دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے محسوس کیا کہ وہ بے حد رنجیدہ ہیں، پوچھا، اے میرے نانا کے صحابی کیا بات ہے ”واغمہ“ کیوں کہتے ہو، عرض کی مولا، ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں اسے میں ادا کر دوں گا چنانچہ آپ نے ان کی زندگی میں ہی انہیں قرضے کے بارے میں سبکدوش فرمادیا۔

ایک دفعہ ایک دیہاتی شہر میں آیا اور اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ لوگوں نے امام حسین کانام لیا، اس نے حاضر خدمت ہو کر بذریعہ اشعار سوال کیا، حضرت نے چار ہزار اشرفیاں عنایت فرمادیں، اس نے شعیب خزاعی کا کہنا ہے کہ شہادت امام حسین کے بعد آپ کی پشت پر بار برداری کے گھٹے دیکھے گئے جس کی وضاحت امام زین العابدین نے یہ فرمائی تھی کہ آپ اپنی پشت پر لاکر اشرفیاں اور غلوں کے گٹھریو اوں اور یتیموں کے گھرات کے وقت پہنچایا کرتے تھے کتابوں میں ہے کہ آپ کے ایک غیر معصوم فرزند کو عبدالرحمن سلمی نے سورہ حمد کی تعلیم دی، آپ نے ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار قیمتی خلعتیں عنایت فرمائیں (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۷۴) -

امام شلبجی اور علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے نور الابصار اور مطالب السؤل میں ایک اہم واقعہ آپ کی صفت سخاوت کے متعلق تحریر کیا ہے جسے ہم امام حسن کے حال میں لکھ آئے ہیں کیونکہ اس واقعہ سخاوت میں وہ بھی شریک تھے۔

جنگ صفین میں امام حسین کی جدوجہد

اگرچہ مورخین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ امام حسین عہد امیر المومنین کے ہر معرکہ میں موجود رہے، لیکن محض اس خیال سے کہ یہ رسول اکرم کی خاص امانت ہیں انہیں کسی جنگ میں لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی

لیکن علامہ شیخ مہدی مازندرانی کی تحقیق کے مطابق آپ نے بندش آپ توڑنے کے لیے مقام صفین میں نبر آزمائی فرمائی تھی (شجرئہ طوبی طبع نجف اشرف ۱۳۵۴ ھ و بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۵۷ طبع ایران)۔ علامہ باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر امام حسین کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے (کبریٰ الاحمر ص ۲۵ و ذکر العباس ص ۲۶)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام گرداب مصائب میں

واقعہ کربلا کا آغاز

حضرت امام حسین علیہ السلام جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی زندگی کے آخری لمحات سے لے کر امام حسن کی حیات کے آخری ایام تک بحر مصائب و آلام کے ساحل سے کھیلتے ہوئے زندگی کے اس عہد میں داخل ہوئے جس کے بعد آپ کے علاوہ پنجتن میں کوئی باقی نہ رہا تو آپ کا سفینہ حیات خود گرداب مصائب میں آگیا امام حسن کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی تمام تر جدوجہد یہی رہی کہ کسی طرح امام حسین کا چراغ زندگی بھی اسی طرح گل کر دے، جس طرح حضرت علی اور امام حسن کی شمع حیات بجھا چکا ہے اور اس کے لیے وہ ہر قسم کا داؤں کرتا رہا اور اس سے کام مقصد صرف یہ تھا کہ یزید کی خلافت کے منصوبہ کو پروان چڑھائے

،بالآخر اس نے ۵۶ء میں ایک ہزار کی جمعیت سمیت یزید کے لیے بیعت لینے کی غرض سے حجاز کا سفر اختیار کیا اور مدینہ منورہ پہنچا۔ وہاں امام حسین سے ملاقات ہوئی اس نے بیعت یزید کا ذکر کیا، آپ نے صاف لفظوں میں اس کی بدکرداری کا حوالہ دے کر انکار کر دیا، معاویہ کو آپ کا انکار کھلاتو بہت زیادہ لیکن چندالٹے سیدھے الفاظ کہنے کے سوا اور کچھ کرنے سکا اس کے بعد مدینہ اور پھر مکہ میں بیعت یزید لے کر شام کو واپس چلا گیا۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے جب مدینہ میں بیعت کا سوال اٹھایا تو حسین بن علی، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر نے بیعت یزید سے انکار کر دیا اس نے بڑی کوشش کی لیکن یہ لوگ نہ مانے اور رفع فتنہ کے لیے امام حسین کے علاوہ سب مدینہ سے چلے گئے۔ معاویہ ان کے پیچھے مکہ پہنچا اور وہاں ان پر دباؤ ڈالا لیکن کامیاب نہ ہوا، آخر کار شام واپس چلا گیا (روضۃ الشهداء ص ۲۳۴)۔ معاویہ بڑی تیز کی ساتھ بیعت لیتا رہا اور بقول علامہ ابن قتیبہ اس سلسلہ میں اس نے ٹکوں میں لوگوں کے دین بھی خرید لیے، الغرض رجب ۶۰ھ میں معاویہ رخت سفر باندھ کر دنیا سے چلا گیا، یزید جو اپنے باپ کے مشن کو کامیاب کرنا ضروری سمجھتا تھا سب سے پہلے مدینہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس نے وہاں کے والی ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسین، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر سے میری بیعت لے لے، اور اگر یہ انکار کریں تو ان کے سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دے، ابن عقبہ نے مروان سے

مشورہ کیا اس نے کہا کہ سب بیعت کر لیں گے لیکن امام حسین ہرگز بیعت نہ کریں گے اور تجھے ان کے ساتھ پوری سختی کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔ صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ ولید نے ایک شخص (عبدالرحمن بن عمر بن عثمان) کو امام حسین اور ابن زبیر کو بلانے کے لیے بھیجا، قاصد جس وقت پہنچا دونوں مسجد میں محو گفتگو تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم چلو ہم آتے ہیں، قاصد واپس چلا گیا اور یہ دونوں آپ میں بلانے کے سبب پر تبادلہ خیالات کرنے لگے امام حسین نے فرمایا کہ میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے جس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ معاویہ نے انتقال کیا اور یہ ہمیں بیعت یزید کے لیے بلارہا ہے ابھی یہ حضرات جانے نہ پائے تھے کہ قاصد پہر آگیا اور اس نے کہا کہ ولید آپ حضرات کے انتظار میں ہے امام حسین نے فرمایا کہ جلدی کیا ہے جا کر کہہ دو کہ ہم تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ اس کے بعد امام حسین دولت سر میں تشریف لائے اور ۳۰ بہادروں کو ہمراہ لے کر ولید سے ملنے کا قصد فرمایا آپ داخل دربار ہو گئے اور بہادران بنی ہاشم بیرون خانہ درباری حالات کا مطالعہ کرتے رہے ولید نے امام حسین کی مکمل تعظیم کی اور خبر مرگ معاویہ سنانے کے بعد بیعت کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا کہ مسئلہ سوچ بچار کا ہے تم لوگوں کو جمع کرو اور مجھے بھی بلالو میں ”علی روس الاشہاد“ یعنی عام مجمع میں اظہار خیال کروں گا۔ ولید نے کہا بہتر ہے، پھر کل تشریف لائے گا ابھی آپ جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ مروان بول اٹھا اے ولید اگر حسین اس وقت تیرے قبضہ سے نکل گئے

تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے ان کو اسی وقت مجبور کر دے اور ابھی ابھی بیعت لے لے اور اگر یہ انکار کریں تو حکم یزید کے مطابق سرتن سے اتار لے یہ سننا تھا کہ امام حسین کو جلال آگیا آپ نے فرمایا ”یا بنی الزرقا“ کس میں دم ہے کہ حسین کو ہاتھ لگاسکے، تجھے نہیں معلوم کہ ہم آل محمد ہیں فرشتے ہمارے گھروں میں آتے رہتے ہیں ہمیں کیونکر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ ہم یزید جیسے فاسق و فاجر اور شرابی کی بیعت کر لیں، امام حسین کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ بہادران بنی ہاشم داخل دربار ہو گئے اور قریب تھا کہ زبردست ہنگامہ برپا کر دیں لیکن امام حسین نے انہیں سمجھا بجا کر خاموش کر دیا اس کے بعد امام حسین واپس دولت سراتشریف لے گئے ولید نے سارا واقعہ یزید کو لکھ کر بھیج دیا اس نے جواب میں لکھا کہ اس خط کے جواب میں امام حسین کا سر بھیج دو، ولید نے یزید کا خط امام حسین کے پاس بھیج کر کہا بھیجا کہ فرزند رسول، میں یزید کے کہنے پر کسی صورت سے عمل نہیں کر سکتا لیکن آپ کو باخبر کرتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ یزید آپ کے خون بہانے کے دریے ہے۔ امام حسین نے صبر کے ساتھ حالات پر غور کیا اور نانا کے روضہ پر جا کر درددل بیان فرمایا اور بے انتہا روئے، صبح صادق کے قریب مکان واپس آئے دوسری رات کو پھر روضہ رسول پر تشریف لے گئے اور مناجات کے بعد روتے روتے سو گئے خواب میں آنحضرت کو دیکھا کہ آپ حسین کی پیشانی کا بوسہ لے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے نور نظر عنقریب امت تمہیں شہید کر دے گی بیٹا تم بھوکے پیاسے ہو گے تم فریاد کرتے ہو گے اور کوئی تمہاری فریاد رسی نہ

کرے گا امام حسین کی آنکھ کھل گئی آپ دولت سراوایس تشریف لائے اور اپنے اعزا کو جمع کر کے فرمانے لگے کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں مدینہ کوچھوڑ دوں، ترک وطن کافصلہ کرنے کے بعد روضہ امام حسن اور مزار جناب سیدہ پر تشریف لے گئے بھائی سے رخصت ہوئے ماں کو سلام کیا قبر سے جواب سلام آیا، نانا کے روضہ پر رخصت آخری کے لیے تشریف لے گئے روتے روتے سو گئے سرور کائنات نے خواب میں صبر کی تلقین کی اور فرمایا بیٹا ہم تمہارے انتظار میں ہیں۔

علماء کا بیان ہے کہ امام حسین ۲۸ / رجب ۶ ۰ ھ یوم سہ شنبہ کو مدینہ منورہ سے بارادہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ”نفر لمکتہ خوفا علی نفسہ“ امام حسین جان کے خوف سے مکہ تشریف لے گئے (صواعق محرقہ ص ۴۷)۔

آپ کے ساتھ تمام مخدرات عصمت و طہارت اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے البتہ آپ کی ایک صاحبزادی جن کا نام فاطمہ صغریٰ تھا اور جن کی عمر اس وقت ۷ / سال تھی بوجہ علالت شدیدہ ہمراہ نہ جاسکیں امام حسین نے آپ کی تیمارداری کے لیے حضرت عباس کی ماں جناب ام البنین کو مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا اور کچھ فریضہ خدمت ام المومنین جناب ام سلمہ کے سپرد کر دیا تھا، آپ ۳ / شعبان ۶۰ ھ یوم جمعہ کو مکہ معظمہ پہنچ گئے آپ کے پہنچتے ہی والی مکہ سعید ابن عاص مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں

سے یزید کو مکہ کے تمام حالات لکھے اور بتایا کہ لوگوں کا رجحان امام حسین کی طرف اس تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کا جواب نہیں، یزید نے یہ خبر پاتے ہی مکہ میں قتل حسین کی سازش پر غور کرنا شروع کر دیا۔ امام حسین مکہ معظمہ میں چار ماہ شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ مقیم رہے یزید جو بہر صورت امام حسین کو قتل کرنا چاہتا تھا اس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حسین اگر مدینہ سے بچ کر نکل گئے ہیں تو مکہ میں قتل ہو جائیں اور اگر مکہ سے بچ نکلیں تو کوفہ پہنچ کر شہید ہو سکیں، یہ انتظام کیا کہ کوفہ سے ۱۲ ہزار خطوط دوران قیام مکہ میں بھیجوائے کیونکہ دشمنوں کو یہ یقین تھا کہ حسین کوفہ میں آسانی سے قتل کئے جاسکیں گے، نہ یہاں کے باشندوں میں عقیدہ کا سوال ہے اور نہ عقیدت کا یہ فوجی لوگ ہیں ان کی عقلیں بھی موٹی ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ شہادت حسین سے قبل جب تک جتنے افسر بھیجے گئے وہ محض اس غرض سے بھیجے جاتے رہے کہ حسین کو گرفتار کر کے کوفہ لے جائیں (کشف الغمہ ص ۶۸)۔ اور ایک عظیم لشکر مکہ میں شہید کئے جانے کے لیے ارسال کیا اور ۳۰ / خارجیوں کو حاجیوں کے لباس میں خاص طور پر بھجوا دیا جس کا قائد عمر ابن سعد تھا (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۱، منتخب طریحی خلاصۃ المصائب ص ۱۵۰، ذکر العباس، ص ۱۲۲)۔

عبدالحمید خان ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں کہ ”اس کے علاوہ ایک سازش یہ بھی کی گئی کہ ایام حج میں تین سو شامیوں کو بھیج دیا گیا کہ وہ گروہ

حجاج میں شامل ہو جائیں اور جہاں جس حال میں بھی حضرت امام حسین کو پائیں قتل کر ڈالیں (شہید اعظم ص ۷۱) -
 خطوط جو کوفہ سے آئے تھے انہیں شرعی رنگ دیا گیا تھا اور وہ ایسے لوگوں کے نام سے بھیجے گئے تھے جن سے امام حسین متعارف تھے شاہ عبدالعزیز دہلوی کا کہنا ہے کہ یہ خطوط ”من کل طائفة وجماعة“ ہر طائفہ اور جماعت کی طرف سے بھجوائے گئے تھے (سر الشہادتین ص ۶۷)۔ علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ خطوط بھیجنے والے عام اہل کوفہ تھے (صواعق محرقہ ص ۱۱۷) ابن جریر کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ میں ایک دو گھر کے علاوہ کوئی شیعہ نہ تھا (طبری) حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآہونے کے لیے تفحص حالات کی خاطر جناب مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کر دیا۔

مکہ معظمہ میں امام حسین کی جان نہ بچ سکی

یہ واقعہ ہے کہ امام حسین مدینہ منورہ سے اس لیے عازم مکہ ہوئے تھے کہ یہاں ان کی جان بچ جائے گی لیکن آپ کی جان لینے پر ایسا سفاک دشمن تلاہواتھا جس نے مکہ معظمہ اور کعبہ محترمہ میں بھی آپ کو محفوظ نہ رہنے دیا اور وہ وقت آگیا کہ امام حسین مقام امن کو محل خوف سمجھ کر مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور قریب تھا کہ آپ کو عالم حج و طواف میں قتل کر دیں۔

امام حسین کو جیسے ہی سازش کاپتہ لگا، آپ نے فوراً حج کو عمرہ منفردہ سے بدلا اور ۸ / ذی الحجہ ۶۰ ھ کو جناب مسلم کے خط پر بھروسہ کر کے عازم کوفہ ہو گئے ابھی آپ روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ اعزاء واقربائے کمال ہمدردی کے ساتھ التوائے سفر کوفہ کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ گرچہ بیونٹی کے بل میں بھی چھپ جاؤں تو بھی ضرور قتل کیا جاؤں گا اور سنو میرے نانا نے فرمایا ہے کہ حرمت مکہ ایک دنبہ کے قتل سے برباد ہوگی میں ڈرتا ہوں کہ وہ دنبہ میں ہی نہ قرار پائوں میری خواہش ہے کہ میں مکہ سے باہر چاہے ایک ہی بالشت پر کیوں نہ ہوں قتل کیا جاؤں گا (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۰، ینابع المودۃ ص ۲۳۷، صواعق محرکہ ص ۱۱۷)۔

یہ واقعہ ہے کہ کہ یزید کا ارادہ بہر صورت امام حسین کو قتل کرنا اور استیصال بنی فاطمہ تھا۔ (کشف الغمہ ص ۸۷)۔

یہی وجہ ہے کہ جب امام حسین کے مکہ معظمہ سے روانہ ہونے کی اطلاع والی مکہ عمر بن سعید کو ہوئی تو اس نے پوری طاقت سے آپ کو واپس لانے کی سعی کی اور اسی سلسلہ میں اسی نے یحییٰ بن سعید ابن العاص کو ایک گروہ کے ساتھ آپ کو روکنے کے لیے بھیج دیا ”فقالوا له انصرف ابن تذب“ ان لوگوں نے آپ کو روکا اور کہا کہ آپ یہاں سے کہاں نکلے جارہے ہیں فوراً لوٹیں، آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہ روکنا معمولی نہ تھا بلکہ ایسا تھا جس میں مار پیٹ کی بھی نوبت آئی (دمعۃ ساکبۃ ص ۳۱۶) مقصد یہ ہے کہ والی مکہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسین اس کے حدود اقتدار سے نکل جائیں

اوریزید کے منشاء کو پورا نہ کر سکے کیونکہ اس کے پیش نظر والی مدینہ کی برطرفی یا تعطل تھا، وہ دیکھ چکاتھا کہ حسین کے مدینہ سے سالم نکل آنے پر والی مدینہ برطرف کر دیا گیا تھا۔

امام حسین کی مکہ سے رونگی

الغرض امام حسین اپنے جملہ اعزاء و اقرباء اور انصار جان نثار کو ہمراہ لے کر جن کی تعداد بقول امام شبلنجی ۸۲ تھی مکہ سے روانہ ہو گئے آپ جس وقت منزل صفاح پر پہنچے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی وہ کوفہ سے آرہا تھا استفسار پر اس نے بتایا کہ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہوں لیکن ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں آپ نے اپنی روانگی کے وجوہ بیان فرمائے اور آپ وہاں سے آگے بڑھے پھر منزل حاجز کے ایک چشمہ پر اترے وہاں عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی کوفیوں کی بے پروائی کا ذکر کیا، اسکے بعد آپ منزل بطن الرمہ پہنچے اور وہاں سے منزل ذات العرق میں ڈیرہ ڈالا، وہاں شخص بشیر بن غالب سے ملاقات ہوئی اس نے بھی کوفیوں کی غداری کا تذکرہ کیا۔

پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے ایک مقام پر ایک خیمہ نصب دیکھا پوچھا اس جگہ کون ٹہرا ہے معلوم ہوا کہ زبیر ابن ایقین، آپ نے انہیں بلوا بھیجا، جب وہ آئے تو آپ نے اپنی حمایت کا ذکر کیا انہوں نے قبول کر کے اپنی بیوی کو بروائے اپنے بھائی کے ہمراہ گھر روانہ کر دیا اور خود امام حسین کے ساتھ

ہوگئے ، پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل ”زبالہ“ میں پہنچے وہاں آپ کو حضرت مسلم وہابی اور محمد بن کثیر اور عبداللہ بن یقظہ جیسے دلیروں کی شہادت کی خبر ملی آپ نے اناللہ وانا الیہ راجعون فرمایا اور داخل خیمہ ہو کر حضرت مسلم کی بچیوں کو کمال محبت کے ساتھ پیار کیا اور بے انتہاروئے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا قتل یقینی ہے ، میں تم لوگوں کی گردنوں سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں تمہارا جدھر جی چاہے چلے جاؤ، دنیا دار تو واپس ہو گئے ، لیکن سب دیندار ہم رکاب ہی رہے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل قصر بنی مقاتل پر اترے وہاں عبداللہ ابن حرجعی سے ملاقات ہوئی آپ کے اصرار کے باوجود وہ بقول واعظ کاشفی آپ کے ہم رکاب نہ ہوا پھر منزل ثعلبیہ پر پہنچے ، وہاں جناب زینب کی آغوش میں سر رکھ کے سو گئے خواب میں رسول خدا کو دیکھا کہ وہ بلارہے ہیں آب روپڑے ، ام کلثوم نے سبب گریہ پوچھا آپ نے خواب کا حوالہ دیا اور خاندان کی تباہی کا تاثر ظاہر فرمایا ، علی اکبر نے عرض کی بابا ہم حق پر ہیں ہمیں موت سے ڈرنہیں۔

اس کے بعد آپ نے منزل قططانیہ پر خطبہ دیا اور وہاں سے روانہ ہو کر قبیلہ بنی سکون میں ٹہرے آپ کی یہاں سکونت کی اطلاع ابن زیادہ کو دی گئی اس نے ایک ہزار یا دو ہزار کے لشکر سمیت حربن یزید ریاحی کو امام حسین کی گرفتاری کے لیے روانہ کر دیا امام حسین اپنی قیام گاہ سے نکل کر کوفہ کی طرف بدستور روانہ ہو گئے راستے میں بنی عکرمہ کا ایک شخص ملا، اس

نے کہا قادیسیہ سے غدیب تک ساری زمین لشکر سے پٹی پڑی ہے آپ نے اسے دعائے خیر دی اور خود آگے بڑھ کر ”منزل شراف“ پر قیام کیا وہاں آپ نے محرم ۶۱ ھ کا چاند دیکھا اور آپ رات گزار کر علی الصبح روانہ ہو گئے۔

حربین یزیدریاحی

صبح کا وقت گزرادو پہرائی لشکر حسین بادیہ پیمائی کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک صحابی حسین نے تکبیر کہی لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے جواب دیا کہ مجھے کوفہ کی سمت خرمے اور کیلے کے درخت جیسے نظر آ رہے ہیں یہ سن کر لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ س جنگل میں درخت کہاں، اس طرف غور سے دیکھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آئیں امام نے فرمایا کہ دشمن آ رہے ہیں لہذا منزل ذوخشب یا ذوحسم کی طرف مڑ چلو، لشکر حسین نے رخ بدلا اور لشکر حرنے تیز رفتاری اختیار کی بالآخر سامنے آپہنچا اور بروایتے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا یہ دیکھ کر حضرت عباس آگے بڑھے اور فرمایا تیری ماں تیرے ماتم ماتم میں بیٹھے ”ماترید“ کیا چاہتا ہے (مائیتین) ص (۱۸۳) -

مورخین کا بیان ہے کہ چونکہ لشکر حریپاس سے بے چین تھا اس لیے ساقی کوثر کے فرزند نے اپنے بہادروں کو حکم دیا کہ حر کے سواروں اور سواری کے جانوروں کو اچھی طرح سیراب کر دو، چنانچہ اچھی طرح سیرابی کر دی گئی اس کے بعد نماز ظہر کی اذان ہوئی حرنے امام حسین کی قیادت میں

نماز ادا کی اور یہ بتایا کہ ہمیں آپ کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا ہے اور ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ ہم آپ کو ابن زیاد کے دربار میں حاضر کریں، امام حسین نے فرمایا کہ میرے جیتے جی یہ ناممکن ہے کہ میں گرفتار ہو کر خاموشی کے ساتھ کوفہ میں قتل کر دیا جاؤں۔

پھر اس نے تنہائی میں رائے دی کہ چپکے سے رات کے وقت کسی طرف نکل جائیے آپ نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ایک راستے پر آپ چل پڑے جب صبح ہوئی تو پھر حرکت عاقب کرتے دیکھے اور پوچھا کہ اب کیا بات ہے اس نے کہا مولانا کسی جاسوس نے ابن زیاد سے غمازی کر دی ہے چنانچہ اب اس کا حکم یہ آگیا ہے کہ میں آپ کو بے آب و گیاہ جنگل میں روگ لوں گفتگو کے ساتھ ساتھ رفتار بھی جاری تھی کہ ناگاہ امام حسین کے گھوڑے نے قدم روکے، آپ نے نے لوگوں سے پوچھا اس زمین کو کیا کہتے ہیں کہا گیا کہ بلا آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ یہیں پر ڈیرے ڈال دو اور یہیں خیمے لگا دو کیونکہ قضائے الہی یہیں ہمارے گلے ملے گی (نور الابصار ص ۱۱۷، مطالب السؤل ص ۲۵۷، طبری جلد ۳ ص ۴۰۷، کامل جلد ۴ ص ۲۶، ابوالفداء ج ۲ ص ۲۰۱، دمعۃ ساکبۃ ص ۳۳۰ اخبار الطوال ص ۲۵۰، ابن الوردی جلد ۱ ص ۱۷۲، ناسخ جلد ۶ ص ۲۱۹، بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۸۶)

کر بلا میں ورود

۲/ محرم الحرام ۶۱ ھ یوم پنجشنبہ کو امام حسین علیہ السلام وارد کربلا ہو گئے
نورالعین ص ۴۶ حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص ۵۱ مطالب السؤل ص ۲۵۰ ،
ارشاد مفید، دمعة ساکبة ص ۳۲۱ -

واعظ کاشفی اور علامہ اربلی کا بیان ہے کہ جیسے ہی امام حسین نے زمین
کربلا پر قدم رکھا زمین کربلا زرد ہو گئی اور ایک ایسا غبار اٹھا جس سے آپ کے
چہرہ مبارک پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے ، یہ دیکھ کر اصحاب ڈر گئے
اور جناب ام کلثوم رونے لگیں (کشف الغمہ ص ۶۹ روضة الشهداء ص ۳۰۱) -
صاحب مخزن البکا لکھتے ہیں کہ کربلا پر ورود کے فوراً بعد جناب ام کلثوم نے
امام حسین سے عرض کی ، بھائی جان یہ کیسی زمین ہے کہ اس جگہ ہمارے
دل دھل رہے ہیں امام حسین نے فرمایا بس یہ وہی مقام ہے جہاں بابا جان نے
صفین کے سفر میں خواب دیکھا تھا یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمارا خون بہے
گا ، کتاب مائین میں ہے کہ اسی دن ایک صحابی نے ایک بیری کے درخت
سے مسواک کے لیے شاخ کاٹی تو اس سے خون تازہ جاری ہو گیا۔

امام حسین کا خط اہل کوفہ کے نام

کربلا پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اتمام حجت کے لیے اہل کوفہ کے
نام قیس ابن مسہر کے ذریعہ سے ایک ارسال فرمایا ، جس میں آپ نے
تحریر فرمایا کہ تمہاری دعوت پر میں کربلا تک آ گیا ہوں ، الخ۔ قیس خط لیے
جا رہے تھے کہ راستے میں گرفتار کر لیے گئے اور انہیں ابن زیاد کے سامنے

کوفہ لے جا کر پیش کر دیا گیا، ابن زیاد نے خط مانگا قیس نے بروایتے چاک کر کے پھینک دیا اور بروایتے خط کو کھالیا ابن زیاد نے انہیں بضر ب تازیانہ شہید کر دیا (روضۃ الشهداء ص ۳۰۱، کشف الغمہ ص ۶۶)۔

عبداللہ ابن زیاد کا خط امام حسین کے نام

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام حسین کے کربلا پہنچنے کے بعد حرنے ابن زیاد کو آپ کی رسیدگی کربلا کی خبر دی اس نے امام حسین کو فوراً ایک خط ارسال کیا جس میں لکھا کہ مجھے یزید نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے اس کے لیے بیعت لے لوں، یا آپ کو قتل کر دوں، امام حسین نے اس خط کا جواب نہ دیا ”القاہ من یدہ“ اور اسے زمین پر پھینک دیا (مطالب السؤل ص ۲۵۷، نور الابصار ص ۱۱۷)۔

اس کے بعد آپ نے محمد بن حنفیہ کو اپنے کربلا پہنچنے کی ایک خط کے ذریعہ سے اطلاع دی اور تحریر فرمایا کہ میں نے زندگی سے ہاتھ دھولیا ہے اور عنقریب عروس موت سے ہم کنار ہو جاؤں گا (جلاء العیون ص ۱۹۶)۔

حضرت امام حسین میدان جنگ میں

جب آپ کے بہتر اصحاب و انصار اور بنی ہاشم قربان گاہ اسلام پر چڑھ چکے تو آپ خود اپنی قربانی پیش کرنے لیے میدان کارزار میں پہنچے، لشکر یزید جو ہزاروں کی تعداد میں تھا، اصحاب با وفا اور بہادران بنی ہاشم کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکا تھا امام حسین جب میدان میں پہنچے تو دشمنوں کے

لشکر میں تیس ہزار سوار و پیادے باقی تھے، یعنی صرف ایک پیاسے کو تیس ہزار دشمنوں سے لڑنا تھا (کشف الغمہ) میدان میں پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے دشمنوں کو مخاطب کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا آپ نے کہا:

”اے ظالمو! میرے قتل سے باز آؤ، میرے خون سے ہاتھ نہ رنگو، تم جانتے ہو میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں، میرے بابا علی سابق الاسلام ہیں، میری ماں فاطمہ الزہرا تمہارے نبی کی بیٹی ہیں اور تم جانتے ہو کہ میرے نانا رسول اللہ نے مجھے اور میرے بھائی حسن کو سردار جوانان بہشت فرمایا ہے، افسوس تم اپنے نبی کی ذریت اور اپنے رسول کی آل کا خون بہاتے ہو اور میرے خون ناحق پر آمادہ ہوتے ہو، حالانکہ نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے نہ کسی کامال چھینا ہے کہ جس کے بدلے میں تم مجھ کو قتل کرتے ہو، میں تو دنیا سے بے تعلق اپنے نانا رسول کی قبر پر مجاور بیٹھا تھا تم نے مجھے ہدایت کے لیے بلایا اور مجھے نہ نانا کی قبر پر بیٹھنے دیا نہ خدا کے گھر میں رہنے دیا، سنو اب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کا موقع دے دو، کہ میں نانا کی قبر پر جا بیٹھوں یا خانہ خدام میں پناہ لے لوں۔

اس کے بعد آپ نے اتمام حجت کے لیے عمر سعد کو بلایا اور اس سے فرمایا تم میرے قتل سے باز آؤ ۲۔ مجھے پانی دیدو ۳۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو پھر میرے مقابلہ کے لیے ایک ایک شخص کو بھیجو۔

اس نے جواب دیا آپ کی تیسری درخواست منظور کی جاتی ہے اور آپ سے

لڑنے کے لیے ایک ایک شخص مقابلہ میں آئے گا۔ (روضۃ الشهداء)۔

امام حسین کی نبرد آزمائی

معابہ کے مطابق آپ سے لڑنے کے لیے شام سے ایک ایک شخص آنے لگا اور آپ اسے فنا کے گھاٹ اتارنے لگے سب سے پہلے جو شخص مقابلہ کے لیے نکلا وہ تمیم ابن قحطبه تھا آپ نے اس پر برق خاٹف کی طرف حملہ کیا اور اسے تباہ و برباد کر ڈالا، یہ سلسلہ جنگ تھوڑی دیر جاری رہا اور مدت قلیل میں کشتوں کے پشتے الگ گئے اور مقتولین کی تعداد حد شمار سے باہر ہو گئی یہ دیکھ کر عمر سعد نے لشکر والوں کو پکار کر کہا کیا دیکھتے ہو سب مل کر یکبارگی حملہ کر دو، یہ علی کاشیر ہے اس سے انفرادی مقابلہ میں کامیابی قطعاً ناممکن ہے، عمر سعد کی اس آواز نے لشکر کے حوصلے بلند کر دیئے اور سب نے مل کر یکبارگی حملہ کا فیصلہ کیا آپ نے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا آپ کے پہلے حملہ میں ایک ہزار نو سو پچاس دشمن قتل ہوئے اور میدان خالی ہو گیا ابھی آپ سکون نہ لینے پائے تھے کہ اٹھائیس ہزار دشمنوں نے پھر حملہ کر دیا، اس تعداد میں چار ہزار کمانڈر تھے اب صورت یہ ہوئی کہ سورا، پیادے اور کمانڈروں نے ہم آہنگ و عمل ہو کر مسلسل اور متواتر حملے شروع کر دیئے اس موقع پر آپ نے جو شجاعت کا جوہر دکھلایا اس کے متعلق مورخین کا کہنا ہے کہ سر برس نے لگے دھڑگرنے لگے، اور آسمان تھرتھرا یا زمین کانپی، صفیں اٹھیں، پرے درہم برہم ہو گئے۔

اللہ رے حسین کاوہ آخری جہاد
بروار پر علی ولی دے رہے تھے داد

کبھی میسرہ کوالٹتے ہیں، کبھی میمنہ کوتوڑتے ہیں، کبھی قلب لشکر میں
درآتے ہیں کبھی جناح لشکر پر حملہ فرماتے ہیں شامی کٹ رہے ہیں کوفی
گر رہے ہیں لاشوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں حملے کرتے ہوئے فوجوں
کو بھگاتے ہوئے نہر کی طرف پہنچ جاتے ہیں بھائی کی لاش ترائی میں پڑی
نظر آتی ہے آپ پکار کر کہتے ہیں اے عباس تم نے یہ حملہ نہ دیکھے، یہ
صف آرائی نہ دیکھی افسوس کہ تم نے میری تنہائی نہ دیکھی علامہ اسفرائنی
کا کہنا ہے کہ امام حسین دشمنوں پر حملہ کرتے تھے، تو لشکر اس طرح سے
بھاگتا تھا جس طرح ٹڈیاں منتشر ہو جاتی ہیں نور العین میں ایک مقام پر لکھا ہے
کہ امام حسین بہادر شیر کی طرح حملہ فرماتے اور صفوں کو درہم برہم کر دیتے
تھے اور دشمنوں کو اس طرح کاٹ کر پھینک دیتے تھے جس طرح تیز دھار آلہ
سے کھیتی کٹتی ہے۔

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ آنحضرت حملہ گراں افگندہر کہ بادکوشید شربت
مرگ نوشید و بہر جانب کہ تاخت گرد ہے را بخاک انداخت، کہ آپ عظیم الشان
حملہ کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا جو آپ کے سامنے آتا تھا، شربت مرگ سے
سیراب ہوتا تھا اور آپ جس جانب حملہ کرتے تھے گروہ کے گروہ کو خاک

میں ملادیتے تھے (کشف الغمہ ص ۷۸) ۔

مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کو یوم عاشوراداہنے اور بائیں دونوں جانب سے گھیر لیا گیا تو آپ نے دائیں جانب حملہ کر کے سب کو بھگادیا پھر پلٹ کر بائیں جانب حملہ کرتے ہوئے آئے تو سب کو مار کر ہٹا دیا خدا کی قسم حسین سے بڑھ کر کسی شخص کو ایسا قوی دل ثابت قدم، بہادر نہیں دیکھا گیا جو شکستہ دل ہو، صدمہ اٹھائے ہوئے، بیٹوں، عزیزوں اور دوست، احباب کے داغ بھی کھائے ہوئے ہو، اور پھر حسین کی سی ثابت قدمی اور بے جگری سے جنگ کر سکے، بخدادشمنوں کی فوج کے سوار اور پیادے حسین کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلے شیر کے حملہ سے بھاگتے ہیں حسین جنگ کر رہے تھے ”اذا خرجت زینب“ کہ جب جناب زینب خیمہ سے نکل آئیں اور فرمایا کاش آسمان زمین پر گر پڑتا اے عمر سعد تو دیکھ رہا ہے اور عبد اللہ قتل کئے جا رہے ہیں، یہ سن کر عمر سعد رو پڑا، آنسو ڈاڈھی پر بہنے لگے، اور اس نے منہ پھیر لیا، امام حسین اس وقت خز کا جبہ پہنے ہوئے تھے سر پر عمامہ باندھا ہوا تھا اور رسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے، حسین نے گھوڑے سے گر کر بھی اسی طرح جنگ فرمائی جس طرح جنگ جو بہادر سوار جنگ کرتے ہیں تیروں کا مقابلہ کرتے تھے حملوں کو روکتے تھے اور سواروں کے پیروں پر حملہ کرتے تھے اور کہتے تھے، اے ظالمو! میرے قتل پر تم نے ایک کر لیا ہے قسم خدا کی تم میرے قتل سے ایسا گناہ کر رہے ہو جس کے

بعد کسی کے قتل سے بھی اتنے گنہگار نہ ہو گئے تم مجھے ذلیل کر رہے ہو اور خدمت مجھے عزت دے رہا ہے اور سنو وہ دن دور نہیں کہ میرا خداتم سے اچانک میرا بدلہ لے گا، تمہیں تباہ کر دے گا تمہارا خون بہائے گا تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۰)۔

مسٹر جسٹس کارکن امام حسین کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے واقعہ کربلا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ”دنیا میں رستم کانام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گزرے گئے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کانام لینے کے قابل نہیں، چنانچہ اول درجہ میں حسین بن علی ہیں کیونکہ میدان کربلا میں گرم ریت پر اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا ایسا کام کیا ہو، اس کے سامنے رستم کانام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے کسی کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسین کا حال لکھے کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان بہتر بزرگوں کی ثبات قدمی اور تہود و شجاعت اور ہزروں خونخوار سواروں کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہوجانے کے باب میں ایسی مدح کرے جیسی ہونی چاہئے کس کے بس کی بات ہے جو ان پر واقع ہونے والے حالات کا تصور کر سکے، لشکر میں گھر جانے کے بعد سے شہادت تک کے حالات عجیب و غریب قسم کی بہادری کو پیش کرتے ہیں، یہ سچ ہے کہ ایک کی دوا، دو مشہور ہے اور مبالغہ کی یہی حد ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ تم نے چار طرف سے گھیر لیا لیکن حسین اور بہتر تن کو اٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا چار طرف سے یزیدی فوج جو آندھی کی طرح

تیربرسارہی تھی، پانچواں دشمن عرب کی دھوپ، چھٹا دشمن ریگ گرم جوتنور کے ذرات کی مانند لودے رہی تھی، اور ساتواں اور آٹھواں دشمن بھوک اور پیاس جو دغاباز ہمارا ہی کے مانند جان لیوا حرکتیں کر رہے تھے پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزاروں کافروں کا مقابلہ کیا ہواں پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا، ایسے لوگوں سے بہادری میں کوئی فوقیت نہیں رکھتا (تاریخ چین دفتر دوم باب ۱۶ جلد ۲)۔

امام حسین عرش زین سے فرش زمین پر

آپ پر مسلسل وار ہوتے رہے تھے کہ ناگاہ ایک پتھر پیشانی اقدس پر لگا اس کے فوراً بعد ابو الحنفی جعفری ملعون نے جبین مبارک پر تیر مارا آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا اور پوچھنے کے لیے آپ اپنا دامن اٹھانا ہی چاہتے تھے کہ سینہ اقدس پر ایک تیرسہ شعبہ پیوست ہو گیا، جو زہر میں بجھا ہوا تھا اس کے بعد صالح ابن وہب لعین نے آپ کے پہلو پر اپنی پوری طاقت سے ایک نیزہ مارا جس کی تاب نہ لا کر زمین گرم پر داہنے رخسار کے بل گرے، زمین پر گرنے کے بعد آپ پھر کھڑے ہوئے ورعہ ابن شریک لعین نے آپ کے داہنے شانے پر تلوار لگائی اور دوسرے ملعون نے داہنے طرف وار کیا آپ پھر زمین پر گر پڑے، اتنے میں سنان بن انس نے حضرت کے ”ترقوہ“ ہنسلی پر نیزہ مارا اور اس کو کھینچ کر دوسری دفعہ سینہ اقدس پر لگایا، پھر اسی نے ایک تیر حضرت کے گلوئے مبارک پر مارا۔

ان پیہم ضربات سے حضرت کمال بے چینی میں اٹھ بیٹھے اور آپ نے تیر کو اپنے ہاتھوں سے کھینچا اور خون ریش مبارک پر ملا، اس کے بعد مالک بن نسرکندی لعین نے سر پر تلوار لگائی اور درعہ ابن شریک نے شانہ پر تلوار کاوار کیا، حصین بن نمیر نے دہن اقدس پر تیر مارا، ابویوب غنوی نے حلق پر حملہ کیا نصر بن حرشہ نے جسم پر تیر لگائی صالح ابن وہب نے سینہ مبارک پر نیزہ مارا۔

یہ دیکھ کر عمر سعد نے آواز دی اب دیر کیا ہے ان کا سر کاٹ لو، سر کاٹنے کے لیے شیث ابن ربیع بڑھا، امام حسین نے اس کے چہرہ پر نظر کی اس نے حسین کی آنکھوں میں رسول اللہ کی تصویر دیکھی اور کانپ اٹھا، پھر سنان ابن انس آگے بڑھا اس کے جسم میں ریشہ پڑ گیا وہ بھی سر مبارک نہ کاٹ سکا یہ دیکھ کر شمر ملعون نے کہا یہ کام صرف مجھ سے ہو سکتا ہے اور وہ خنجر لیے ہوئے امام حسین کے قریب آکر سینہ مبارک پر سوار ہو گیا آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں شمر ہوں، فرمایا تو مجھے نہیں پہچانتا، اس نے کہا، ”اچھی طرح جانتا ہوں“ تم علی وفاطمہ کے بیٹے اور محمد کے نواسے ہو، آپ نے فرمایا پھر مجھے کیوں ذبح کرتا ہے اس نے جواب دیا اس لیے کہ مجھے یزید کی طرف سے مال و دولت ملے گا (کشف الغمہ ص ۷۹)۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دوستوں کو یاد فرمایا اور سلام آخری کے جملے ادا کئے۔ جب آپ اس کی شقی القلبی کی وجہ سے مایوس ہو گئے تو فرمانے لگے اے شمر مجھے اجازت دیدے کہ میں اپنے خالق کی آخری نماز عصر ادا کر لوں اس

نے اجازت دی آپ سجدہ میں تشریف لے گئے (روضۃ الشہداء ص ۳۷۷) ربیال
 اور شمر نے آپ کے گلو مبارک کو خنجر کے بارہ ضربوں سے قطع کر کے
 سراقدس کونیزہ پر بلند کر دیا حضرت زینب خیمہ سے نکل پڑیں، زمین کانپنے
 لگی، عالم میں تاریکی چھا گئی، لوگوں کے بدن میں کپکپی پڑ گئی، آسمان خون
 کے آنسو رونے لگا جوشفق کی صورت سے رہتی دنیا تک قائم رہے
 گا (صواعق محرقہ ص ۱۱۶) -

اس کے بعد عمر سعد نے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہاتھوں سر مبارک
 کربلا سے کوفہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا (الحسین از عمر بن نصر ص ۱۵۴)
 امام حسین کی سربردگی کے بعد آپ کا لباس لوٹا گیا، اخنس بن مرتد عمامہ لے
 گیا اسحاق ابن حشوہ قمیص، پیرا بن لے گیا، اب حریب کعب پائجامہ لے گیا
 اسود بن خالد نعلین لے گیا عبداللہ ابن اسید کلاہ لے گیا، بجدل بن سلیم انگشتی لے
 گیا قیس بن اشعث پٹکالے لے گیا عمر بن سعد زرہ لے گیا جمیع بن خلق ازدی
 تلوار لے گیا اللہ رے ظلم ایک کمر بند کے لیے جمال معلون نے ہاتھ قطع کر دیا
 ایک انگوٹھی کے لیے بجدل نے انگلی کاٹ ڈالی۔
 اس کے بعد دیگر شہداء کے سر کاٹے گئے اور لاشوں پر گھوڑوے دوڑانے کے
 لیے عمر سعد نے لشکریوں کو حکم دیا دس افراد اس اہم جرم خدائی کے لیے
 تیار ہو گئے جن کے نام یہ ہیں کہ اسحاق بن حویہ، اطنس بن مرثد، حکیم بن
 طفیل، عمرو بن صبیح، رجا بن منقذ، سالم بن خثیمہ صالح بن وہب، واعظ بن تاغم
 ، ہانی مثبت، اسید بن مالک، تواریخ میں ہے کہ ”فداسوا الحسین بحوافر خیلہم

حتیٰ رضواظہرہ و صدرہ “ امام حسین کی لاش کو اس طرح گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا کہ آپ کا سینہ اور آپ کی پشت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی بعض مورخین کا کہنا ہے کہ جب ان لوگوں نے چاہا کہ جسم کو اس طرح پامال کر دیں کہ بالکل ناپید ہو جائے تو جنگل سے ایک شیر نکلا اور اس نے بچالیا (دمعۃ ساکبۃ ص ۳۵۰) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے فوراً بعد وہ مٹی جو رسول خدامدینہ میں ام سلمہ کو دے گئے تھے خون ہو گئی (صواعق محرقہ ۱۱۵) اور رسول خدا، ام سلمہ کے خواب میں مدینے پہنچے ان کی حالت یہ تھی وہ بال بکھرائے ہوئے خاک سر پر ڈالے ہوئے تھے ام سلمہ نے پوچھا کہ آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا ”شہدت قتل الحسین انفا“ میں ابھی ابھی حسین کے قتل گاہ میں تھا اور اپنی آنکھوں سے اسے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا ہے (صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۳۰۶، مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۱۹، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۵۶، ذخائر العقبیٰ ص ۱۴۸)۔

چودہ ستارے

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۱۵ / جمادی الثانی ۳۸ ھ یوم جمعہ بقولے ۱۵ / جمادی الاول ۳۸ ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے (اعلام الوریٰ ص ۱۵۱ و مناقب جلد ۴

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب شہربانوایران سے مدینہ کے لیے روانہ ہو رہی تھیں تو جناب رسالت مآب نے عالم خواب میں ان کا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ پڑھ دیا تھا (جلاء العیون ص ۲۵۶)۔ اور جب آپ وارد مدینہ ہوئیں تو حضرت علی علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کے سپرد کر کے فرمایا کہ یہ وہ عصمت پرور بی بی ہے کہ جس کے بطن سے تمہارے بعد افضل اوصیاء اور افضل کائنات ہونے والا بچہ پیدا ہوگا چنانچہ حضرت امام زین العابدین متولد ہوئے لیکن افسوس یہ ہے کہ آپ اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پانے کا لطف اٹھانہ سکے ”ماتت فی نفاسہا“ آپ کے پیدا ہوتے ہی ”مدت نفاس“ میں جناب شہربانو کی وفات ہو گئی (مقام جلاء العیون)۔ عیون اخبار رضا دمعة ساکبة جلد ۱ ص ۴۲۶)۔

کامل مبردمیں ہے کہ جناب شہربانو، بادشاہ ایران یزدجرد بن شہریار بن شیروہ ابن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں عادل ”کسری“ کی بیٹی تھیں (ارشاد مفید ص ۳۹۱، فصل الخطاب) علامہ طریحی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے شہربانو سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے تو انہوں نے کہا ”شاہ جہاں“ حضرت نے فرمایا نہیں اب ”شہربانو ہے (مجمع البحرین ص ۵۷۰)

نام، کنیت، القاب

آپ کا اسم گرامی ”علی“ کنیت ابو محمد۔ ابو الحسن اور ابو القاسم تھی، آپ کے

لقاب بے شمار تھے جن میں زین العابدین، سید الساجدین، ذوالثفتات، اور سجاد و عابد زیادہ مشہور ہیں (مطالب السؤل ص ۲۶۱، شواہد النبوت ص ۱۷۶، نور الابصار ص ۱۲۶، الفرع النامی نواب صدیق حسن ص ۱۵۸)۔

لقب زین العابدین کی توجیہ

علامہ شبلی نجی کا بیان ہے کہ امام مالک کا کہنا ہے کہ آپ کو زین العابدین کثرت عبادت کی وجہ سے کہا جاتا ہے (نور الابصار ص ۱۲۶)۔ علماء فریقین کا ارشاد ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ایک شب نماز تہجد میں مشغول تھے کہ شیطان اڑدھے کی شکل میں آپ کے قریب آگیا اور اس نے آپ کے پائے مبارک کے انگوٹھے کو منہ میں لے کٹنا شروع کیا، امام جو ہمہ تن مشغول عبادت تھے اور آپ کا رجحان کامل بارگاہ ایزدی کی طرف تھا، وہ ذرا بھی اس کے اس عمل سے متاثر نہ ہوئے اور بدستور نماز میں منہمک و مصروف و مشغول رہے بالآخر وہ عاجز آگیا اور امام نے اپنی نماز بھی تمام کر لی اس کے بعد آپ نے اس شیطان ملعون کو طمانچہ مار کر دور ہٹادیا اس وقت ہاتف غیبی نے انت زین العابدین کی تین بار صدادی اور کہا ہے شک تم عبادت گزاروں کی زینت ہو، اسی وقت آپ کا یہ لقب ہو گیا (مطالب السؤل ص ۲۶۲، شواہد النبوت ص ۱۷۷)۔

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اڑدھے کے دس سر تھے اور اس کے دانت بہت تیز اور اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ مصلیٰ کے قریب سے زمین

پھاڑ کے نکلاتھا (مناقب جلد ۴ ص ۱۰۸) ایک روایت میں اس کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قیامت میں آپ کو اسی نام سے پکارا جائے گا (دمعة ساکبة ص ۴۲۶)۔

لقب سجاد کی توجیہ

ذہبی نے طبقات الحفاظ میں بحوالہ امام محمد باقر علیہ السلام لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو سجاد اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ تقریباً ہر کار خیر پر سجدہ فرمایا کرتے تھے جب آپ خدا کی کسی نعمت کا ذکر کرتے تو سجدہ کرتے جب کلام خدا کی آیت ”سجدہ“ پڑھتے تو سجدہ کرتے جب دوشخصوں میں صلح کراتے تو سجدہ کرتے اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے مواضع سجود پر اونٹ کے گھٹوں کی گھٹے پڑ جاتے تھے پھر انہیں کٹوانا پڑتا تھا۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی نسبی بلندی

نسب اور نسل باپ اور ماں کی طرف سے دیکھے جاتے ہیں، امام علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام حسین اور دادا حضرت علی اور دادی حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کی والدہ جناب شہربانو بنت یزدجرد ابن شہریار ابن کسری ہیں، یعنی آپ حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام کے پوتے اور نوشیروان عادل کے نواسے ہیں، یہ وہ بادشاہ ہے جس کے عہد میں پیدا ہونے پر سرور کائنات نے اظہار مسرت فرمایا ہے، اس

سلسلہ نسب کے متعلق ابوالاسود دوئلی نے اپنے اشعار میں اس کی وضاحت کی ہے کہ اس سے بہتر اور سلسلہ ناممکن ہے اس کا ایک شعریہ ہے۔

وان	غلاما	بین	کسری	وہاشم
لاکرم	من	ینطت	علیہ	التمائم

اس فرزند سے بلند نسب کوئی اور نہیں ہو سکتا جو نوشیرواں عادل اور فخر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ کے دادا ہاشم کی نسل سے ہو (اصول کافی ص ۲۵۵)۔

شیخ سلیمان قندوزی اور دیگر علماء اہل اسلام لکھتے ہیں کہ نوشیرواں کے عدل کی برکت تو دیکھو کہ اسی کی نسل کو آل محمد کے نور کی حامل قرار دیا اور ائمہ طاہرین کی ایک عظیم فرد کو اس لڑکی سے پیدا کیا جو نوشیرواں کی طرف منسوب ہے، پھر تحریر کرتے ہیں کہ امام حسین کی تمام بیویوں میں یہ شرف صرف جناب شہربانو کو نصیب ہو جو حضرت امام زین العابدین کی والدہ ماجدہ ہیں (ینابیع المودۃ ص ۳۱۵، وفصل الخطاب ص ۲۶۱)۔ علامہ عبید اللہ بحوالہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جناب شہربانو شاہان فارس کے آخری بادشاہ یزدجرد کی بیٹی تھیں اور آپ ہی سے امام زین العابدین متولد ہوئے ہیں جن کو ”ابن الخیرتین“ کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں میں سے دو گروہ عرب

اور عجم کو بہترین قرار دیا ہے اور میں نے عرب سے قریش اور عجم سے فارس کو منتخب کر لیا ہے ، چونکہ عرب اور عجم کا اجتماع امام زین العابدین میں ہے اسی لیے آپ کو ”ابن الخیرتین“ سے یاد کیا جاتا ہے (ارجح المطالب ص ۴۳۴)۔
علاہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب شہربانو کو ”سیدۃ النساء“ کہا جاتا ہے (مناقب جلد ۴ ص ۱۳۱)۔

امام زین العابدین کے بچپن کا ایک واقعہ

علامہ مجلسی رقمطراز ہیں کہ ایک دن امام زین العابدین جب کہ آپ کا بچپن تھا بیمار ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ”بیٹا“ اب تمہاری طبیعت کیسی ہے اور تم کوئی چیز چاہتے ہو تو بیان کرو تاکہ میں تمہاری خواہش کے مطابق اسے فراہم کرنے کی سعی کروں آپ نے عرض کیا باباجان اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں میری خواہش صرف یہ ہے کہ خداوند عالم میرا شمار ان لوگوں میں کرے جو پروردگار عالم کے قضا و قدر کے خلاف کوئی خواہش نہیں رکھتے ، یہ سن کر امام حسین علیہ السلام خوس و مسرور ہو گئے اور فرمانے لگے بیٹا، تم نے بڑا مسرت افزا اور معرفت خیز جواب دیا ہے تمہارا جواب بالکل حضرت ابراہیم کے جواب سے ملتا جلتا ہے ، حضرت ابراہیم کو جب منجیق میں رکھ کر آگی طرف پھینکا گیا تھا اور آپ فضا میں ہوتے ہوئے آگ کی طرف جارہے تھے تو حضرت جبرئیل نے آپ سے پوچھا ”ہل لک حاجة“ آپ کی کوئی حاجت و خواہش ہے اس وقت انہوں نے جواب دیا تھا ”نعم

امالیک فلا“ بے شک مجھے حاجت ہے لیکن تم سے نہیں اپنے پالنے والے سے ہے (بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۲۱ طبع ایران)۔

آپ کے عہد حیات کے بادشاہان وقت

آپ کی ولادت بادشاہ دین و ایمان حضرت علی علیہ السلام کے عہد عصمت مہم میں ہوئی پھر امام حسن علیہ السلام کا زمانہ رہا پھر بنی امیہ کی خالص دنیاوی حکومت ہو گئی، صلح امام حسن کے بعد سے ۶۰ ھ تک معاویہ بن ابی سفیان بادشاہ رہا، اس کے بعد اس کا فاسق و فاجر بیٹا یزید ۶۴ ھ تک حکمران رہا ۶۴ ھ میں معاویہ بن یزید ابن معاویہ اور مروان بن حکم حاکم رہے ۶۵ ھ سے ۸۶ ھ تک عبدالملک بن مروان حاکم اور بادشاہ رہا پھر ۸۶ ھ سے ۹۶ ھ تک ولید بن عبدالملک نے حکمرانی کی اور اسی نے ۹۵ ھ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو زبردگاسے شہید کر دیا (تاریخ ائمہ ۳۹۲، وصواعق محرقہ ص ۱۲، نور الابصار ص ۱۲۸)۔

امام زین العابدین کا عہد طفولیت اور حج بیت اللہ

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن اوہم کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے جاتا ہوا قضاے حاجت کی خاطر قافلہ سے پیچھے رہ گیا ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ایک نوعمر لڑکے کو اس جنگل میں سفر پیمادیکھا اسے دیکھ کر پھر ایسی حالت میں کہ وہ پیدل چل رہا تھا اور اس کے ساتھ کوئی سامان نہ تھا اور نہ اس کا کوئی ساتھی تھا، میں حیران

ہو گیا فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا ”صاحبزادے“ یہ لق
 ودق صحرا اور تم بالکل تنہا، یہ معاملہ کیا ہے، ذرا مجھے بتاؤ تو سہی کہ
 تمہارا زادراہ اور تمہارا راحلہ کہاں ہے اور تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نوخیز نے
 جواب دیا ”زادی تقویٰ و راحلتی رجلاء و قصدی مولای“ میرا زادراہ تقویٰ
 اور پریزگاری ہے اور میری سواری میرے دونوں پیڑیوں اور میرا مقصد
 میرا پالنے والا ہے اور میں حج کے لئے جا رہا ہوں، میں نے کہا کہ آپ تو بالکل
 کمن ہیں حج تو ابھی آپ پر واجب نہیں ہے اس نوخیز نے جواب دیا ہے شک
 تمہارا کہنا درست ہے لیکن اے شیخ میں دیکھا کرتا ہوں کہ مجھ سے چھوٹے
 بچے بھی مرجاتے ہیں اس لیے حج کو ضروری سمجھتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ
 ہو کہ اس فریضہ کی ادائیگی سے پہلے مر جاؤں میں نے پوچھا اے صاحبزادے
 تم نے کھانے کا کیا انتظام کیا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھ کھانے
 کا بھی کوئی معقول انتظام نہیں ہے، اس نے جواب دیا اے شیخ کیا جب تم نے
 کسی کے یہاں مہمان جاتے ہو تو کھانا اپنے ہمراہ لے جاتے ہو؟ میں نے کہا نہیں
 پھر اس نے فرمایا سنو میں تو خدا کا مہمان ہو کر جا رہا ہوں کھانے کا انتظام اس
 کے ذمہ ہے میں نے کہا اتنے لمبے سفر کو پیدل کیوں کر طے کرو گے اس نے
 جواب دیا کہ میرا کام کوشش کرنا ہے اور خدا کا کام منزل مقصود پہنچانا ہے۔
 ہم ابھی باہمی گفتگو ہی میں مصروف تھے کہ ناگاہ ایک خوبصورت جوان
 سفید لباس پہنے ہوئے آپہنچا اور اس نے اس نوخیز کو گلے سے لگالیا، یہ دیکھ
 کر میں نے اس جوان رعنا سے دریافت کیا کہ یہ نوعمر فرزند کون ہے؟ اس

نوجوان نے کہا کہ یہ حضرت امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب ہیں، یہ سن کر میں اس جوان رعنا کے پاس سے امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت خواہی کے بعد ان سے پوچھا کہ یہ خوبصورت جوان جنہوں نے آپ کو گلے سے لگایا یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر نبی ہیں ان کا فرض ہے کہ روزانہ ہماری زیارت کے لیے آیا کریں اس کے بعد میں نے پھر سوال کیا اور کہا کہ آخر آپ اس طویل اور عظیم سفر کو بلا زاد اور راحلہ کیونکہ طے کریں گے تو آپ نے فرمایا کہ میں زاد اور راحلہ سب کچھ رکھتا ہوں اور وہ یہ چار چیزیں ہیں :

- ۱ - دنیا اپنی تمام موجودات سمیت خدا کی مملکت ہے۔
- ۲ - ساری مخلوق اللہ کے بندے اور غلام ہیں۔ ۳ - اسباب اور ارزاق خدا کے ہاتھ میں ہے۔
- ۴ - قضائے خدا پر زمین میں نافذ ہے۔

یہ سن کر میں نے کہا خدا کی قسم آپ ہی کا زاد اور راحلہ صحیح طور پر مقدس ہستیوں کا سامان سفر ہے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۴۳۷) علماء کا بیان ہے کہ آپ نے ساری عمر میں ۲۵ حج پایادہ کئے ہیں آپ نے سواری پر جب بھی سفر کیا ہے اپنے جانور کو ایک کوڑا بھی نہیں مارا

آپ کا حلیہ مبارک

امام شبلی لکھتے ہیں کہ آپ کا رنگ گندم گوں (سانولا) اور قدمیانہ تھا آپ

نحیف اور لاغر قسم کے انسان تھے (نور الابصار ص ۱۲۶ ، اخبار الاول ص ۱۰۹) -

ملا مبین تحریر فرماتے ہیں کہ آپ حسن و جمال ، صورت و کمال میں نہایت ہی ممتاز تھے ، آپ کے چہرہ مبارک پر جب کسی کی نظر پڑتی تھی تو وہ آپ کا احترام کرنے اور آپ کی تعظیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا (وسيلة النجات ص ۲۱۹) محمد بن طلحہ شافعی رقمطراز ہیں کہ آپ صاف کپڑے پہنتے تھے اور جب راستہ چلتے تھے تو نہایت خشوع کے ساتھ راہ روی میں آپ کے ہاتھ زانوسے باہر نہیں جاتے تھے (مطالب السؤل ص ۲۶۴، ۲۲۶) -

حضرت امام زین العابدین کی شان عبادت

جس طرح آپ کی عبادت گزاری میں پیروی ناممکن ہے اسی طرح آپ کی شان عبادت کی رقم طرازی بھی دشوار ہے ایک وہ ہستی جس کا مطمع نظر معبود کی عبادت اور خالق کی معرفت میں استغراق کامل ہو اور جو اپنی حیات کا مقصد اطاعت خداوندی ہی کو سمجھتا ہو اور علم و معرفت میں حد درجہ کمال رکھتا ہو اس کی شان عبادت کی سطح قرطاس پر کیونکر لایا جاسکتا ہے اور زبان قلم میں کس طرح کامیابی حاصل کر سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کی بے انتہا کابش و کاوش کے باوجود آپ کی شان عبادت کا مظاہرہ نہیں ہو سکا ”قد بلغ من العبادة ما لم يبلغه احد“ آپ عبادت کی اس منزل پر فائز تھے جس پر کوئی بھی فائز نہیں ہوا (دمعہ ساکبہ ص ۴۳۹) -

اس سلسلہ میں ارباب علم اور صاحبان قلم جو کچھ کہہ اور لکھ سکے ہیں ان میں سے بعض واقعات و حالات یہ ہیں :

آپ کی حالت وضو کے وقت

وضو نماز کے لیے مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے ، اور اسی پر نماز کا دار و مدار ہوتا ہے ، امام زین العابدین علیہ السلام جس وقت مقدمہ نماز یعنی وضو کا ارادہ فرماتے تھے آپ کے رگ و پے میں خوف خدا کے اثرات نمایاں ہوجاتے تھے ، علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جب آپ وضو کا قصد فرماتے تھے اور وضو کے لیے بیٹھتے تھے تو آپ کے چہرہ مبارک کارنگ زرد ہوجایا کرتا تھا یہ حالت بار بار دیکھنے کے بعد ان کے گھروالوں نے پوچھا کہ بوقت وضو آپ کے چہرہ کارنگ زرد کیوں پڑجایا کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرا تصور کامل اپنے خالق و معبود کی طرف ہوتا ہے اس لیے اس کی جلالت کے رعب سے میرا یہ حال ہوجایا کرتا ہے (مطالب السؤل ص ۲۶۲)۔

عالم نماز میں آپ کی حالت

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کو عبادت گزاروں میں امتیاز کامل حاصل تھا رات بھر جاگنے کی وجہ سے آپ کا سارا بدن زرد ہا کرتا تھا اور خوف خدا میں روتے روتے آپ کی آنکھیں پھول جیا کرتی تھیں اور نماز میں کھڑکھڑے آپ کے پاؤں سوج جیا کرتے تھے (اعلام الوری ص ۱۵۳) اور پیشانی پر گھٹے

رہا کرتے تھے اور آپ کی ناک کاسرا زخمی رہا کرتا تھا (دمعہ ساکبہ ص ۴۳۹)

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جب آپ نماز کے لیے مصلی پر کھڑے ہوا کرتے تھے تو لرزہ براندام ہوجایا کرتے تھے لوگوں نے بدن میں کپکپی اور جسم مینتھرتھری کاسبب پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت خدا کی بارگاہ میں ہوتا ہوں اور اس کی جلالت مجھے از خود رفتہ کر دیتی ہے اور مجھ پر ایسی حالت طاری کر دیتی ہے (مطالب السؤل ص ۲۲۶)۔ ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ نماز میں مشغول تھے اہل محلہ اور گھروالوں نے بے حد شور مچایا اور حضرت کو پکارا حضور آگ لگی ہوئی ہے مگر آپ نے سر نیاز سجدہ بے نیاز سے نہ اٹھایا، آگ بجھادی گئی اختتام نماز پر لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور آگ کا معاملہ تھا ہم نے اتنا شور مچایا لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔

آپ نے ارشاد فرمایا ”ہاں“ مگر جہنم کی آگ کے ڈر سے نماز توڑ کر اس آگ کی طرف متوجہ نہ ہوسکا (شواہد النبوت ص ۱۷۷)۔

علامہ شیخ صبان مالکی لکھتے ہیں کہ جب آپ وضو کے لیے بیٹھتے تھے تب ہی سے کانپنے لگتے تھے اور جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپ خوف خدا سے لاغر ہوجانے کی وجہ سے گر کر بے ہوش ہوجایا کرتے تھے (اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار ۲۰۰)۔

ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام نماز شب سفر و حضر دونوں میں پڑھا کرتے تھے اور کبھی اسے قضا نہیں ہونے دیتے

تھے (مطالب السؤل ص ۲۶۳) -

علامہ محمدباقر بحوالہ بحار الانوار تحریر فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام ایک دن نماز میں مصروف و مشغول تھے کہ امام محمدباقر علیہ السلام کنوئیں میں گرپڑے بچہ کے گہرے کنوئیں میں گرنے سے ان کی ماں بے چین ہو کر رونے لگیں اور کنوئیں کے گرد پیٹ پیٹ کر چکر لگانے لگیں اور کہنے لگیں ،ابن رسول اللہ محمدباقر غرق ہو گئے امام زین العابدین نے بچے کے کنوئیں میں گرنے کی کوئی پرواہ نہ کی اور اطمینان سے نماز تمام فرمائی اس کے بعد آپ کنوئیں کے قریب آئے اور اگر پانی کی طرف دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر بلارسی کے گہرے کنوئیں سے بچے کو نکال لیا بچہ ہنستا ہوا برآمد ہوا، قدرت خداوندی دیکھیے اس وقت بہ بچے کے کپڑے بھیگے تھے اور نہ بدن تر تھا (دمعہ ساکبہ ص ۴۳۰ ، مناقب جلد ۴ ص ۱۰۹) -

امام شبلیجی تحریر فرماتے ہیں کہ طاؤس راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب حجر اسود کے قریب جا کر دیکھا کہ امام زین العابدین بارگاہ خالق میں سجدہ ریزی کر رہے ہیں ،میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا میں نے دیکھا کہ آپ نے ایک سجدہ کو بے حد طول دیدیا ہے یہ دیکھ کر میں نے کان لگایا تو سنا کہ آپ سجدہ میں فرماتے ہیں ”عبدک بفنائک مسکینک بفنائک سائلک بفنائک فقیرک بفنائک “ یہ سن کر میں نے بھی انہیں کلمات کے ذریعہ سے دعائمانگی فوراً قبول ہوئی (نور الابصار ص ۱۲۶ طبع مصر، ارشاد مفید ص ۲۹۶) -

امام زین العابدین کی شبانہ روز ایک ہزار رکعتیں

علماء کا بیان ہے کہ آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے (صواعق محرقة ص ۱۱۹، مطالب السؤل ۲۶۷)۔
چونکہ آپ کے سجدوں کا کوئی شمار نہ تھا اسی لیے آپ کے اعضائے سجود ”ثغنه بعیر“ کے گھٹے کی طرح ہوجایا کرتے تھے اور سال میں کئی مرتبہ کاٹے جاتے تھے (الفرع النامی ص ۱۵۸، دمعہ ساکبہ کشف الغمہ ص ۹۰)۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ کے مقامات سجود کے گھٹے سال میں دوبار کاٹے جاتے تھے اور ہر مرتبہ پانچ تہ نکلتی تھی (بحار الانوار جلد ۲ ص ۳) علامہ دمیری مورخ ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دمشق میں حضرت امام زین العابدین کے نام سے موسم ایک مسجد ہے جسے ”جامع دمشق“ کہتے ہیں (حیوۃ الحيوان جلد ۱ ص ۱۲۱)۔

امام زین العابدین علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہونے سے پہلے

اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ امام بطن مادر سے امامت کی تمام صلاحیتوں سے بھرپور آتا ہے تاہم فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری اسی وقت ہوتی ہے جب وہ امام زمانہ کی حیثیت سے کام شروع کرے یعنی ایسا وقت آجائے جب کائنات ارضی پر کوئی بھی اس سے افضل و اعلم برتر و اکمل نہ ہو، امام زین العابدین اگرچہ وقت ولادت ہی سے امام تھے لیکن فرائض کی ادائیگی کی ذمہ

داری آپ پر اس وقت عائد ہوئی جب آپ کے والد ماجد حضرت امام حسین علیہ السلام درجہ شہادت پر فائز ہو کر حیات ظاہری سے محروم ہو گئے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی ولادت ۳۸ ھ میں ہوئی جبکہ حضرت علی علیہ السلام امام زمانہ تھے دو سال ان کی ظاہری زندگی میں آپ نے حالت طفولیت میں ایام حیات گزارے پھر ۵۰ ھ تک امام حسین علیہ السلام کا زمانہ رہا پھر عاشوراء، ۱۶ ھ تک امام حسین علیہ السلام فرائض امامت کی انجام دہی فرماتے رہے عاشور کی دوپہر کے بعد سے ساری ذمہ داری آپ پر عائد ہو گئی اس عظیم ذمہ داری سے قبل کے واقعات کاپتہ صراحت کے ساتھ نہیں ملتا، البتہ آپ کی عبادت گزار اور آپ کے اخلاقی کارنامے بعض کتابوں میں ملتے ہیں بہر صورت حضرت علی علیہ السلام کے آخری ایام حیات کے واقعات اور امام حسن علیہ السلام کے حالات سے متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے پھر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تو ۲۳ - ۲۲ سال گزارے تھے یقیناً امام حسین علیہ السلام کے جملہ معاملات میں آپ نے بڑے بیٹے کی حیثیت سے ساتھ دیا ہی ہوگا لیکن مقصد حسین کے فروغ دینے میں آپ نے اپنے عہد امامت کے آغاز ہونے پر انتہائی کمال کر دیا۔

واقعہ کربلا کے سلسلہ میں امام زین العابدین کا شاندار کردار

۲۸ / رجب ۶۰ ھ کو آپ حضرت امام حسین کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے چار ماہ قیام کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر ۲ / محرم

الحرام کو وارد کر بلا ہوئے، وہاں پہنچتے ہی یا پہنچنے سے پہلے آپ علیہ السلام کی شہادت کے وقت تک اس قابل نہ ہوسکے کہ میدان میں جا کر درجہ شہادت حاصل کرتے، تاہم فراہم موقع پر آپ نے جذبات نصرت کو بروئے کار لانے کی سعی کی جب کوئی آواز استغاثہ کان کان میں آئی آپ اٹھ بیٹھے اور میدان کارزار میں شدت مرض کے باوجود جا پہنچنے کی سعی بلیغ کی، امام کے استغاثہ پر تو آپ خیمہ سے بھی نکل آئے اور ایک چوب خیمہ لے کر میدان کا عزم کر دیا، ناگاہ امام حسین کی نظر آپ پر پڑ گئی اور انہوں نے جنگاہ سے بقولے حضرت زینب کو آواز دی ”بہن سید سجاد کو روکو ورنہ نسل رسول کا خاتمہ ہو جائے گا“ حکم امام سے زینب نے سید سجاد کو میدان میں جانے سے روک لیا یہی وجہ ہے کہ سیدوں کا وجود نظر آرہا ہے اگر امام زین العابدین علیہ السلام ہو کر شہید ہونے سے نہ بچ جاتے تو نسل رسول صرف امام محمد باقر میں محدود رہ جاتی، امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ مرض اور علالت کی وجہ سے آپ درجہ شہادت پر فائز نہ ہوسکے (نور الابصار ص ۱۲۶)۔

شہادت امام حسین کے بعد جب خیموں میں آگ لگائی گئی تو آپ انہیں خیموں میں سے ایک خیمہ مینب دستور پڑے ہوئے تھے، ہماری ہزار جانیوں قربان ہو جائیں، حضرت زینب پر کہ انہوں نے اہم فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں سب سے پہلا فریضہ امام زین العابدین علیہ السلام کے تحفظ کا ادا فرمایا اور امام کو بچالیا الغرض رات گزارا اور صبح نمودار ہوئی، دشمنوں نے امام

زین العابدین کو اس طرح جھنجوڑا کہ آپ اپنی بیماری بھول گئے آپ سے کہہ گیا کہ ناقوں پر سب کو سوار کرو اور ابن زیاد کے دربار میں چلو، سب کو سوار کرنے کے بعد آل محمد کا ساربان پھوپھیوں، بہنوں اور تمام مخدرات کو لئے ہوئے داخل دربار ہوا حالت یہ تھی کہ عورتیں اور بچے رسیوں میں بندھے ہوئے اور امام لوہے میں جکڑے ہوئے دربار میں پہنچ گئے آپ چونکہ ناقہ کی برہنہ پشت پر سنبھل نہ سکتے تھے اس لیے آپ کے پیروں کو ناقہ کی پشت سے باندھ دیا گیا تھا دربار کوفہ میں داخل ہونے کے بعد آپ اور مخدرات عصمت قیدخانہ میں بند کر دیئے گئے، سات روز کے بعد آپ سب کو لیے ہوئے شام کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۹ منزلیں طے کر کے تقریباً ۳۶/ یوم میں وہاں پہنچے کامل بھائی میں ہے کہ ۱۶/ ربیع الاول ۶۱ ھء کو بدھ کے دن آپ دمشق پہنچے ہیں اللہ رے صبر امام زین العابدین بہنوں اور پھوپھیوں کا ساتھ اور لب شکوہ پرسکوت کی مہر -

حدود شام کا ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی، پیروں میں بیڑی اور گلے میں خاردار طوق آہنی پڑا ہوا تھا اس پر مستزاد یہ کولوگ آپ برسارہے تھے اسی لیے آپ نے بعد واقعہ کر بلا ایک سوال کے جواب میں ”الشام الشام الشام“ فرمایا تھا (تحفہ حسینہ علامہ بسطامی)۔

شام پہنچنے کے کئی گھنٹوں یادوں کے بعد آپ آل محمد کو لیے ہوئے سرہائے شہدا سمیت داخل دربار ہوئے پھر قیدخانہ میں بند کر دیئے گئے تقریباً ایک سال قید کی مشقتیں جھیلیں۔

قیدخانہ بھی ایساتھاکہ جس میں تمازت آفتابی کی وجہ سے ان لوگوں کے چہروں کی کھالیں متغیر ہو گئی تھیں (لہوف) مدت قید کے بعد آپ سب کو لیے ہوئے ۲۰ / صفر ۶۲ ھ کو وارد ہوئے آپ کے ہمراہ سر حسین بھی کر دیا گیا تھا، آپ نے اسے اپنے پدر بزرگوار کے جسم مبارک سے ملحق کیا (ناسخ تواریخ)۔ ۸ / ربیع الاول ۶۲ ھ کو آپ امام حسین کا لٹا ہوا قافلہ ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، وہاں کے لوگوں نے آہ وزاری اور کمال رنج و غم سے آپ کا استقبال کیا۔ ۱۵ شبانہ و روز نوحہ و ماتم ہوتا رہا (تفصیلی واقعات کے لیے کتب مقاتل و سیر ملاحظہ کی جائیں۔

اس عظیم واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ زینب کے بال اس طرح سفید ہو گئے تھے کہ جاننے والے انہیں پہچان نہ سکے (احسن القصص ص ۱۸۲ طبع نجف) رباب نے سایہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا امام زین العابدین تاحیات گریہ فرماتے رہے (جلاء العیون ص ۲۵۶) اہل مدینہ یزید کی بیعت سے علیحدہ ہو کر باغی ہو گئے بالآخر واقعہ حرہ کی نوبت آگئی۔

واقعہ کربلا اور حضرت امام زین العابدین کے خطبات

معرکہ کربلا کی غم آگین داستان تاریخ اسلام ہی نہیں تاریخ عالم کا افسوسناک سانحہ ہے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اول سے آخر تک اس ہوش ربا اور روح فرسا واقعہ میں اپنے باپ کے ساتھ رہے اور باپ کی شہادت کے بعد خود اس المیہ کے ہیرو بنے اور پھر جب تک زندہ رہے اس سانحہ کا ماتم

کرتے رہے -
 ۱۰ / محرم ۶۱ ھء کا واقعہ یہ اندوہناک حادثہ جس میں ۱۸ / بنی ہاشم
 اور بہتر اصحاب و انصار کام آئے حضرت امام زین العابدین کی مدت
 العمر گھلاتا رہا اور مرتے دم تک اس کی یاد فراموش نہ ہوئی اور اس کا صدمہ
 جانکاه دور نہ ہوا، آپ یوں تو اس واقعہ کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ رہے
 مگر لطف زندگی سے محروم ہرے اور کسی نے آپ کو بشاش اور فرحناک نہ
 دیکھا، اس جانکاه واقعہ کربلا کے سلسلہ میں آپ نے جو جاہجاہت
 ارشاد فرمائے ہیں ان کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

کوفہ میں آپ کا خطبہ

کتاب لہوف ص ۶۸ میں ہے کہ کوفہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدین نے
 لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، سب خاموش ہو گئے، آپ کھڑے ہوئے
 خدا کی حمد و ثناء کی، حضرت نبی کا ذکر کیا، ان پر صلوات بھیجی
 پھر ارشاد فرمایا اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے جو نہیں جانتا
 اسے میں بتاتا ہوں میں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہوں، میں اس
 کافر زندہوں جس کی بے حرمتی کی گئی جس کا سامان لوٹا گیا جس کے اہل
 و عیال قید کر دیئے گئے میں اس کافر زندہوں جو ساحل فرات پر ذبح
 کر دیا گیا، اور بغیر کفن و دفن چھوڑ دیا گیا اور (شہادت حسین) ہمارے فخر کے لیے
 کافی ہے اے لوگو! تمہارا برابر ہو کہ تم نے اپنے لیے ہلاکت کا سامان مہیا کر لیا،

تمہاری رائیں کس قدر بری ہیں تم کن آنکھوں سے رسول صلعم کو دیکھو گے جب رسول صلعم تم سے باز پرس کریں گے کہ تم لوگوں نے میری عترت کو قتل کیا اور میرے اہل حرم کو ذلیل کیا ”اس لیے تم میری امت میں نہیں۔“

مسجد دمشق (شام) میں آپ کا خطبہ

مقتل ابی مخنف ص ۱۳۵، بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۳۳، ریاض القدس جلد ۲ ص ۳۲۸، اور روضة الاحباب وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اہل حرم سمیت دربار یزید میں داخل کئے گئے اور ان کو منبر پر جانے کا موقع ملا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور انبیاء کی طرح شیریں زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ خطبہ ارشاد فرمایا : اے لوگو! تم سے جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے، اور جو نہیں پہچانتا میں اسے بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ سنو، میں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہوں، میں اس کافر زندہوں جس نے حج کئے ہیں اس کافر زندہوں جس نے طواف کعبہ کیا ہے اور سعی کی ہے، میں پسر زمزم و صفا ہوں، میں فرزند فاطمہ زہرا ہوں، میں اس کافر زندہ جس پس گردن سے ذبح کیا گیا، میں اس پیاسے کافر زندہ ہوں جو پیاسا ہی دنیا سے اٹھا، میں اس کافر زندہوں جس پر لوگوں نے پانی بند کر دیا، حالانکہ تمام مخلوقات پر پانی کو جائز قرار دیا، میں محمد مصطفیٰ صلعم کافر زندہوں، میں اس کافر زندہوں جو کربلا میں شہید کیا گیا، میں اس کافر زندہوں جس کے انصار زمین میں آرام کی

نیندسو گئے میں اسکا پسرہوں جس کے اہل حرم قید کردئے گئے میں اس کافر زندہوں جس کے بچے بغیر جرم و خطا ذبح کر ڈالے گئے ، میں اس کابیٹا ہوں جس کے خیموں میں آگ لگادی گئی، میں اس کافر زندہوں جس کاسرنوک نیزہ پر بلند کیا گیا، میں اس کافر زندہوں جس کے اہل حرم کی کربلا مینبے حرمتی کی گئی، میں اس کافر زندہوں جس کاجسم کربلا کی زمین پر چھوڑ دیا گیا اور سردوسرے مقامات پر نوک نیزہ پر بلند کر کے پھرایا گیا میں اس کافر زندہوں جس کے اردگرد سوائے دشمن کے کوئی اور نہ تھا، میں اس کافر زندہوں جس کے اہل حرم کو قید کر کے شام تک پھرایا گیا، میں اس کافر زندہوں جو بے یار و مددگار تھا۔

پہرا امام علیہ السلام نے فرمایا لوگو! خدانے ہم کو پانچ فضیلت بخشی ہیں :
 ۱ - خدا کی قسم ہمارے ہی گھر میں فرشتوں کی آمدورفت رہی اور ہم ہی معدن نبوت و رسالت ہیں۔

۲ - ہماری شان میں قرآن کی آیتیں نازل کیں، اور ہم نے لوگوں کی ہدایت کی۔
 ۳ - شجاعت ہمارے ہی گھر کی کنیز ہے، ہم کبھی کسی کی قوت و طاقت سے نہیں ڈرے اور فصاحت ہمارا ہی حصہ ہے، جب فصحاء فخر و مباہات کریں۔
 ۴ - ہم ہی صراط مستقیم اور ہدایت کا مرکز ہیں اور اس کے لیے علم کا سرچشمہ ہیں جو علم حاصل کرنا چاہے اور دنیا کے مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے۔

۵ - ہمارے ہی مرتبے آسمانوں اور زمینوں میں بلند ہیں، اکرم نہ ہوتے

تو خدا دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا، ہر فخر ہمارے فخر کے سامنے پست ہے، ہمارے دوست (روز قیامت) سیروسیراب ہوں گے اور ہمارے دشمن روز قیامت بدبختی میں ہوں گے۔

جب لوگوں نے امام زین العابدین کا کلام سننا تو چینخ مار کر رونے اور پیٹنے لگے اور ان کی آوازیں بے ساختہ بلند ہونے لگیں یہ حال دیکھ کر یزید گھبرا اٹھا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس نے اس کے رد عمل میں فوراً موذن کو حکم دیا (کہ اذان شروع کر کے) امام کے خطبہ کو منقطع کر دے،
موذن (گلدستہ اذان پر گیا) _

اور کہا ”اللہ اکبر“ (خدا کی ذات سب سے بزرگ و برتر ہے) امام نے فرمایا تو نے ایک بڑی ذات کی بڑائی بیان کی اور ایک عظیم الشان ذات کی عظمت کا اظہار کیا اور جو کچھ کہا ”حق“ ہے پھر موذن نے کہا ”اشہد ان لا اله الا الله (میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) امام نے فرمایا میں بھی اس مقصد کی ہر گواہ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں اور ہر انکار کرنے والے کے خلاف اقرار کرتا ہوں۔

پھر موذن نے کہ ”اشہدان محمد رسول الله“ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں) فبکی علی، یہ سن کر حضرت علی ابن الحسین روپڑے اور فرمایا اے یزید میں تجھ سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتا حضرت محمد مصطفیٰ میرے نانا تھے یا تیرے، یزید نے کہا آپ کے، آپ نے فرمایا، پھر کیوں تو نے ان کے اہلبیت کو شہید کیا، یزید نے کوئی جواب نہ

دیا اور اپنے محل میں یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ ”لا حاجة لي بالصلوة“ مجھے نماز سے کوئی واسطہ نہیں، اس کے بعد منہال بن عمر کھڑے ہو گئے اور کہا فرزند رسول آپ کا کیا حال ہے، فرمایا اے منہال ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جس کا باپ (نہایت بے دردی سے) شہید کر دیا گیا ہو، جس کے مددگار ختم کر دیئے گئے ہوں جو اپنے چاروں طرف اپنے اہل حرم کو قیدی دیکھ رہا ہو، جن کا نہ پردہ رہ گیا نہ چادریں رہ گئیں، جن کا نہ کوئی مددگار ہے نہ حامی، تم تو دیکھ رہے ہو کہ میں مقید ہوں، ذلیل و رسوا کیا گیا ہوں، نہ کوئی میرا ناصر ہے، نہ مددگار، میں اور میرے اہل بیت لباس کہنہ میں ملبوس ہیں ہم پر نئے لباس حرام کر دیئے گئے ہیں اب جو تم میرا حال پوچھتے ہو تو مینتمہارے سامنے موجود ہوں تم دیکھ ہی رہے ہو، ہمارے دشمن ہمیں برا بھلا کہتے ہیں اور ہم صبح وشام موت کا انتظار کرتے ہیں۔

پھر فرمایا عرب و عجم اس پر فخر کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ان میں سے تھے، اور قریش عرب پر اس لیے فخر کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم قریش میں سے تھے اور ہم ان کے اہلبیت ہیں لیکن ہم کو قتل کیا گیا، ہم پر ظلم کیا گیا، ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے اور ہم کو قید کر کے دربدر پھرایا گیا، گویا ہمارا حسب بہت گرا ہوا ہے اور ہمارا نسب بہت ذلیل ہے، گویا ہم عزت کی بلندیوں پر نہیں چڑھے اور بزرگوں کے فرش پر جلوہ افروز نہیں ہوئے آج گویا تمام ملک یزید اور اس کے لشکر کا ہو گیا اور آل مصطفیٰ صلعم یزید کی ادنیٰ غلام ہو گئی ہے، یہ سننا تھا کہ ہر طرف سے رونے پینٹنے

کی

صدائیں

بلند ہوئیں۔

یزید بہت خائف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس نے اس شخص سے کہا جس نے امام کو منبر پر تشریف لے جانے کے لیے کہا تھا ”و یحک اردت بصعودہ زوال ملکى“ تیرا براہوتوان کو منبر پر بٹھا کر میری سلطنت ختم کرنا چاہتا ہے اس نے جواب دیا، بخدا میں یہ نہ جانتا تھا کہ یہ لڑکا اتنی بلند گفتگو کرے گا یزید نے کہا کیا تو نہیں جانتا کہ یہ اہلبیت نبوت اور معدن رسالت کی ایک فرد ہے، یہ سن کر موذن سے نہ رہا گیا اور اس نے کہا ایسے یزید ”اذا کان کذالک فلما قتلت اباہ“ جب تو یہ جانتا تھا تو تو نے ان کے پدر بزرگوار کو کیوں شہید کیا، موذن کی گفتگو سن کر یزید برہم ہو گیا، ”فامر بضرب عنقہ“ اور موذن کی گردن مار دینے کا حکم دیدیا۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ کا خطبہ

مقتل ابی مخنف ص ۸۸ میں ہے (ایک سال تک قید خانہ شام کی صعوبت برداشت کرنے کے بعد جب اہل بیت رسول کی رہائی ہوئی اور یہ قافلہ کربلا ہوتا ہوا مدینہ کی طرف چلا تو قریب مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا، سب کے سب خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا:

حداس خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے، روز جزاء کا مالک ہے، تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے جو اتنا دور ہے کہ بلند آسمان سے بھی بلند ہے

اور اتنا قریب ہے کہ سامنے موجود ہے اور ہماری باتوں کا سنتا ہے، ہم خدا کی تعریف کرتے ہیں اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں عظیم حادثوں، زمانے کی ہولناک گردشوں، دردناک غموں، خطرناک آفتوں، شدید تکلیفوں، اور قلب و جگر کو ہلا دینے والی مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت اے لوگو! خدا اور صرف خدا کے لیے حمد ہے، ہم بڑے بڑے مصائب میں مبتلا کئے گئے، دیوار اسلام میں بہت بڑا رخنہ (شگاف) پڑ گیا، حضرت ابو عبد اللہ الحسین اور ان کے اہل بیت شہید کر دیے گئے، ان کی عورتیں اور بچے قید کر دیے گئے اور (لشکر یزید نے) ان کے سر ہائے مبارک کو بلند نیزوں پر رکھ کر شہروں میں پھرایا، یہ وہ مصیبت ہے جس کے برابر کوئی مصیبت نہیں، اے لوگو! تم سے کون مرد ہے جو شہادت حسین کے بعد خوش رہے یا کون سا دل ہے جو شہادت حسین سے غمگین نہ ہو یا کون سی آنکھ ہے جو آنسوؤں کو روک سکے، شہادت حسین پر ساتوں آسمان روئے، سمندر اور اس کی شاخیں ورئیں، مچھلیاں اور سمندر کے گرداب روئے ملائکہ مقربین اور تمام آسمان والے روئے، اے لوگو! کون سا قلب ہے جو محزون نہ ہو، کون سا کان ہے جو اس مصیبت کو سن کر جس سے دیوار اسلام میں رخنہ پڑا، بہرہ نہ ہو، اے لوگو! ہماری یہ حالت تھی کہ ہم کشاں کشاں پھرائے جاتے تھے، در بدر ٹھکرائے جاتے تھے ذلیل کئے گئے شہروں سے دور تھے، گویا ہم کو اولاد ترک و کابل سمجھ لیا گیا تھا، حالانکہ نہ ہم نے کوئی جرم کیا تھا نہ کسی برائی کا ارتکاب کیا تھا نہ دیوار اسلام میں کوئی

رخنہ ڈالاتا تھا اور نہ ان چیزوں کے خلاف کیا تھا جو ہم نے اپنے اباؤ اجداد سے سناتا تھا، خدا کی قسم اگر حضرت نبی بھی ان لوگوں (لشکر یزید) کو ہم سے جنگ کرنے کے لیے منع کرتے (تو یہ نہ مانتے) جیسا کہ حضرت نبی نے ہماری وصایت کا اعلان کیا (اور ان لوگوں نے مانا) بلکہ جتنا انہوں نے کیا ہے اس سے زیادہ سلوک کرتے، ہم خدا کے لیے ہیں اور خدا کی طرف ہماری بازگشت ہے۔“

روضہ رسول پر امام علیہ السلام کی فریاد

مقتل ابی مخنف ص ۱۴۳ میں ہے کہ جب یہ لٹا ہوا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت ام کلثوم گریہ وبکا کرتی ہوئی مسجد نبوی میں داخل ہوئیں اور عرض کی، اے نانا آپ پر میرا سلام ہو ”انی ناعیۃ الیک ولدک الحسین“ میں آپ کو آپ کے فرزند حسین کی خبر شہادت سناتی ہوں، یہ کہنا تھا کہ قبر رسول سے گریہ کی صدا بلند ہوئی اور تمام لوگ رونے لگے پھر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے نانا کی قبر مبارک پر تشریف لائے اور اپنے رخسار قبر مطہر سے رگڑتے ہوئے یوں فریاد کرنے لگے :

اناجیک	یا جداہ	یا خیر مرسل
اناجیک	محزوننا علیک	موجلا
سبینا کما تسیبی	الاماء	ومسنا

ضائع	ونسلك	مقتول	حبیبك
ومدافع	حاميا	ومالى	اسيرا
الاصابع		الضرمالا تحمله	من

ترجمہ: میں آپ سے فریاد کرتا ہوں اے نانا، اے تمام رسولوں میں سب سے بہتر، آپ کا محبوب ”حسین“ شہید کر دیا گیا اور آپ کی نسل تباہ و برباد کر دی گئی، اے نانا میں رنج و غم کا مارا آپ سے فریاد کرتا ہوں مجھے قید کیا گیا میرا کوئی حامی و مددگار نہ تھا اے نانا ہم سب کو اس طرح قید کیا گیا، جس طرح (لاوارث) کنیزوں کو قید کیا جاتا ہے، اے نانا ہم پر اتنے مصائب ڈھائے گئے جو انگلیوں پر گئے نہیں جاسکتے۔

امام زین العابدین اور خاک شفا

مصباح المتہجد میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس ایک کپڑے میں بندھی ہوئی تھوڑی سی خاک شفاء کرتی تھی (مناقب جلد ۲ ص ۳۲۹ طبع ملتان)۔

حضرت کے ہمراہ خاک شفاء کا ہمیشہ رہناتین حال سے خالی نہ تھا یا اسے تبرک رکھتے تھے یا اس پر نماز میں سجدہ کرتے تھے یا اسے بحیثیت محافظ رکھتے تھے اور لوگوں کو یہ بتانا مقصود رہتا تھا کہ جس کے پاس خاک شفاء

ہو وہ جملہ مصائب و آلام سے محفوظ رہتا ہے اور اس کامال چوری نہیں ہوتا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے ۔

امام زین العابدین اور محمد حنفیہ کے درمیان حجر اسود کا فیصلہ

آل محمد کے مدینہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدین کے چچا محمد حنفیہ نے بروایت اہل اسلام امام سے خواہش کی کہ مجھے تبرکات امامت دیدو، کیونکہ میں بزرگ خاندان اور امامت کا اہل و حقدار ہوں آپ نے فرمایا کہ حجر اسود کے پاس چلو وہ فیصلہ کر دے گا جب یہ حضرات اس کے پاس پہنچے تو وہ بحکم خدایوں بولا ”امامت زین العابدین کا حق ہے“ اس فیصلہ کو دونوں نے تسلیم کر لیا (شواہد النبوت ص ۱۷۶) ۔

کامل مبردمیں ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے محمد حنفیہ ، امام زین العابدین کی بڑی عزت کرتے تھے ایک دن ابو خالد کابلی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ حجر اسود نے خلافت کا ان کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور یہ امام زمانہ ہیں یہ سن کر وہ مذہب امامیہ کا قائل ہو گیا (مناقب جلد ۲ ص ۳۲۶) ۔

ثبوت امامت میں امام زین العابدین کا کنکری پر مہر فرمانا

اصول کافی میں ہے کہ ایک عورت جس کی عمر ۱۱۳ سال کی ہو چکی تھی ایک دن امام زین العابدین کے پاس آئی اس کے پاس وہ کنکری تھی جس پر حضرت علی امام حسن ، امام حسین کی مہر امامت لگی ہوئی تھی اس کے آتے ہی بلا کہے ہوئے آپ نے فرمایا کہ وہ کنکری لاجس پر میرے آباؤ اجداد کی

مہریں لگی ہوئی ہیں اس پر میں بھی مہرکردوں چنانچہ اس نے کنکری دیدی آپ نے اسے مہر کر کے واپس کر دی، اور اس کی جوانی بھی پلٹادی، وہ خوش و خرم واپس چلی گئی (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۴۳۶)۔

واقعہ حرہ اور امام زین العابدین علیہ السلام

مستندتواریخ میں ہے کہ کربلا کے بے گناہ قتل نے اسلام میں ایک تہلکہ ڈال دیا خصوصاً ایران میں ایک قوی جوش پیدا کر دیا، جس نے بعد میں بنی عباس کو بنی امیہ کے غارت کرنے میں بڑی مدد دی چونکہ یزید تارک الصلوٰۃ اور شارب الخمر تھا اور بیٹی بہن سے نکاح کرتا اور کتوں سے کھیلتا تھا، اس کی ملحدانہ حرکتوں اور امام حسین کے شہید کرنے سے مدینہ میں اس قدر جوش پھیلا کر ۶۲ ھ میں اہل مدینہ نے یزید کی معطلی کا اعلان کر دیا اور عبد اللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار بنا کر یزید کے گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ سے نکال دیا، سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے کہ غسیل الملائکہ (حنظلہ) کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت یزید کی خلافت سے انکار نہیں کیا جب تک ہمیں یہ یقین نہیں ہو گیا کہ آسمان سے پتھر برس پڑیں گے غضب ہے کہ لوگ ماں بہنوں، اور بیٹیوں سے نکاح کریں۔ علانیہ شرابیوں اور نماز چھوڑ بیٹھیں۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو جو خونریزی کی کثرت کے سبب ”مسرف“ کے نام سے مشہور ہے، فوج کثیر دے کر اہل مدینہ کی سرکوبی کو روانہ کیا اہل مدینہ نے باب الطیبہ کے قریب مقام ”حرہ“ پر شامیوں کا مقابلہ کیا، گھمسان کارن

پڑا، مسلمانوں کی تعداد شامیوں سے بہت کم تھی باوجودیکہ انہوں نے دادمردانگی دی، مگر آخر شکست کھائی، مدینہ کے چیدہ چیدہ بہادر رسول اللہ کے بڑے بڑے صحابی انصار و مہاجر اس ہنگامہ آفت میں شہید ہوئے، شامی شہر میں گھس گئے مزارات کوان کی زینت و آرایش کی خاطر مسمار کر دیا، ہزاروں عورتوں سے بدکاری کی ہزاروں باکرہ لڑکیوں کا ازالہ بکارت کر ڈالا، شہر کولوٹ لیا، تین دن قتل عام کرایا، دس ہزار سے زائد باشندگان مدینہ جن میں سات سو مہاجر و انصار اور اتنے ہی حاملان و حافظان قران علماء و صلحاء و محدث تھے اس واقعہ میں مقتول ہوئے ہزاروں لڑکے لڑکیاں غلام بنائی گئیں اور باقی لوگوں سے بشرط قبول غلامی یزید کی بیعت لی گئی۔

مسجد نبوی اور حضرت کے حرم محترم میں گھوڑے بندھوائے گئے یہاں تک کہ لیدکے انبار لگ گئے یہ واقعہ جو تاریخ اسلام میں واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۲۷ / ذی الحجہ ۶۳ ھ کو ہوا تھا اس واقعہ پر مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ کفر و بت پرستی نے پھر غلبہ پایا، ایک فرنگی مورخ لکھتا ہے کہ کفر کا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لیے سخت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہوا بقیہ تمام مدینہ کو یزید کا غلام بنایا گیا، جس نے انکار کیا اس کا سرتار لیا گیا، اس رسوائی سے صرف دو آدمی بچے ”علی بن الحسین“ اور علی بن عبد اللہ بن عباس ان سے یزید کی بیعت بھی نہیں لی گئی۔ مدارس شفاخانے اور دیگر رفاہ عام کی عمارتیں جو خلفاء کے زمانے میں بنائی

گئیں تھی یا تو بند کردی گئیں یا مسمار اور عرب پھر ایک ویرانہ بن گیا، اس کے چند مدت بعد علی بن الحسین کے پوتے جعفر صادق نے اپنے جد امجد علی مرتضیٰ کا مکتب خانہ پھر مدینہ میں جاری کیا، مگر یہ صحرا میں صرف ایک ہی سچا نخلستان تھا اس کے چاروں طرف ظلمت و ضلالت چھائی ہوئی تھی، مدینہ پھر کبھی نہ سنبھل سکا، بنی امیہ کے عہد میں مدینہ ایسی اجڑی بستی ہو گیا کہ جب منصور عباس زیارت کو مدینہ میں آیا تو اسے ایک رہنما کی ضرورت پڑی جو اس کو وہ مکانات بتائے جہاں ابتدائی زمانہ کے بزرگان اسلام رہا کرتے تھے (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۶، تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۱، تاریخ فخری ص ۸۶، تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۹، صواعق محرکہ ص ۱۳۲)۔

واقعہ حرہ اور آپ کی قیام گاہ

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک چھوٹی سی جگہ ”منبع“ نامی تھی جہاں کھیتی باڑی کا کام ہوتا تھا واقعہ حرہ کے موقع پر آپ شہر مدینہ سے نکل کر اپنے گاؤں چلے گئے تھے (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۵) یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت علی خلیفہ عثمان کے عہد میں قیام پذیر تھے (عقد فرید جلد ۲ ص ۲۱۶)۔

خاندانی دشمن مروان کے ساتھ آپ کی کرم گستری

واقعہ حرہ کے موقع پر جب مروان نے اپنی اور اہل و عیال کی تباہی و بربادی

کایقین کرلیاتو عبداللہ بن عمر کے پاس جا کر کہنے لگا کہ ہماری محافظت کرو، حکومت کی نظر میری طرف سے بھی پھری ہوئی ہے، میں جان اور عورتوں کی بے حرمتی سے ڈرتا ہوں، انہوں نے صاف انکار کر دیا، اس وقت وہ امام زین العابدین کے پاس آیا اور اس نے اپنی اور اپنے بچوں کی تباہی و بربادی کا حوالہ دے کر حفاظت کی درخواست کی حضرت نے یہ خیال کیے بغیر کہ یہ خاندانی ہمارا دشمن ہے اور اس نے واقعہ کربلا کے سلسلہ میں پوری دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے آپ نے فرما دیا بہتر ہے کہ اپنے بچوں کو میرے پاس بمقام منبع بھیج دو، جہاں میرے بچے رہیں گے تمہارے بھی رہیں گے چنانچہ وہ اپنے بال بچوں کو جن میں حضرت عثمان کی بیٹی عائشہ بھی تھیں آپ کے پاس پہنچا گیا اور آپ نے سب کی مکمل حفاظت فرمائی (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۵)

دشمن ازلی حصین بن نمیر کے ساتھ آپ کی کرم نوازی

مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ ابتدائے ۶۴ ھ میں مدینہ سے مکہ کو روانہ ہو گیا اتفاقاً راہ میں بیمار ہو کر وہ گمراہ راہی جہنم ہو گیا، مرتے وقت اس نے حصین بن نمیر کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اس نے وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی اور اس میں آگ لگادی، اس کے بعد مکمل محاصرہ کر کے عبداللہ ابن زبیر کو قتل کرنا چاہا اس محاصرہ کو چالیس دن گزرے تھے کہ یزید پلید و اصل جہنم ہو گیا، اس کے مرنے کی خبر سے ابن زبیر نے غلبہ

حاصل کر لیا اور یہ وہاں سے بھاگ کر مدینہ جا پہنچا۔ مدینہ کے دوران قیام میں اس معلون نے ایک دن بوقت شب چند سواروں کو لے کر فوج کے غذائی سامان کی فراہمی کے لیے ایک گاؤں کی راہ پکڑی، راستہ میں اس کی ملاقات حضرت امام زین العابدین سے ہو گئی، آپ کے ہمراہ کچھ اونٹ تھے جن پر غذائی سامان لدا ہوا تھا اس نے آپ سے وہ غلہ خریدنا چاہا، آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے ضرورت ہے تو یونہی لے لے ہم اسے فروخت نہیں کر سکتے (کیونکہ میں اسے فقراء مدینہ کے لیے لایا ہوں) اس نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے، آپ نے فرمایا مجھے ”علی بن الحسین“ کہتے ہیں پھر آپ نے اس سے نام دریافت کیا تو اس نے کہا میں حصین بن نمیر ہوں، اللہ رے، آپ کی کرم نوازی، آپ جاننے کہ باوجود کہ یہ میرے باپ کے قاتلوں میں سے ہے اسے سارا غلہ مفت دیدیا (اور فقراء کے لیے دوسرا بندوبست فرمایا) اس نے جب آپ کی یہ کرم گستری دیکھی اور اچھی طرح پہچان بھی لیا تو کہنے لگا کہ یزید کا انتقال ہو چکا ہے آپ سے زیادہ مستحق خلافت کوئی نہیں، آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں، میں آپ کو تخت خلافت پر بٹھاؤں گا، آپ نے فرمایا کہ میں خداوند عالم سے عہد کر چکا ہوں کہ ظاہری خلافت قبول نہ کروں گا، یہ فرما کر آپ اپنے دولت سرا کو تشریف لے گئے (تاریخ طبری فارسی ص ۶۴۴)

امام زین العابدین اور فقراء مدینہ کی کفالت

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فقراء مدینہ کے سوگھروں کی کفالت فرماتے تھے اور سارا سامان ان کے گھر پہنچایا کرتے تھے جنہیں آپ بہ بھی معلوم نہ ہونے دیتے تھے کہ یہ سامان خوردونوش رات کو کون دے جاتا ہے آپ کا اصول یہ تھا کہ بوریاں پشت پر لاد کر گھروں میں روٹی اور آٹا وغیرہ پہنچاتے تھے اور یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا، بعض معززین کا کہنا ہے کہ ہم نے اہل مدینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ امام زین العابدین کی زندگی تک ہم خفیہ غذائی رسد سے محروم نہیں ہوئے۔ (مطالب السؤل ص ۲۶۵، نور الابصار ص ۱۲۶)۔

امام زین العابدین اور بنیاد کعبہ محترمہ و نصب حجر اسود

۷۱ ھ میں عبدالملک بن مروان نے عراق پر لشکر کشی کر کے مصعب بن زبیر کو قتل کیا بھر ۷۲ ھ میں حجاج بن یوسف کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ عبداللہ بن زبیر کو قتل کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ (ابوالفداء)۔ وہاں پہنچ کر حجاج نے ابن زبیر سے جنگ کی ابن زبیر نے زبردست مقابلہ کیا اور بہت سی لڑائیاں ہوئیں، آخر میں ابن زبیر محصور ہو گئے اور حجاج نے ابن زبیر کو کعبہ سے نکالنے کے لیے کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی، یہی نہیں بلکہ اسے کھدوا ڈالا، ابن زبیر جمادی الآخر ۷۳ ھ میں قتل ہوا (تاریخ ابن الوردی)۔ اور حجاج جو خانہ کعبہ کی بنیاد تک خراب کر چکا تھا اس کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوا۔ علامہ صدوق کتاب علل الشرائع میں لکھتے ہیں کہ

حجاج کے ہدم کعبہ کے موقع پر لوگ اس کی مٹی تک اٹھا کر لے گئے اور کعبہ کو اس طرح لوٹ لیا کہ اس کی کوئی پرانی چیز باقی نہ رہی، پھر حجاج کو خیال پیدا ہوا کہ اس کی تعمیر کرانی چاہئے چنانچہ اس نے تعمیر کا پروگرام مرتب کر لیا اور کام شروع کر دیا، کام کی ابھی بالکل ابتدائی منزل تھی کہ ایک اڑدھابرا آمد ہو کر ایسی جگہ بیٹھ گیا جس کے بٹے بغیر کام آگے نہیں بڑھ سکتا تھا لوگوں نے اس واقعہ کی اطلاع حجاج کو دی، حجاج گھبرا اٹھا اور لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے جب لوگ اس کا حل نکالنے سے قاصر رہے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج کل فرزند رسول حضرت امام زین العابدین علیہ السلام یہاں آئے ہوئے ہیں، بہتر ہوگا کہ ان سے دریافت کر لیا جائے یہ مسئلہ ان کے علاوہ کوئی حل نہیں کر سکتا، چنانچہ حجاج نے آپ کو زحمت تشریف آوری دی، آپ نے فرمایا کہ اے حجاج تونے خانہ کعبہ کو اپنی میراث سمجھ لیا ہے تونے تو بنائے ابراہیم علیہ السلام کو اکھڑوا کر راستہ میں ڈلوادیا ہے ”سن“ تجھے خدا اس وقت تک کعبہ کی تعمیر میں کامیاب نہ ہونے دے گا جب تک تو کعبہ کا ٹاٹا ہوا سامان واپس نہ منگائے گا، یہ سن کر اس نے اعلان کیا کہ کعبہ سے متعلق جوشے بھی کسی کے پاس ہو وہ جلد سے جلد واپس کرے، چنانچہ لوگوں نے پتھر مٹی وغیرہ جمع کر دی جب آپ اس کی بنیاد استوار کی اور حجاج سے فرمایا کہ اس کے اوپر تعمیر کراؤ ”فلذالک صار البیت مرتفعاً“ پھر اسی بنیاد پر خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی (کتاب الخرائج والجرائح میں علامہ قطب

راوندی لکھتے ہیں کہ جب تعمیر کعبہ اس مقام تک پہنچی جس جگہ حجر اسود نصب کرنا تھا تو یہ دشواری پیش ہوئی کہ جب کوئی عالم، زاہد، قاضی اسے نصب کرتا تھا تو ”یتزلزل ویضطرب ولا یستقر“ حجر اسود متزلزل اور مضطرب رہتا اور اپنے مقام پر ٹھہرتا نہ تھا بالآخر امام زین العابدین علیہ السلام بلائے گئے اور آپ نے بسم اللہ کہہ کر اسے نصب کر دیا، یہ دیکھ کر لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۴۳۷)۔ علماء و مورخین کا بیان ہے کہ حجاج بن یوسف نے یزید بن معاویہ ہی کی طرح خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر وغیرہ پھنکوائے تھے۔

امام زین العابدین اور عبدالملک بن مروان کا حج

بادشاہ دنیا عبدالملک بن مروان اپنے عہد حکومت میں اپنے پایہ تخت سے حج کے لیے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچا اور بادشاہ دین حضرت امام زین العابدین بھی مدینہ سے روانہ ہو کر پہنچ گئے مناسک حج کے سلسلہ میں دونوں کا ساتھ ہو گیا، حضرت امام زین العابدین آگے آگے چل رہے تھے اور بادشاہ پیچھے چل رہا تھا عبدالملک بن مروان کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس نے آپ سے کہا کیا میں نے آپ کے باپ کو قتل کیا ہے جو آپ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے، آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے اس نے اپنی دینا و آخرت خراب کر لی ہے کیا تو بھی یہی حوصلہ رکھتا ہے اس نے کہا نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے کچھ مالی سلوک کروں، آپ نے

ارشاد فرمایا مجھے تیرے مال دنیا کی ضرورت نہیں ہے مجھے دینے والا خدا ہے یہ کہہ کر آپ نے اسی جگہ زمین پر ردائے مبارک ڈال دی اور کعبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، میرے مالک اسے بھر دے، امام کی زبان سے الفاظ کانکنا تھا کہ ردائے مبارک موتیوں سے بھر گئی، آپ نے اسے راہ خدام میں دیدیا (دمعہ ساکبہ، جنات الخلود ص ۲۳)۔

امام زین العابدین علیہ السلام اخلاق کی دنیا میں

امام زین العابدین علیہ السلام چونکہ فرزند رسول تھے اس لئے آپ میں سیرت محمدیہ کا ہونا لازمی تھا علامہ محمد ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو برا بھلا کہا، آپ نے فرمایا بھائی میں نے تو تیرا کچھ نہیں بگاڑا، اگر کوئی حاجت رکھتا ہے تو بتاتا کہ میں پوری کروں، وہ شرمندہ ہو کر آپ کے اخلاق کا کلمہ پڑھنے لگا (مطالب السؤل ص ۲۶۷)۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں، ایک شخص نے آپ کی برائی آپ کے منہ پر کی آپ نے اس سے بے توجہی برتی، اس نے مخاطب کر کے کہا، میں تم کو کہہ رہا ہوں، آپ نے فرمایا، میں حکم خدا ”واعرض عن الجاہلین“ جاہلوں کی بات کی پرواہ نہ کرو پر عمل کر رہا ہوں (صواعق محرقہ ص ۱۲۰)۔ علامہ شبلی نجی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا کہ فلاں شخص آپ کی برائی کر رہا تھا آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کے پاس لے چلو، جب وہاں پہنچے تو اس سے فرمایا بھائی جو بات تو نے میرے لیے کہی ہے، اگر میں نے

ایسا کیا ہو تو خدا مجھے بخشے اور اگر نہیں کیا تو خدا تجھے بخشے کہ تونے بہتان لگایا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ مسجد سے نکل کر چلے تو ایک شخص آپ کو سخت الفاظ میں گالیاں دینے لگا آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حاجت رکھتا ہے تو میں پوری کروں، ”اچھالے“ یہ پانچ ہزار درہم، وہ شرمندہ ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ پر بہتان باندھا، آپ نے فرمایا میرے اور جہنم کے درمیان ایک گھاٹی ہے، اگر میں نے اسے طے کر لیا تو پرواہ نہیں جو جی چاہے کہو اور اگر اسے پار نہ کر سکا تو میں اس سے زیادہ برائی کا مستحق ہوں جو تم نے کی ہے (نور الابصار ص ۱۲۷ - ۱۲۶)۔

علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ ایک شامی حضرت علی کو گالیاں دے رہا تھا، امام زین العابدین نے فرمایا بھائی تم مسافر معلوم ہوتے ہو، اچھا میرے ساتھ چلو، میرے یہاں قیام کرو، اور جو حاجت رکھتے ہو بتاؤ تاکہ میں پوری کروں وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا (حیوة الحیوان جلد ۱ ص ۱۲۱)۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے، آپ نے فرمایا افسوس ہے کہ تم نے اس کی ہمنشینی اور دوستی کا کوئی خیال نہ کیا، اور اسکی برائی مجھ سے بیان کر دی، دیکھو یہ غیبت ہے، اب ایسا کبھی نہ کرنا (احتجاج ص ۳۰۴)۔

جب کوئی سائل آپ کے پاس آتا تھا تو خوش و مسرور ہوجاتے تھے اور فرماتے تھے خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرا زادراہ آخرت اٹھانے کے لیے آگیا ہے (مطالب

السؤال ص ۲۶۳) - امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ کاملہ میں فرماتے ہیں خداوند میرا کوئی درجہ نہ بڑھا، مگر یہ کہ اتنا ہی خود میرے نزدیک مجھ کو گھٹا اور میرے لیے کوئی ظاہری عزت نہ پیدا کر مگر یہ کہ خود میرے نزدیک اتنی ہی باطنی لذت پیدا کر دے۔

امام زین العابدین اور صحیفہ کاملہ

کتاب صحیفہ کاملہ آپ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے اس میں بے شمار علوم و فنون کے جوہر موجود ہیں یہ پہلی صدی کی تصنیف ہے (معالم العلماء ص ۱ طبع ایران)۔

اسے علماء اسلام نے زبور آل محمد اور انجیل اہلبیت کہا ہے (ینابیع المودۃ ص ۴۹۹، فہرست کتب خانہ طہران ص ۳۶)۔ اور اس کی فصاحت و بلاغت معانی کو دیکھ کر اسے کتب سماویہ اور صحف لوحیہ و عرشیہ کا درجہ دیا گیا ہے (ریاض السالکین ص ۱) اس کی چالیس شرحیں ہیں جن میں میرے نزدیک ریاض السالکین کو فوقیت حاصل ہے۔

امام زین العابدین عمر بن عبدالعزیز کی نگاہ میں

۸۶ھ میں عبدالملک بن مروان کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا یا گیا یہ حجاج بن یوسف کی طرح نہایت ظالم و جابر تھا اسی کے عہد ظلمت میں عمر بن عبدالعزیز جو کہ ولید کا چچا زاد بھائی تھا حجاز کا گورنر ہوا یہ برا منصف مزاج اور فیاض تھا، اسی کے عہد گورنری

کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ۸۷ ھ میں سرور کائنات کے روضہ کی ایک دیوار گر گئی تھی جب اس کی مرمت کا سوال پیدا ہوا، اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی مقدس ہستی کے ہاتھ سے اس کی ابتداء کی جائے تو عمر بن عبدالعزیز نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہی کو سب پر ترجیح دی (وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۳۸۶)۔ اسی نے فدک واپس کیا تھا اور امیر المومنین پر سے تبراء کی وہ بدعت جو معاویہ نے جاری کی تھی، بند کرائی تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت

آپ اگرچہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر فرما رہے تھے لیکن آپ کے روحانی اقتدار کی وجہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے آپ کو زہر دیدیا، اور آپ بتاریخ ۲۵ / محرم الحرام ۹۵ ھ مطابق ۷۱۴ کو درجہ شہادت پر فائز ہو گئے امام محمد باقر علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ مدینہ کے جنت البقیع میں دفن کر دیے گئے علامہ شبلی نجی، علامہ ابن حجر، علامہ ابن صباغ مالکی، علامہ سبط ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں کہ ”وان الذی سمہ الولید بن عبدالملک“ جس نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا، وہ ولید بن عبدالملک خلیفہ وقت ہے (نور الابصار ص ۱۲۸، صواعق محرقہ ص ۱۲۰، فصول المہمہ، تذکرہ سبط ابن جوزی، ارجح المطالب ص ۴۴۴، مناقب جلد ۴ ص ۱۳۱)۔ ملا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا ناقہ قبر پر نالہ

وفریاد کرتا ہوا تین روز میں مر گیا (شواہد النبوت ص ۱۷۹ ، شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۷ / سال کی تھی۔

آپ کی اولاد

علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ نے گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰ ، وارجح المطالب ص ۴۴۴) ۔ علامہ شیخ مفید فرماتے ہیں کہ ان پندرہ اولاد کے نام یہ ہیں ۱۔ حضرت امام محمد باقر آپ کی والدہ حضرت امام حسن کی بیٹی ام عبد اللہ جناب فاطمہ تھیں۔ ۲۔ عبد اللہ ۳۔ حسن ۴۔ زید ۵۔ عمر ۶۔ حسین ۷۔ عبدالرحمن ۸۔ سلیمان ۹۔ علی ۱۰۔ محمد اصغر ۱۱۔ حسین اصغر ۱۲۔ خدیجہ ۱۳۔ فاطمہ، ۱۴۔ علیہ ۱۵۔ ام کلثوم (ارشاد مفید فارسی ص ۴۰۱)۔

چودہ ستارے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

آپ کی ولادت باسعادت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بتاریخ یکم رجب المرجب ۵۷ ھ یوم جمعہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (اعلام الوری ص ۱۵۵ ، جلاء العیون ص ۲۶۰ ، جنات الخلود ص ۲۵) ۔

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تشریف لائے تو آباؤ اجداد کی طرح آپ کے گھر میں آواز غیب آنے لگی اور جب نومہ کے ہوئے تو فرشتوں کی بے انتہا آوازیں آنے لگیں اور شب ولادت ایک نور ساطع ہوا، ولادت کے بعد قبلہ رو ہو کر آسمان کی طرف رخ فرمایا، اور (آدم کی مانند) تین باچھینکنے کے بعد حمد خدا بجلائے، ایک شبانہ روز دست مبارک سے نور ساطع رہا، آپ ختنہ کردہ، ناف بریدہ، تمام آلائشوں سے پاک اور صاف متولد ہوئے۔ (جلاء العیون ص ۲۵۹)۔

اسم گرامی، کنیت اور القاب

آپ کا اسم گرامی ”لوح محفوظ“ کے مطابق اور سرور کائنات کی تعیین کے موافق ”محمد“ تھا آپ کی کنیت ”ابو جعفر“ تھی، اور آپ کے القاب کثیر تھے، جن میں باقر، شاکر، ہادی زیادہ مشہور ہیں (مطالب السؤل ص ۳۶۹، شواہد النبوت ص ۱۸۱)۔

باقر کی وجہ تسمیہ

باقر، بقرہ سے مشتق ہے اور اسی کا اسم فاعل ہے اس کے معنی شق کرنے اور وسعت دینے کے ہیں، (المنجد ص ۴۱)۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اس لقب سے اس لیے ملقب کیا گیا تھا کہ آپ نے علوم و معارف کو نمایاں فرمایا اور حقائق احکام و حکمت و لطائف کے وہ سر بستہ خزانے ظاہر فرمادئے جو لوگوں پر ظاہر و ہویدانہ تھے (صواعق محرقة، ص ۱۲۰، مطالب السؤل ص

جوہری نے اپنی صحاح میں لکھا ہے کہ ”توسع فی العلم“ کو بقرہ کہتے ہیں، اسی لیے امام محمد بن علی کو باقر سے ملقب کیا جاتا ہے، علامہ سبط ابن جوزی کا کہنا ہے کہ کثرت سجد کی وجہ سے چونکہ آپ کی پیشانی وسیع تھی اس لیے آپ کو باقر کہا جاتا ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جامعیت علمیہ کی وجہ سے آپ کو یہ لقب دیا گیا ہے، شہید ثالث علامہ نور اللہ شوشتری کا کہنا ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام محمد باقر علوم و معارف کو اس طرح شگافتہ کر دیں گے جس طرح زراعت کے لیے زمین شگافتہ کی جاتی ہے۔ (مجالس المومنین ص ۱۱۷)۔

بادشاہان وقت

آپ ۵۷ ھ میں معاویہ بن ابی سفیان کے عہد میں پیدا ہوئے ۶۰ ھ میں یزید بن معاویہ بادشاہ وقت رہا، ۶۴ ھ میں معاویہ بن یزید اور مروان بن حکم بادشاہ رہے ۶۵ ھ تک عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت رہا پھر ۸۶ ھ سے ۹۶ ھ تک ولید بن عبدالملک نے حکمرانی کی، اسی نے ۹۵ ھ میں آپ کے والد ماجد کو درجہ شہادت پر فائز کر دیا، اسی ۹۵ ھ سے آپ کی امامت کا آغاز ہوا، اور ۱۱۴ ھ تک آپ فرائض امامت ادا فرماتے رہے، اسی دروان میں ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک بادشاہ وقت رہے (اعلام الوری ص ۱۵۶)۔

واقعہ کربلا میں امام محمد باقر علیہ السلام کا حصہ

آپ کی عمر ابھی ڈھائی سال کی تھی، کہ آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ وطن عزیز مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا، پھر مدینہ سے مکہ اور وہاں سے کربلا تک کی صعوبتیں سفر برداشت کرنا پڑی اس کے بعد واقعہ کربلا کے مصائب دیکھے، کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں کا حال دیکھا ایک سال شام میں مقید رہے، پھر وہاں سے چھوٹ کر ۸ / ربیع الاول ۶۲ ھ کو مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی، تو آپ ایک دن کنویں میں گر گئے، لیکن خدانے آپ کو ڈوبنے سے بچالیا (اور جب آپ پانی سے برآمد ہوئے تو آپ کے کپڑے اور آپ کا بدن تک بھیگا ہوا نہ تھا) مناقب جلد ۴ ص ۱۰۹۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور جابر بن عبد اللہ انصاری کی باہمی ملاقات

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت امام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ظاہری زندگی کے اختتام پر امام محمد باقر کی ولادت سے تقریباً ۴۶ / سال قبل جابر بن عبد اللہ انصاری کے ذریعہ سے امام محمد باقر علیہ السلام کو سلام کہلایا تھا، امام علیہ السلام کا یہ شرف اس درجہ ممتاز ہے کہ آل محمد میں سے کوئی بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا (مطالب السؤل ص ۲۷۲)۔

مورخین کا بیان ہے کہ سرور کائنات ایک دن اپنی آغوش مبارک میں حضرت

امام حسین علیہ السلام کولئے ہوئے پیار کر رہے تھے ناگاہ آپ کے صحابی خاص جابر بن عبد اللہ انصاری حاضر ہوئے حضرت نے جابر کو دیکھ کر فرمایا، اے جابر! میرے اس فرزند کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو علم و حکمت سے بھرپور ہوگا، اے جابر تم اس کا زمانہ پاؤ گے، اور اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک وہ سطح ارض پر آنہ جائے۔

اے جابر! دیکھو، جب تم اس سے ملنا تو اسے میرا سلام کہہ دینا، جابر نے اس خبر اور اس پیشین گوئی کو کمال مسرت کے ساتھ سنا، اور اسی وقت سے اس بہجت آفرین ساعت کا انتظار کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ چشم انتظار پتھر آگیاں اور آنکھوں

جب تک آپ بیناتھے ہر مجلس و محفل میں تلاش کرتے رہے اور جب نور نظر جاتا رہا تو زبان سے پکارنا شروع کر دیا، آپ کی زبان پر جب ہر وقت امام محمد باقر کا نام رہنے لگا تو لوگ یہ کہنے لگے کہ جابر کا دماغ ضعف پیری کی وجہ سے ازکار رفتہ ہو گیا ہے لیکن بہر حال وہ وقت آہی گیا کہ آپ پیغام احمدی اور سلام محمدی پہنچانے میں کامیاب ہو گئے راوی کا بیان ہے کہ ہم جناب جابر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے، آپ کے ہمراہ آپ کے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام بھی تھے امام علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند سے فرمایا کہ چچا جابر بن عبد اللہ انصاری کے سر کا بوسہ دو، انہوں نے فوراً تعمیل ارشاد کیا، جابر نے ان کو اپنے سینے سے لگالیا اور کہا کہ ابن رسول اللہ آپ کو آپ کے جد نامدار حضرت محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام فرمایا ہے۔ حضرت نے کہائے جابران پر اور تم پر میری طرف سے بھی سلام ہو، اس کے بعد جابر بن عبد اللہ انصاری نے آپ سے شفاعت کے لیے ضمانت کی درخواست کی، آپ نے اسے منظور فرمایا اور کہا کہ میں تمہارے جنت میں جانے کا ضمان ہوں (صواعق محرقہ ص ۱۲۰، وسیلہ النجات ص ۳۳۸، مطالب السؤل، ۳۷۳، شواہد النبوت ص ۱۸۱، نور الابصار ص ۱۴۳، رجال کشی ص ۲۷، تاریخ طبری جلد ۳، ص ۹۶، مجالس المومنین ص ۱۱۷۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”ان بقائک بعد رویتہ یسیر“ کہ اے جابر میرا پیغام پہنچانے کے بعد بہت تھوڑا زندہ رہو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا (مطالب السؤل ص ۲۷۳)۔

سات سال کی عمر میں امام محمد باقر کا حج خانہ کعبہ

علامہ جامی تحریر فرماتے ہیں کہ راوی بیان کرتا ہے کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا، راستہ پر خطر اور انتہائی تاریک تھا جب میں لُق ودق صحرا میں پہنچا تو ایک طرف سے کچھ روشنی کی کرن نظر آئی میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگاہ ایک سات سال کا لڑکا میرے قریب آپہنچا، میں نے سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے، اور آپ کے پاس زادراہ کیا ہے اس نے جواب دیا، سنو میں خدا کی طرف سے آرہا ہوں اور خدا کے طرف سے آرہا ہوں اور خدا کی طرف

جاربہوں، میرزا ادراہ ”تقویٰ“ ہے میں عربی النسل، قریشی خاندان کا علوی نژاد ہوں، میرانام محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے، یہ کہہ کر وہ دونوں سے غائب ہو گئے اور مجھے پتہ نہ چل سکا کہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے یا زمین میں سما گئے (شواہد النبوت ص ۱۸۳)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور اسلام میں سکے کی ابتدا

مورخ شہیر ذاکر حسین تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے ۷۵ ھ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی صلاح سے اسلامی سکہ جاری کیا اسے سے پہلے روم و ایران کا سکہ اسلامی ممالک میں بھی جاری تھا۔

اس واقعہ کی تفصیل علامہ دمیری کے حوالہ سے یہ ہے کہ ایک دن علامہ کسائی سے خلیفہ ہارون رشید عباسی نے پوچھا کہ اسلام میں درہم و دینار کے سکے، کب اور کیوں نکرائج ہوئے انہوں نے کہا کہ سکوں کا اجرا خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کیا ہے لیکن اس کی تفصیل سے ناواقف ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ ان کے اجراء اور ایجاد کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، ہارون الرشید نے کہا کہ بات یہ ہے کہ زمانہ سابق میں جو کاغذ وغیرہ ممالک اسلامیہ میں مستعمل ہوتے تھے وہ مصر میں تیار ہوا کرتے تھے جہاں اس وقت نصرانیوں کی حکومت تھی، اور وہ تمام کے تمام بادشاہ روم کے مذہب برتھے وہاں کے کاغذ پر جو ضرب یعنی (ٹریڈ مارک) ہوتا تھا، اس میں

بزبان روم (اب، ابن، روح القدس لکھا ہوا تھا، فلم یزل ذلک کذالک فی صدر الاسلام کلمہ بمعنی علوما کان علیہ، الخ)۔ اور یہی چیز اسلام میں جتنے دور گزرے تھے سب میں رائج تھی یہاں تک کہ جب عبدالملک بن مروان کا زمانہ آیا، تو چونکہ وہ بڑا ذہین اور ہوشیار تھا، لہذا اس نے ترجمہ کرا کے گورنر مصر کو لکھا کہ تم رومی ٹریڈ مارک کو موقوف و متروک کر دو، یعنی کاغذ کیڑے وغیرہ جواب تیار ہوں ان میں یہ نشانات نہ لگنے دو بلکہ ان پر یہ لکھو "شہد اللہ انہ لالہ الابو" چنانچہ اس حکم پر عمل درآمد کیا گیا جب اس نئے مارک کے کاغذوں کا جن پر کلمہ توحید ثبت تھا، رواج پایا تو قیصر روم کو بے انتہا ناگوار گزرا اس نے تحفہ تحائف بھیج کر عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت کو لکھا کہ کاغذ وغیرہ پر جو "مارک" پہلے تھا وہی بدستور جاری کرو، عبدالملک نے ہدایا لینے سے انکار کر دیا اور سفیر کو تحائف و ہدایا سمیت واپس بھیج دیا اور اس کے خط کا جواب تک نہ دیا قیصر روم نے تحائف کو دو گنا کر کے پھر بھیجا اور لکھا کہ تم نے میرے تحائف کو کم سمجھ کر واپس کر دیا، اس لیے اب اضافہ کر کے بھیج رہا ہوں اسے قبول کر لو اور کاغذ سے نیا "مارک" بٹا دو، عبدالملک نے پھر ہدایا واپس کر دیا اور مثل سابق کوئی جواب نہیں دیا اس کے بعد قیصر روم نے تیسری مرتبہ خط لکھا اور تحائف و ہدایا بھیجے اور خط میں لکھا کہ تم نے میرے خطوط کے جوابات نہیں دیئے، اور نہ میری بات قبول کی اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے اب بھی رومی ٹریڈ مارک کو از سر نو رواج نہ دیا اور توحید کے جملے

کاغذ سے نہ ہٹائے تو میں تمہارے رسول کو گالیاں، سکے درہم و دینار پر نقش کرا کے تمام ممالک اسلامیہ میں رائج کر دوں گا اور تم کچھ نہ کر سکو گے دیکھو اب جو میں نے تم کو لکھا ہے اسے پڑھ کر ارفص جبینک عرقا، اپنی پیشانی کا پسینہ پوچھ ڈالو اور جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو رشتہ محبت قائم ہے بدستور باقی رہے۔

عبدالملک ابن مروان نے جس وقت اس خط کو پڑھا اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، ہاتھ کے طوطے اڑ گئے اور نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی اس نے کمال اضطراب میں علماء فضلاء اہل الرائے اور سیاست دانوں کو فوراً جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ کوئی ایسی بات سوچو کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یا سراسر اسلام کامیاب ہو جائے، سب نے سر جوڑ کر بہت دیر تک غور کیا لیکن کوئی ایسی رائے نہ دے سکے جس پر عمل کیا جاسکتا ”فلم یجد عند احد منہم رایا یعمل بہ“ جب بادشاہ ان کی کسی رائے سے مطمئن نہ ہو سکا تو اور زیادہ پریشان ہوا اور دل میں کہنے لگا میرے پالنے والے اب کیا کروں ابھی وہ اسی تردد میں بیٹھتا تھا کہ اس کا وزیر اعظم ”ابن زنباع“ بول اٹھا، بادشاہ تو یقیناً جانتا ہے کہ اس اہم موقع پر اسلام کی مشکل کشائی کون کر سکتا ہے، لیکن عمداً اس کی طرف رخ نہیں کرتا، بادشاہ نے کہا ”ویحک من“ خداتجھے سمجھے، تو بتا تو سہی وہ کون ہے؟ وزیر اعظم نے عرض کی ”علیک بالباقر من اہل بیت النبی“ میں فرزند رسول امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور وہی اس آڑے وقت میں

تیرے کام آسکتا ہیں ، عبدالملک بن مروان نے جونہی آپ کانام سنا قال صدقت کہے لگا خدا کی قسم تم نے سچ کہا اور صحیح رہبری کی ہے۔ اس کے بعد اسی وقت فوراً اپنے عامل مدینہ کو لکھا کہ اس وقت اسلام پر ایک سخت مصیبت آگئی ہے اور اس کا دفع ہونا امام محمد باقر کے بغیر ناممکن ہے، لہذا جس طرح ہو سکے انہیں راضی کر کے میرے پاس بھیج دو، دیکھو اس سلسلہ میں جو مصارف ہوں گے، وہ بزمہ حکومت ہوں گے۔ عبدالملک نے دو خواست طلبی، مدینہ ارسال کرنے کے بعد شاہ روم کے سفیر کو نظر بند کر دیا، اور حکم دیا کہ جب تک میں اس مسئلہ کو حل نہ کر سکوں اسے پایہ تخت سے جانے نہ دیا جائے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عبدالملک بن مروان کا پیغام پہنچا اور آپ فوراً عازم سفر ہو گئے اور ہل مدینہ سے فرمایا کہ چونکہ اسلام کا کام ہے لہذا میں تمام اپنے کاموں پر اس سفر کو ترجیح دیتا ہوں الغرض آپ وہاں سے روانہ ہو کر عبدالملک کے پاس جا پہنچے، بادشاہ چونکہ سخت پریشان تھا، اس لیے اسے نے آپ کے استقبال کے فوراً بعد عرض مدعا کر دیا، امام علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا ”لا یعظم ہذا علیک فانہ لیس بشئی“ اے بادشاہ سن، مجھے بعلم امامت معلوم ہے کہ خدائے قادر و توانا قیصر روم کو اس فعل قبیح پر قدرت ہی نہ دے گا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ اس نے تیرے ہاتھوں میں اس سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت دے رکھی ہے بادشاہ نے عرض کی یا بن رسول اللہ وہ کونسی طاقت ہے جو مجھے نصیب ہے اور جس کے

ذریعہ سے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہوں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اسی وقت حاکم اور کاریگروں کو بلاؤ اور ان سے درہم و دینار کے سکے ڈھلواؤ اور ممالک اسلامیہ میں رائج کر دو، اس نے پوچھا کہ ان کی کیا شکل و صورت ہوگی اور وہ کس طرح ڈھلیں گے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ سکہ کے ایک طرف کلمہ توحید دوسری طرف پیغمبر اسلام کا نام نامی اور ضرب سکے کا سن لکھا جائے اس کے بعد اس کے اوزان بتائے آپ نے کہا کہ درہم کے تین سکے اس وقت جاری ہیں ایک بغلی جو دس مثقال کے دس ہوتے ہیں دوسرے سمری خفاف جو چھ مثقال کے دس ہوتے ہیں تیسرے پانچ مثقال کے دس، یہ کل ۲۱ / مثقال ہوئے اس کو تین پر تقسیم کرنے پر حاصل تقسیم ۷ / مثقال ہوئے، اسی سات مثقال کے دس درہم بنوا، اور اسی سات مثقال کی قیمت سونے کے دینار تیار کر جس کا خوردہ دس درہم ہو، سکہ کا نقش چونکہ فارسی میں ہے اس لیے اسی فارسی میں رہنے دیا جائے، اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں ہے لہذا اسے رومی ہی حرفوں میں کندہ کر دیا جائے اور ڈھالنے کی مشین (سانچہ) شیشے کا بنوایا جائے تاکہ سب ہم وزن تیار ہو سکیں۔

عبدالملک نے آپ کے حکم کے مطابق تمام سکے ڈھلوائے اور سب کام درست کر لیا اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ اب کیا کروں؟ ”امرہ محمد بن علی“ آپ نے حکم دیا کہ ان سکوں کو تمام ممالک اسلامیہ میں رائج کر دے، اور ساتھ ہی ایک سخت حکم نافذ کر دے جس میں یہ

ہو کہ اسی سکے کو استعمال کیا جائے اور رومی سکے خلاف قانون قرار دیئے گئے اب جو خلاف ورزی کرے گا اسے سخت سزا دی جائے گی، اور بوقت ضرورت اسے قتل بھی کیا جاسکے گا۔

عبدالملک بن مروان نے تعمیل ارشاد کے بعد سفیر روم کو رہا کر کے کہا کہ اپنے بادشاہ سے کہنا کہ ہم نے اپنے سکے ڈھلوا کر رائج کر دیے اور تمہارے سکے کو غیر قانونی قرار دے دیا اب تم سے جو ہوسکے کر لو۔

سفیر روم یہاں سے رہا ہو کر جب اپنے قیصر کے پاس پہنچا اور اس سے ساری داستان بتائی تو وہ حیران رہ گیا، اور سر ڈال کر دیر تک خاموش بیٹھا سوچتا رہا، لوگوں نے کہا بادشاہ تو نے جو یہ کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے پیغمبر کو سکوں پر گالیاں کنا کرادوں گا اب اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اس نے کہا کہ اب گالیاں کنا کر کے کیا کروں گا اب تو ان کے ممالک میں میرا سکے ہی نہیں چل رہا اور لین دین ہی نہیں ہو رہا (حیوة الحیوان دمیری المتوفی ۹۰۸ ھ جلد ۱ طبع مصر ۱۳۵۶ ھ)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی علمی حیثیت

کسی معصوم کی علمی حیثیت پر روشنی ڈالنی بہت دشوار ہے، کیونکہ معصوم اور امام زمانہ کو علم لدنی ہوتا ہے، وہ خدا کی بارگاہ سے علمی صلاحیتوں سے بھرپور متولد ہوتا ہے، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام چونکہ امام زمانہ اور معصوم ازلی تھے اس لیے آپ کے علمی کمالات، علمی کارنامے اور آپ

کی علمی حیثیت کی وضاحت ناممکن ہے تاہم میں ان واقعات میں سے مستثنیٰ از خروارے، لکھتا ہوں جن پر علماء عبور حاصل کر سکے ہیں۔ علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ حضرت کا خود ارشاد ہے کہ ”علمنا منطلق الطیر و اوتینامن کل شئی“ ہمیں طائروں تک کی زبان سکھا گئی ہے اور ہمیں ہر چیز کا علم عطا کیا گیا ہے (مناقب شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱)۔

روضۃ الصفاء میں ہے کہ بخدا سو گند کہ ماخازنان خدائیم در آسمان زمین الخ خدا کی قسم ہم زمین اور آسمان میں خداوند عالم کے خازن علم ہیں اور ہم یہ شجرہ نبوت اور معدن حکمت ہیں، وحی ہمارے یہاں آتی رہی اور فرشتے ہمارے یہاں آتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ظاہری ارباب اقتدار ہم سے جلتے اور حسد کرتے ہیں، لسان الواعظین میں ہے کہ ابو مریم عبدالغفار کا کہنا ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ :

- ۱۔ مولا کونسا اسلام بہتر ہے جس سے اپنے برادر مومن کو تکلیف نہ پہنچے
- ۲۔ کونسا خلق بہتر ہے فرمایا صبر اور معاف کر دینا ۳۔ کون سا مومن کامل ہے فرمایا جس کے اخلاق بہتر ہوں ۴۔ کون سا جہاد بہتر ہے، فرمایا ج س میں اپنا خون بہہ جائے ۵۔ کونسی نماز بہتر ہے، فرمایا جس کا قنوت طویل ہو، ۶۔ کون سا صدقہ بہتر ہے، فرمایا جس سے نافرمانی سے نجات ملے، ۷۔ بادشاہان دنیا کے پاس جانے میں آپ کی کیارائے ہے، فرمایا میں اچھا نہیں سمجھتا، پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ اس لیے کہ بادشاہوں کے پاس کی آمدورفت سے تین

باتیں پیدا ہوتی ہیں : ۱ - محبت دنیا، ۲ - فراموشی مرگ، ۳ - قلت رضائے خدا۔
پوچھا پھر میں نہ جاؤں، فرمایا میں طلب دنیا سے منع نہیں کرتا، البتہ طلب
معاصی سے روکتا ہوں۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے اور اس کی شہرت عامہ ہے
کہ آپ علم وزہد اور شرف میں ساری دنیا سے فوقیت لے گئے ہیں آپ سے علم
القرآن، علم الآثار، علم السنن اور ہر قسم کے علوم، حکم، آداب وغیرہ کے
مظاہرہ میں کوئی نہیں ہوا، بڑے بڑے صحابہ اور نمایاں تابعین، اور عظیم
القدر فقہاء آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے رہے آپ کو آنحضرت صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابرین عبد اللہ انصاری کے ذریعہ سے سلام کہلایا تھا
اور اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ یہ میرا فرزند ”باقر العلوم“ ہوگا، علم کی
گتھیوں کو سلجھائے گا کہ دنیا حیران رہ جائے گی (اعلام الوری ص ۱۵۷
علامہ، شیخ مفید۔

علامہ شبلی نجی فرماتے ہیں کہ علم دین، علم احادیث، علم سنن اور تفسیر قرآن
و علم السیرت و علوم و فنون، ادب وغیرہ کے ذخیرے جس قدر امام
محمد باقر علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسین اور امام حسین کی
اولاد میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ ملاحظہ ہو کتاب الارشاد ص ۲۸۶
، نور الابصار ص ۱۳۱، ارجح المطالب ص ۴۴۷۔
علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے
علمی فیوض و برکات اور کمالات و احسانات سے اس شخص کے علاوہ جس

کی بصیرت زائل ہوگئی ہو، جس کا دماغ خراب ہو گیا ہو اور جس کی طینت و طبیعت فاسد ہوگئی ہو، کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ ”باقر العلوم“ علم کے پھیلانے والے اور جامع العلوم ہیں، آپ کا دل صاف، علم و عمل روشن و تابندہ نفس پاک اور خلقت شریف تھی، آپ کے کل اوقات اطاعت خداوندی میں بسر ہوتے تھے۔ عارفوں کے قلوب میں آپ کے آثار اسخ اور گہرے نشانات نمایاں ہو گئے تھے، جن کے بیان کرنے سے وصف کرنے والوں کی زبانیں گونگی اور عاجز و ماندہ ہیں آپ کے ہدایات و کلمات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصاء اس کتاب میں ناممکن ہے (صواعق محرقة ص ۱۲۰)۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر علامہ زمان اور سردار کبیر الشان تھے آپ علوم میں بڑے تبحر اور وسیع الاطلاق تھے (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۴۵۰) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ بنی ہاشم کے سردار اور متبحر علمی کی وجہ سے باقر مشہور تھے آپ علم کی تہ تک پہنچ گئے تھے، اور آپ نے اس کے وقائق کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۱۱)۔

علامہ شبراوی لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر کے علمی تذکرے دنیا میں مشہور ہوئے اور آپ کی مدح و ثناء میں بکثرت شعر لکھے گئے، مالک جہنی نے یہ تین شعر لکھے ہیں:

ترجمہ : جب لوگ قرآن مجید کا علم حاصل کرنا چاہیں تو پورا قبیلہ قریش اس کے بتانے سے عاجز رہے گا، کیونکہ وہ خود محتاج ہے اور اگر فرزند رسول

امام محمدباقر کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو بے حد وحساب مسائل و تحقیقات کے ذخیرے مہیا کر دیں گے یہ حضرات وہ ستارے ہیں جو ہر قسم کی تاریکیوں میں چلنے والوں کے لیے چمکتے ہیں اور ان کے انوار سے لوگ راستے پاتے ہیں (الاتحاف ص ۵۲، وتاریخ الائمه ص ۴۱۳)۔ علامہ ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ صرف ایک راوی محمد بن مسلم نے آپ سے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں (مناقب جلد ۵ ص ۱۱)۔

آپ کے بعض علمی ہدایات و ارشادات

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جابر جعفی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمدباقر علیہ السلام سے ملا تو آپ نے فرمایا اے جابر میں دنیا سے بالکل بے فکر ہوں کیونکہ جس کے دل میں دین خالص ہو وہ دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا، اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا چھوڑی ہوئی سواری اتار اہوا کیڑا اور استعمال کی ہوئی عورت ہے مومن دنیا کی بقا سے مطمئن نہیں ہوتا اور اس کی دیکھی ہوئی چیزوں کی وجہ سے نور خدا اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا مومن کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے کہ وہ ہر وقت اسے متنبہ اور بیدار رکھتا ہے سنو دنیا ایک سرائے فانی ہے نزلت بہ وارتحلت منہ “ اس میں آنا جانالگار ہتا ہے آج آئے اور کل گئے اور دنیا ایک خواب ہے جو کمال کے مانند دیکھی جاتی ہے اور جب جاگ اٹھے تو کچھ نہیں ... آپ نے فرمایا تکبر بہت بری چیز ہے، یہ جس قدر انسان میں پیدا ہوگا اسی

قداس کی عقل گھٹے گی ، کمینے شخص کا حربہ گالیاں بکنا ہے ۔
 ایک عالم کی موت کو ابلیس نوے عابدوں کے مرنے سے بہتر سمجھتا ہے ایک
 ہزار عابد سے وہ ایک عالم بہتر ہے جو اپنے علم سے فائدہ پہنچا رہا ہو ۔
 میرے ماننے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت کریں آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے
 رونے والا بخشا جاتا ہے اور جس رخسار پر آنسو جاری ہوں وہ ذلیل نہیں ہوتا ۔
 سستی اور زیادہ تیزی برائیوں کی کنجی ہے ۔
 خدا کے نزدیک بہترین عبادت پاک دامنی ہے انسان کو چاہئے کہ اپنے پیٹ
 اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں ۔
 دعا سے قضا بھی ٹل جاتی ہے ۔ نیکی بہترین خیرات ہے
 بدترین عیب یہ ہے کہ انسان کو اپنی آنکھ کی شہتیر دکھائی نہ دے ، اور دوسرے
 کی آنکھ کا تنکا نظر آئے ، یعنی اپنے بڑے گناہ کی پرواہ نہ ہو ، اور دوسروں کے
 چھوٹے عیب اسے بڑے نظر آئیں اور خود عمل نہ کرے ، صرف دوسروں
 کو تعلیم دے ۔

جو خوشحالی میں ساتھ دے اور تنگ دستی میں دور رہے ، وہ تمہارا بھائی
 اور دوست نہیں ہے (مطالب السؤل ص ۲۷۲) ۔
 علامہ شبلی نجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ
 جب کوئی نعمت ملے تو کہو الحمد للہ اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو کہو ”لا حول
 ولا قوۃ الا باللہ“ اور جب روزی تنگ ہو تو کہو استغفر اللہ ۔
 دل کو دل سے راہ ہوتی ہے ، جتنی محبت تمہارے دل میں ہوگی ، اتنی ہی

تمہارے بھائی اور دوست کے دل میں بھی ہوگی
 تین چیزیں خدانے تین چیزوں میں پوشیدہ رکھی ہیں :

۱ - اپنی رضا اپنی اطاعت میں ، کسی فرمانبرداری کو حقیر نہ سمجھو شاید اسی
 میں خدا کی رضا ہو۔

۲ - اپنی ناراضی اپنی معصیت میں کسی گناہ کو معمولی نہ جانو تو شاید خدا اسی
 سے ناراض ہو جائے۔

۳ - اپنی دوستی یا اپنے ولی ، مخلوقات میں کسی شخص کو حقیر نہ سمجھو ،
 شاید وہی ولی اللہ ہو (نور الابصار ص ۱۳۱ ، اتحاف ص ۹۳) ۔

احادیث ائمہ میں ہے امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں انسان کو جتنی عقل
 دی گئی ہے اسی کے مطابق اس سے قیامت میں حساب و کتاب ہوگا۔

ایک نفع پہنچانے والا عالم ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے ، عالم کی صحبت میں
 تھوڑی دیر بیٹھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے خدا ان علماء پر رحم و کرم
 فرمائے جو احیاء علم کرتے اور تقوی کو فروغ دیتے ہیں ۔

علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ مخلوق خدا کو تعلیم دے جائے ۔ قرآن مجید کے بارے
 میں تم جتنا جانتے ہو اتنا ہی بیان کرو۔

بندوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ جو جانتا ہو اسے بتائے اور جو نہ جانتا ہو اس کے
 جواب میں خاموش ہو جائے ۔ علم حاصل کرنے کے بعد اسے پھیلاو ، اس لیے
 کہ علم کو بند رکھنے سے شیطان کا غالب ہوتا ہے ۔

معلم اور متعلم کا ثواب برابر ہے ۔ جس کی تعلیم کی غرض یہ ہو کہ وہ ... علماء

سے بحث کرے ،جہلاپر رعب جمائے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے وہ جہنمی ہے ،دینی راستہ دکھلانے والا اور راستہ پانے والادونوں ثواب کی میزان کے لحاظ سے برابر ہیں۔ جو دینی راستہ دکھلانے والا اور راستہ پانے والادونوں ثواب کی میزان کے لحاظ سے برابر ہیں ۔

جو دینیات میں غلط کہتا ہو اسے صحیح بنا دو، ذات الہی وہ ہے، جو عقل انسانی میں نہ سما سکے اور حدود میں محدود نہ ہو سکے ۔

اس کی ذات فہم و ادراک سے بالاتر ہے خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، خدا کی ذات کے بارے میں بحث نہ کرو، ورنہ حیران ہو جاؤ گے ۔ اجل کی دو قسمیں ہیں ایک اجل محتوم، دوسرے اجل موقوف، دوسری سے خدا کے سوا کوئی واقف نہیں، زمین حجت خدا کے سوا کوئی واقف نہیں، زمین حجت خدا کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔

امت بے امام کی مثال بھیڑ کے اس گلے کی ہے، جس کا کوئی بھی نگران نہ ہو۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روح کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ روح ہوا کی مانند متحرک ہے اور یہ ریح سے مشتق ہے ، ہم جنس ہونے کی وجہ سے اسے روح کہا جاتا ہے یہ روح جو جانداروں کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے ،وہ تمام ریحوں سے پاکیزہ تر ہے۔

...روح مخلوق اور مصنوع ہے اور حادث اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والی ہے۔

... وہ ایسی لطیف شے ہے جس میں نہ کسی قسم کی گرانی اور سنگینی ہے نہ

سبکی، وہ ایک باریک اور رقیق شے ہے جو قالب کثیف میں پوشیدہ ہے، اس کی مثال اس مشک جیسی ہے جس میں ہوا بھر دو، ہوا بھرنے سے وہ پھول جائے گی لیکن اس کے وزن میں اضافہ نہ ہوگا۔ روح باقی ہے اور بدن سے نکلنے کے بعد فنا نہیں ہوتی، یہ نفخ صور کے وقت ہی فنا ہوگی۔ آپ سے خداوند عالم کے صفات بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، کہ وہ سمیع و بصیر ہے اور آلہ سمع و بصر کے بغیر سنتا اور دیکھتا ہے، رئیس معتزلہ عمر بن عبیدنے آپ سے دریافت کیا کہ ”من یحال علیہ غضبی“ ابو خالد کابلی نے آپ سے پوچھا کہ قول خدا ”فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا“ میں، نور سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا ”واللہ النور الائمة من آل محمد“ خدا کی قسم نور سے ہم آل محمد مراد ہیں۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ یوم ندو اکل اناس بامامہم سے کون لوگ مراد ہیں آپ نے فرمایا وہ رسول اللہ ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد سے آئمہ ہوں گے، انہیں کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے جو انہیں دوست رکھے گا اور ان کی تصدیق کرے گا وہی نجات پائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا جہنم میں جائے گا، ایک مرتبہ طاؤس یمانی نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سوال کیا کہ وہ کونسی چیز ہے جس کا تھوڑا استعمال حلال تھا اور زیادہ استعمال حرام، آپ نے فرمایا کہ وہ نہر طالوت کا پانی تھا جس کا صرف ایک چلو پینا حلال تھا اور اس سے زیادہ حرام پوچھا وہ کون سا روزہ تھا جس میں کھانا پینا جائز تھا، فرمایا وہ جناب مریم کا روزہ صمت تھا جس میں صرف نہ

بولنے کا روزہ تھا، کھانا پینا حلال تھا، پوچھا وہ کون سی شے ہے جو صرف کرنے سے کم ہوتی ہے بڑھتی نہیں، فرمایا کہ وہ عمر ہے۔ پوچھا وہ کون سی شے ہے جو بڑھتی ہے گھٹتی نہیں، فرمایا وہ سمندر کا پانی ہے، پوچھا وہ کونسی چیز ہے جو صرف ایک بار اڑی پھر نہ اڑی، فرمایا وہ کوہ طور ہے جو ایک بار حکم خدا سے اڑ کر بنی اسرائیل کے سروں پر آگیا تھا۔ پوچھا وہ کون لوگ ہیں جن کی سچی گواہی خدانے جھوٹی قرار دی، فرمایا وہ منافقوں کی تصدیق رسالت ہے جو دل سے نہ تھی۔ پوچھا بنی آدم کا ۳/۱ حصہ کب ہلاک ہوا، فرمایا ایسا کبھی نہیں ہوا، تم یہ پوچھو کہ انسان کا ۴/۱ حصہ کب ہلاک ہوا تو میں بتاؤں کہ یہ اس وقت ہوا جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا، کیونکہ اس وقت چار آدمی تھے آدم، حوا، ہابیل اور قابیل، پوچھا پھر نسل انسانی کس طرح بڑھی فرمایا جناب شیش سے جو قتل ہابیل کے بعد بطن حوا سے پیدا ہوئے۔

آپ کی عبادت گزاری اور آپ کے عام حالات

آپ اباؤ اجداد کی طرح بے پناہ عبادت کرتے تھے ساری رات نماز پڑھنی اور سارا دن روزہ سے گزارنا آپ کی عادت تھی آپ کی زندگی زاہدانہ تھی، بورئیے پر بیٹھتے تھے ہدایا جو آتے تھے اسے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے غریبوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے تواضع اور فروتنی، صبر و شکر غلام نوازی صلہ رحم وغیرہ میں اپنی آپ نظیر تھے آپ کی تمام آمدنی فقراء

پر صرف ہوتی تھی آپ فقیروں کی بڑی عزت کرتے تھے اور انہیں اچھے نام سے یاد کرتے تھے (کشف الغمہ ص ۹۵ - آپ کے ایک غلام افلح کا بیان ہے کہ ایک دن آپ کعبہ کے قریب تشریف لے گئے، آپ کی جیسے ہی کعبہ پر نظر پڑی آپ چیخ مار کر رونے لگے میں نے کہا کہ حضور سب لوگ دیکھ رہے ہیں آپ آہستہ سے گریہ فرمائیں ارشاد کیا، اے افلح شاید خدا بھی انہیں لوگوں کی طرح میری طرف دیکھ لے اور میری بخشش کا سہارا ہو جائے، اس کے بعد آپ سجدہ میں تشریف لے گئے اور جب سر اٹھایا تو ساری زمین آنسوؤں سے تر تھی (مطالب السؤل ص ۲۷۱)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور ہشام بن عبدالملک

تواریخ میں ہے ۹۶ ھ میں ولید بن عبدالملک فوت ہوا (ابوالفداء) اور اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ مقرر کیا گیا (ابن الوردی) ۹۹ ھ میں عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوا ابن الوردی اس نے خلیفہ ہوتے ہی اس بدعت کو جو ۴۱ ھ سے بن امیہ نے حضرت علی پر سب و شتم کی صورت میں جاری کر رکھی تھی حکما روک دیا (ابوالفداء) اور رقوم خمس بنی ہاشم کو دینا شروع کیا (کتاب الخرائج ابو یوسف)۔

یہ وہ زمانہ تھا جس میں علی کے نام پر اگر کسی بچے کا نام ہوتا تھا تو وہ قتل کر دیا جاتا تھا اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا (تدریب الراوی سیوطی) اس کے بعد ۱۰۱ ھ میں یزید بن عبدالملک خلیفہ بنایا گیا (ابن الوردی) ۱۰۵ ھ

میں ہشام بن عبدالملک بن مروان بادشاہ وقت مقرر ہوا (ابن الوردی)۔ ہشام بن عبدالملک، چست، چالاک، کنجوس و متعصب، چال باز، سخت مزاج، کجرو، خودسر، حریص، کانوں کاکچاتھا اور حد درجہ کاشکی تھا کبھی کسی کا اعتبار نہ کرتا تھا اکثر صرف شبہ برسلطنت کے لائق لائق ملازموں کو قتل کر دیتا تھا یہ عہدوں پر انہیں کو فائز کرتا تھا جو خوشامدی ہوں، اس نے خالد بن عبداللہ قسری کو ۱۰۵ ھ سے ۱۲۰ ھ تک عراق کا گورنر تھا قسری کا حال یہ تھا کہ ہشام کو رسول اللہ سے افضل بتاتا اور اسی کا پروپیگنڈہ کیا کرتا تھا (تاریخ کامل جلد ۵ ص ۱۰۳)۔

ہشام آل محمد کا دشمن تھا اسی نے زید شہید کو نہایت بری طرح قتل کیا تھا، تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۴۹) اسی نے اپنے زمانہ ولیعہدی میں فرزدق شاعر کو امام زین العابدین کی مدح کے جرم میں بمقام عسقلان قید کیا تھا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰)۔

ہشام کا سوال اور اس کا جواب

تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد ہشام بن عبدالملک حج کے لیے گیا وہاں اس نے امام محمد باقر علیہ السلام کو دیکھا کہ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پند و نصائح سے بہرہ ور کر رہے ہیں یہ دیکھ کر ہشام کی دشمنی نے کروٹ لی اور اس نے دل میں سوچا کہ انہیں ذلیل کرنا چاہئے اور اسی ارادہ سے اس نے ایک شخص سے کہا کہ جا کر ان سے کہو کہ خلیفہ پوچھ رہے ہیں کہ حشر کے

دن آخری فیصلہ سے قبل لوگ کیا کھائیں اور پیئیں گے اس نے جاکرامام علیہ السلام کے سامنے خلیفہ کا سوال پیش کیا آپ نے فرمایا جہاں حشرون نشر ہوگا وہاں میوے داردرخت ہوں گے، وہ لوگ انہیں چیزوں کو استعمال کریں گے بادشاہ نے جواب سن کر کہایہ بالکل غلط ہے کیونکہ حشر میں لوگ مصیبتوں اور اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہوں گے ان کو کھانے پینے کا ہوش کہاں ہوگا؟ قاصد نے بادشاہ کا گفتہ نقل کر دیا، حضرت نے قاصد سے فرمایا کہ جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ تم نے قرآن بھی پڑھا ہے یا نہیں، قرآن میں یہ نہیں ہے کہ ”جہنم“ کے لوگ جنت والوں سے کہیں گے کہ ہمیں پانی اور کچھ نعمتیں دیدو کہ پی اور کھالیں اس وقت وہ جواب دیں گے کہ کافروں پر جنت کی نعمتیں حرام ہیں (پ ۸، رکوع ۱۳) توجہ جہنم میں بھی لوگ کھانا پینا نہیں بھولیں گے تو حشرون نشر میں کیسے بھول جائیں گے جس میں جہنم سے کم سختیاں ہوں گی اور وہ امیدویم اور جنت و دوزخ کے درمیان ہوں گے یہ سن کر ہشام شرمندہ ہو گیا (ارشاد مفید ص ۴۰۸، تاریخ ائمہ ص ۴۱۴)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی دمشق میں طلبی

علامہ مجلسی اور سید ابن طاؤس رقمطراز ہیں کہ ہشام بن عبدالملک اپنے عہد حکومت کے آخری ایام میں حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ میں پہنچا وہاں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی موجود تھے ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے

مجمع عام میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ ہمیں روئے زمین پر خدا کے خلیفہ اور اسکی حجت ہیں، ہمارا دشمن جہنم میں جائے گا، اور ہمارا دوست نعمات جنت سے متنعم ہوگا۔ اس خطبہ کی اطلاع ہشام کو دی گئی، وہ وہاں تو خاموش رہا، لیکن دمشق پہنچنے کے بعد والی مدینہ کو فرمان بھیجا کہ محمد بن علی اور جعفر بن محمد کو میرے پاس بھیج دے، چنانچہ آپ حضرات دمشق پہنچے وہاں ہشام نے آپ کو تین روز تک اذن حضور نہیں دیا چوتھے روز جب اچھی طرح دربار کو سجالیا، تو آپ کو بلوا بھیجا آپ حضرات جب داخل دربار ہوئے تو آپ کو ذلیل کرنے کے لیے آپ سے کہا کہ ہمارے تیر اندازوں کی طرح آپ بھی تیر اندازی کریں حضرت امام محمد باقر نے فرمایا کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں مجھے اس سے معاف رکھ، اس نے بہ قسم کہا کہ یہ ناممکن ہے پھر ایک کمان آپ کو دلوا یا آپ نے ٹھیک نشانہ پر تیر لگائے، یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا اس کے بعد امام نے فرمایا، بادشاہ ہم معدن رسالت ہیں، ہمارا مقابلہ کسی امر میں کوئی نہیں کر سکتا، یہ سن کر ہشام کو غصہ آگیا، وہ بولا کہ اب لوگ بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں آپ کے داد علی بن ابی طالب نے غیب کا دعویٰ کیا ہے آپ نے فرمایا بادشاہ قرآن مجید میں سب کچھ موجود ہے اور حضرت علی امام مبین تھے انہیں کیانہیں معلوم تھا (جلاء العیون)۔ ثقۃ الاسلام علامہ کلینی تحریر فرماتے ہیں کہ ہشام نے اہل دربار کو حکم دیا تھا کہ میں محمد بن علی (امام محمد باقر علیہ السلام) کو سردر بار ذلیل کروں گا

تم لوگ یہ کرنا کہ جب میں خاموش ہو جاؤں تو انہیں کلمات ناسزا کہنا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا آخر میں حضرت نے فرمایا، بادشاہ یادرکھ ہم ذلیل کرنے ذلیل نہیں ہو سکتے، خداوند عالم نے ہمیں عزت دی ہے، اس میں ہم منفرد ہیں یادرکھ عاقبت کی شاہی متقین کے لیے ہے یہ سن کر ہشام نے فامر بہ الی الحبس آپ کو قید کرنے کا حکم دیدیا، چنانچہ آپ قید کر دیئے گئے۔

قیدخانہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے قیدیوں کے سامنے ایک معجز نما تقریر کی جس کے نتیجہ میں قیدخانہ کے اندر کھرام عظیم برپا ہو گیا، بالآخر قیدخانہ کے داروغہ نے ہشام سے کہا کہ اگر محمد بن علی زیادہ دنوں قید رہے تو تیری مملکت کا نظام منقلب ہو جائے گا ان کی تقریر قیدخانہ سے باہر بھی اثر ڈال رہی ہے اور عوام میں ان کے قید ہونے سے بڑا جوش ہے یہ سن کر ہشام ڈر گیا اور اس نے آپ کی رہائی کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا کہ نہ آپ کو کوئی مدینہ پہنچانے جائے اور نہ راستے میں آپ کو کوئی کھانا پانی دے، چنانچہ آپ تین روز کے بھوکے پیاسے داخل مدینہ ہوئے۔

وہاں پہنچ کر آپ نے کھانے پینے کی سعی، لیکن کسی نے کچھ نہ دیا، بازار ہشام کے حکم سے بند تھے یہ حال دیکھ کر آپ ایک پہاڑی پر گئے اور آپ نے اس پر کھڑے ہو کر عذاب الہی کا حوالہ دیا یہ سن کر ایک پیر مرد بازار میں کھڑا ہو کر کہنے لگا بھائیو! سنو، یہی وہ جگہ ہے جس جگہ حضرت شعیب نبی نے کھڑے ہو کر عذاب الہی کی خبر دی تھی اور عظیم ترین عذاب نازل ہوا تھا میری بات مانو اور اپنے کو عذاب میں مبتلا نہ کرو یہ سن کر سب لوگ حضرت

کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے لیے ہوٹلوں کے دروازے کھول دیئے
(اصول کافی)۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام نے والی مدینہ ابراہیم بن
عبدالملک کو لکھا کہ امام محمد باقر کو زہر سے شہید کر دے (جلاء العیون ص
۲۶۲)۔

کتاب الخرائج والبحرائح میں علامہ راوندی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے
بعد ہشام بن عبدالملک نے زید بن حسن کے ساتھ باہمی سازش کے ذریعہ امام
علیہ السلام کو دوبارہ دمشق میں طلب کرنا چاہا لیکن والی مدینہ کی ہمنوائی
حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ارادہ سے باز آیا اس نے تبرکات رسالت
جبرا طلب کئے اور امام علیہ السلام نے بروایتی ارسال فرمادئے۔

دمشق سے روانگی اور ایک راہب کا مسلمان ہونا

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قید خانہ
دمشق سے رہا ہو کر مدینہ کو تشریف لائے جا رہے تھے کہ ناگاہ راستے میں
ایک مقام پر مجمع کثیر نظر آیا، آپ نے تفحص حال کیا تو معلوم ہوا کہ نصاری
کا ایک راہب ہے جو سال میں صرف ایک بار اپنے معبد سے نکلتا ہے آج اس
کے نکلنے کا دن ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس مجمع میں عوام
کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے، راہب جو انتہائی ضعیف تھا، مقررہ وقت
پر برآمد ہوا، اور اس نے چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد امام علیہ السلام کی

طرف مخاطب ہو کر بولا:

- ۱ - کیا آپ ہم میں سے ہیں فرمایا میں امت محمدیہ سے ہوں۔
- ۲ - آپ علماء سے ہیں یا جہلا سے فرمایا میں جاہل نہیں ہوں۔
- ۳ - آپ مجھ سے کچھ دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں فرمایا نہیں۔
- ۴ - جب کہ آپ عالموں میں سے ہیں کیا؟ میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، فرمایا ضرور پوچھیے۔

یہ سن کر راہب نے سوال کیا ۱ - شب و روز میں وہ کونسا وقت ہے، جس کا شمار نہ دن میں ہے اور نہ رات میں، فرمایا وہ سورج کے طلوع سے پہلے کا وقت ہے جس کا شمار دن اور رات دونوں میں نہیں، وہ وقت جنت کے اوقات میں سے ہے اور ایسا مبتکر ہے کہ اس میں بیماروں کو ہوش آجاتا ہے درد کو سکون ہوتا ہے جو رات بھر نہ سوسکے اسے نیند آتی ہے یہ وقت آخرت کی طرف رغبت رکھنے والوں کے لیے خاص الخاص ہے۔

۲ - آپ کا عقیدہ ہے کہ جنت میں پیشاب و پاخانہ کی ضرورت نہ ہوگی؟ کیا دنیا میں اس کی مثال ہے؟ فرمایا بطن مادر میں جو بچے پرورش پاتے ہیں ان کا فضلہ خارج نہیں ہوتا۔

- ۳ - مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کھانے سے بہشت کامیوہ کم نہ ہوگا اس کی یہاں کوئی مثال ہے، فرمایا ہاں ایک چراغ سے لاکھوں چراغ جلائے جاتے ہیں تب بھی پہلے چراغ کی روشنی میں کمی نہ ہوگی۔
- ۴ - وہ کون سے دوبھائی ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے اور ایک ساتھ مرے لیکن

ایک کی عمر پچاس سال کی ہوئی اور دوسرے کی ڈیڑھ سو سال کی، فرمایا ”عزیز اور عزیز پیغمبر ہیں یہ دونوں دنیا میں ایک ہی روز پیدا ہوئے اور ایک ہی روز مرے پیدائش کے بعد تیس برس تک ساتھ رہے پھر خدانے عزیز نبی کو مار ڈالا (جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) اور سو برس کے بعد پھر زندہ فرمایا اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ اور زندہ رہے اور پھر ایک ہی روز دونوں نے انتقال کیا۔ یہ سن کر راہب اپنے ماننے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ جب تک یہ شخص شام کے حدود میں موجود ہے میں کسی کے سوال کا جواب نہ دوں گا سب کو چاہئے کہ اسی عالم زمانہ سے سوال کرے اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا (جلاء العیون ص ۲۶۱ طبع ایران ۱۳۰۱ ھ

امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت

آپ اگرچہ اپنے علمی فیوض و برکات کی وجہ سے اسلام کو برابر فروغ دے رہے تھے لیکن اس کے باوجود ہشام بن عبدالملک نے آپ کو زہر کے ذریعہ سے شہید کرادیا اور آپ بتاریخ ۷ / ذی الحجہ ۱۱۴ ھ یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے اس وقت آپ کی عمر ۵۷ / سال کی تھی آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے (کشف الغمہ ص ۹۳ ، جلاء العیون ص ۲۶۴ ، جنات الخلود ص ۲۶ ، دمعہ ساکبہ ص ۴۴۹ ، انوار الحسینہ ص ۴۸ ، شواہد النبوت ص ۱۸۱ ، روضة الشهداء ص ۴۳۴ -

علامہ شبلی نجی اور علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں ”مات مسموما کابیہ“ آپ اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام کی طرح زہر سے شہید کر دیئے گئے (نور الابصار ص ۳۱، صواعق محرقہ ص ۱۲۰)۔

آپ کی شہادت ہشام کے حکم سے ابراہیم بن ولید والی مدینہ کی زہر خورانی کے ذریعہ واقع ہوئی ہے ایک روایت میں ہے کہ خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک کی مرسلہ زہر آلود زین کے ذریعہ سے واقع ہوئی تھی (جنات الخلود ص ۲۶، دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۴۷۸)۔

شہادت سے قبل آپ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت سی چیزوں کے متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ بیٹا میرے کانوں میں میرے والد ماجد کی آوازیں آرہی ہیں وہ مجھے جلد بلا رہے ہیں (نور الابصار ص ۱۳۱)۔ آپ نے غسل و کفن کے متعلق خاص طور سے ہدایت کی کیونکہ امام راجز امام نشوید امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے (شواہد النبوت ص ۱۸۱)۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی وصیتوں میں یہ بھی کہا کہ ۸۰۰/ درہم میری عزاداری اور میرے ماتم پر صرف کرنا اور ایسا انتظام کرنا کہ دس سال تک منی میں بزمانہ حج میرے مظلومیت کا ماتم کیا جائے (جلاء العیون ص ۲۶۴)۔

علماء کابیان ہے کہ وصیتوں میں یہ بھی تھا کہ میرے بندہ بٹائے کفن قبر میں کھول دینا اور میری قبر چار انگل سے زیادہ اونچی نہ کرنا (جنات الخلود ص

ازواج اولاد

آپ کی چار بیویاں تھیں اور انہیں سے اولاد ہوئیں۔ ام فروہ، ام حکیم، لیلی، اور ایک اور بیوی ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر جن سے حضرات امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبد اللہ افطح پیدا ہوئے اور ام حکیم بنت اسد بن مغیرہ ثقفی سے ابراہیم و عبد اللہ اور لیلی سے علی اور زینب پیدا ہوئے اور چوتھی بیوی سے ام سلمی متولد ہوئے (ارشاد مفید ص ۲۹۴، مناقب جلد ۵ ص ۱۹، نور الابصار ص ۱۳۲)۔

علامہ محمد باقر بہبھانی، علامہ محمد رضا آل کاشف الغطاء اور علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ حضرت امام باقر علیہ السلام کی نسل صرف امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑھی ہے ان کے علاوہ کسی کی اولاد زندہ اور باقی نہیں رہی (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۴۷۹، انوار الحسینیہ جلد ۲ ص ۴۸، روضة الشهداء ص ۴۳۴ طبع لکھنؤ ۱۲۸۵ ع۔)۔

چودہ ستارے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۱۷ / ربیع الاول ۸۳ ھ مطابق ۲۰۷ء یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (ارشاد مفید فارسی ص ۴۱۳، اعلام الوری ص ۱۵۹، جامع عباسی ص ۶۰ وغیرہ)۔

آپ کی ولادت کی تاریخ کو خداوند عالم نے بڑی عزت دے رکھی ہے احادیث میں ہے کہ اس تاریخ کو روزہ رکھنا ایک سال کے روزہ کے برابر ہے ولادت کے بعد ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا یہ فرزند ان چند مخصوص افراد میں سے ہے جن کے وجود سے خدانے بندوں پر احسان فرمایا ہے اور یہی میرے بعد میرا جانشین ہوگا (جنات الخلود ص ۲۷)۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تھے تب کلام فرمایا کرتے تھے ولادت کے بعد آپ نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا آپ بھی ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے ہیں (جلاء العیون ص ۲۶۵)۔ آپ تمام نبوتوں کے خلاصہ تھے۔

اسم گرامی، کنیت، القاب

آپ کا اسم گرامی جعفر، آپ کی کنیت ابو عبد اللہ، ابو اسماعیل اور آپ کے القاب صادق، صابر و فاضل، طاہر و غیرہ ہیں علامہ مجلسی رقمطراز ہیں کہ آنحضرت نے اپنی ظاہری زندگی میں حضرت جعفر بن محمد کو لقب صادق سے موسوم و ملقب فرمایا تھا اور اس کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ اہل آسمان کے نزدیک آپ کا لقب پہلے ہی سے صادق تھا (جلاء العیون ص ۲۶۴)۔

علامہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ صدق مقال کی وجہ سے آپ کے نام نامی کاجزو ”صادق“ قرار پایا ہے (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۱۰۵)۔
 جعفر کے متعلق علماء کابیان ہے کہ جنت میں جعفر نامی ایک شیرین نہر ہے اسی کی مناسبت سے آپ کا یہ لقب رکھا گیا ہے چونکہ آپ کا فیض عام نہر جاری کی طرح تھا اسی لیے اس لقب سے ملقب ہوئے (ارجح المطالب ص ۳۶۱ بحوالہ تذکرۃ الخواص الامۃ)۔

امام اہل سنت علامہ وحید الزمان حیدرآبادی تحریر فرماتے ہیں، جعفر، چھوٹی نہر یا بڑی واسع (کشادہ) امام جعفر صادق، مشہور امام بینبارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شیخ (حدیث) ہیں اور امام بخاری کو نہیں معلوم کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایتیں نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں کہ میں ”فی منہ شئی ومجالد احب الی منہ“ میرے دل میں امام جعفر صادق کی طرف سے خلش ہے، میں ان سے بہتر مجالد کو سمجھتا ہوں، حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے؟ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو آئمہ اہل بیت سے کچھ محبت اور اعتقاد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے کہ مروان اور عمران بن خطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں (انوار اللغۃ پارہ ۵ ص ۴۷ طبع

حیدرآباددکن)۔

علامہ ابن حجر مکی اور علامہ شبانجی رقمطراز ہیں کہ اعیان ائمہ میں سے ایک جماعت مثل یحییٰ بن سعید بن جریح، امام مالک، امام سفیان ثوری بن عینیہ، امام ابوحنیفہ، ایوب سجستانی نے آپ سے حدیث اخذ کی ہے، ابو حاتم کا قول ہے کہ امام جعفر صادق ایسے ثقہ میں لایسئل عنہ مثلہ کہ آپ ایسے شخصوں کی نسبت کچھ تحقیق اور استفسار و تفحص کی ضرورت ہی نہیں، آپ ریاست کی طلب سے بے نیاز تھے اور ہمیشہ عبادت گزاروں میں بسر کرتے رہے، عمر ابن مقدم کا کہنا ہے کہ جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھتا ہوں تو مجھے معایاں ہوتا ہے کہ یہ جو ہر رسالت کی اصل و بنیاد ہیں (صواعق محرقہ ص ۱۲۰، نور الابصار، ص ۱۳۱، حلیۃ الابرار تاریخ ائمہ ص ۴۳۳)۔

بادشاہان وقت

آپ کی ولادت ۸۳ ھ میں ہوئی ہے اس وقت عبدالملک بن مروان بادشاہ وقت تھا پھر ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک، یزید الناقص، ابراہیم ابن ولید، اور مروان الحمار، علی الترتیب خلیفہ مقرر ہوئے مروان الحمار کے بعد سلطنت بنی امیہ کا چراغ گل ہو گیا اور بن عباس نے حکومت پر قبضہ کر لیا، بنی عباس کا پہلا بادشاہ ابوالعباس، سفاح اور دوسرا منصور دوانقی ہوئے ملاحظہ

ہو(اعلام الوری) تاریخ ابن الوردی ،تاریخ ائمہ ص ۴۳۶) ۔
اسی منصور نے ابنی حکومت کے دو سال گزرنے کے بعد امام جعفر صادق
علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دیا(انوار الحسینہ جلد ۱ ص ۵۰) ۔

عبدالملک بن مروان کے عہد میں آپ کا ایک مناظرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بے شمار علمی مناظرے فرمائے ہیں
آپ نے دہریوں، قدریوں، کافروں اور یہودیوں و نصاری کو ہمیشہ شکست فاش
دی ہے کسی ایک مناظرہ میں بھی آپ پر کوئی غلبہ حاصل نہیں
کر سکا، عہد عبدالملک بن مروان کا ذکر ہے کہ ایک قدریہ مذہب کا مناظر اس کے
دربار میں آکر علماء سے مناظرہ کا خوبش مند ہوا، بادشاہ نے حسب عادت اپنے
علماء کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اس قدریہ مناظر سے مناظرہ کرو علماء نے
اس سے کافی زور آزمائی کی مگر وہ میدان مناظرہ کا کھلاڑی ان سے نہ
ہاں سکا، اور تمام علماء عاجز آگئے اسلام کی شکست ہوتے ہوئے دیکھ کر
عبدالملک بن مروان نے فوراً ایک خط حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی
خدمت میں مدینہ روانہ کیا اور اس میں تاکید کی کہ آپ ضرور تشریف لائیں
حضرت امام محمد باقر کی خدمت میں جب اس کا خط پہنچا تو آپ نے اپنے
فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا کہ بیٹا میں ضعیف
ہو چکا ہوں تم مناظرہ کے لیے شام چلے جاؤ حضرت امام جعفر صادق علیہ
السلام اپنے پدر بزرگوار کے حسب الحکم مدینہ سے روانہ ہو کر شام پہنچ گئے۔

عبدالملک بن مروان نے جب امام محمد باقر علیہ السلام کے بجائے امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگا کہ آپ ابھی کم سن ہیں اور وہ بڑا پرانا مناظر ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ بھی اور علماء کی طرح شکست کھا جائیں، اس لیے مناسب نہیں کہ مجلس مناظرہ منعقد کی جائے حضرت نے ارشاد فرمایا، بادشاہ تو گھبرا نہیں، اگر خدانے چاہا تو میں صرف چند منٹ میں مناظرہ ختم کر دوں گا آپ کے ارشاد کی تائید درباریوں نے بھی کی اور موقعہ مناظرہ

پرفریقین

آگئے۔

چونکہ قدریوں کا اعتقاد ہے کہ بندہ ہی سب کچھ ہے، خدا کو بندوں کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں، اور نہ خدا کچھ کر سکتا ہے یعنی خدا کے حکم اور قضا و قدر و ارادہ کو بندوں کے کسی امر میں دخل نہیں لہذا حضرت نے اس کی پہلی کرنے کی خواہش پر فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم ”سورہ حمد“ پڑھو، اس نے پڑھنا شروع کیا جب وہ ”ایاک نعبد وایاک نستعین“ پر پہنچا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ میں صرف تیری عبادت کرتا ہوں اور بس تہجی سے مدد چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا، ٹہر جاؤ اور مجھے اس کا جواب دو کہ جب خدا کو تمہارے اعتقاد کے مطابق تمہارے کسی معاملہ میں دخل دینے کا حق نہیں تو پھر تم اس سے مدد کیوں مانگتے ہو، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا، بالآخر مجلس مناظرہ برخواست ہو گئی اور بادشاہ نے بے حدخوش

ہوا (تفسیر برہان جلد ۱ ص ۳۳)۔

ابوشاکر دیصانی کا جواب

ابوشاکر دیصانی جو لامذہب تھا حضرت سے کہنے لگا کہ کیا آپ خدا کا تعارف کرا سکتے ہیں اور اس کی طرف میری رہبری فرما سکتے ہیں آپ نے ایک طاؤس کا انڈا ہاتھ میں لے کر فرمایا دیکھو اس کی بالائی ساخت پر غور کرو، اور اندر کی بہتی ہوئی زردی اور سفیدی کا بنظر غائر دیکھو اور اس پر توجہ دو کہ اس میں رنگ برنگ کے طائر کیوں کر پیدا ہو جاتے ہیں کیا تمہاری عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ اس انڈے کا چھوٹے انداز میں بنانے والا اور اس سے پیدا کرنے والا کوئی ہے، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور دہریت سے باز آیا۔

اسی دیصانی کا واقعہ ہے کہ اس نے ایک دفعہ آپ کے صحابی ہشام بن حکم کے ذریعہ سے سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ کہ خدا ساری دنیا کو ایک انڈے میں سمودے اور نہ انڈا بڑھے اور نہ دنیا گھٹے آپ نے فرمایا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے کہا کوئی مثال؟ فرمایا مثال کے لیے مردمک چشم آنکھ کی چھوٹی پتلی کافی ہے اس میں ساری دنیا سما جاتی ہے، نہ پتلی بڑھتی ہے نہ دنیا گھٹتی ہے (اصول کافی ص ۴۳۳، جامع الاخبار)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اور حکیم ابن عیاش کلبی

ہشام بن عبدالملک بن مروان کے عہد حیات کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حکیم بن عیاش کلبی آپ لوگوں کی ہجو کرتا ہے حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تجھ کو اس کا کچھ کلام یاد ہو تو بیان کر اس نے دو شعر سنائے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے زید کو شاخ درخت خرمہ پر سولی دیدی، حالانکہ ہم نے نہیں دیکھا، کوئی مہدی دار پر چڑھایا گیا ہو اور تم نے اپنی بیوقوفی سے علی کو عثمان کے ساتھ قیاس کر لیا حالانکہ علی سے عثمان بہتر اور پاکیزہ تھا یہ سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے دعا کی بارہا اگر یہ حکیم کلبی جھوٹا ہے تو اس پر اپنی مخلوق میں کسی درندے کو مسلط فرما چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور حکیم کلبی کو راہ میں شیر نے ہلاک کر دیا (اصابہ ابن حجر عسقلانی جلد ۲ ص ۸۰)۔

ملا جامی تحریر کرتے ہیں کہ جب حکیم کلبی کے ہلاک ہونے کی خبر امام جعفر صادق علیہ السلام کو پہنچی تو انہوں نے سجدہ میں جا کر کہا کہ اس خدائے برتر کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے جو وعدہ فرمایا اسے پورا کیا (شواہد النبوت، صواعق محرقہ ص ۱۲۱، نور الابصار ص ۱۴۷)۔

۱۱۳ ھ میں امام جعفر صادق کا حج

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ نے ۱۱۳ ھ میں حج کیا اور وہاں خدائے دعا کی، خدانے بلا فصل انگور اور دو بہترین ردائیں بھیجیں آپ نے انگور خود بھی کھایا اور لوگوں کو بھی کھلایا اور ردائیں ایک سائل کو دیدیں۔

اس وقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ بعث بن سعد سنہ مذکورہ میں حج کے لیے گئے وہ نماز عصر پڑھ کر ایک دن کوہ ابوقبیس پر گئے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ایک نہایت مقدس شخص مشغول نماز ہے، پھر نماز کے بعد وہ سجدہ میں گیا اور یارب یارب کہہ کر خاموش ہو گیا، پھر یاحی یاحی کہا اور چپ ہو گیا، پھر یارحیم یارحیم کہا اور خاموش ہو گیا پھر یارحم الرحمین کہہ کر چپ ہو گیا پھر بولا خدا یا مجھے انگور چاہئے اور میری ردا بوسیدہ ہو گئی ہے دو ردائیں درکار ہیں۔

راوی حدیث بعث کہتا ہے کہ یہ الفاظ ابھی تمام نہ ہوئے تھے کہ ایک تازہ انگوروں سے بھری ہوئی زنبیل آمو جو ہوئی در اس پر دو بہترین چادریں رکھی ہوئی تھیں اس عابد نے جب انگور کھانا چاہا تو میں نے عرض کی حضور میں امین کہہ رہا تھا مجھے بھی کھلائیے، انہوں نے حکم دیا میں نے کھانا شروع کیا، خدا کی قسم ایسے انگور ساری عمر خواب میں بھی نہ نظر آئے تھے پھر آپ نے ایک چادر مجھے دی میں نے کہا مجھے ضرورت نہیں ہے اس کے بعد آپ نے ایک چادر پہن لی اور ایک اوڑھ لی پھر پہاڑ سے اتر کر مقام سعی کی طرف گئے میں ان کے ہمراہ تھا راستے میں ایک سائل نے کہا، مولامجھے چادر دیجئے خدا آپ کو جنت لباس سے آراستہ کرے گا آپ نے فوراً دونوں چادریں اس کے حوالے کر دیں میں نے اس سائل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے کہا امام زمانہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ سن کر میں ان کے پیچھے دوڑا کہ ان سے مل کر کچھ استفادہ کروں لیکن پھر وہ مجھے نہ مل

سکے (صواعق محرقہ ص ۱۲۱، کشف الغمہ ص ۶۶، مطالب السؤل ص ۲۷۷)۔

امام ابوحنیفہ کی شاگردی کا مسئلہ

یہ تاریخی مسلمات سے ہے کہ جناب امام ابوحنیفہ حضرت امام محمدباقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے لیکن علامہ تقی الدین ابن تیمیہ نے ہم عصر ہونے کی وجہ سے اس میں منکرانہ شبہ ظاہر کیا ہے ان کے شبہ کوشمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے رد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے ”ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے امام محمدباقر کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ وحدیث کے متعلق بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کافیز صحبت تھا امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا، جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاصر اور ہم عصر تھے اس لیے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیانست ، حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں ”وصاحب البیت ادری بما فیہا“ گھر والے ہی گھر کی تمام چیزوں سے واقف ہوتے ہیں (سیرة

النعمان ص ۴۵ ، طبع آگرہ)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعض نصائح وارشادات

علامہ شبلی نجی تحریر فرماتے ہیں :

۱ - سعید وہ ہے جو تنہائی میں اپنے کولوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف جھکا ہوا پائے ۔

۲ - جو شخص کسی برادر مومن کا دل خوش کرتا ہے خداوند عالم اس کے لیے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے اور قبر میں مونس تنہائی ، قیامت میں ثابت قدمی کا باعث ، منزل شفاعت میں شفیع اور جنت میں پہنچانے میں رہبر ہوگا۔

۳ - نیکی کا تکملہ یعنی کمال یہ ہے کہ اس میں جلدی کرو، اور اسے کم سمجھو، اور چھپا کے کرو۔

۴ - عمل خیر نیک نیتی سے کرنے کو سعادت کہتے ہیں۔

۵ - توبہ میں تاخیر نفس کا دھوکہ ہے۔ ۶ - چار چیزیں ایسی ہیں جن کی قلت کو کثرت سمجھنا چاہئے ۱۔ آگ، ۲۔ دشمنی، ۳۔ فقیر، ۴۔ مرض

۷۔ کسی کے ساتھ بیس دن رہنا عزیزداری کے مترادف ہے۔ ۸۔ شیطان کے غلبہ سے بچنے کے لیے لوگوں پر احسان کرو۔

۹۔ جب اپنے کسی بھائی کے وہاں جاؤ تو صدر مجلس میں بیٹھنے کے علاوہ اس کی ہر نیک خواہش کو مان لو۔

۱۰ - لڑکی (رحمت) نیکی ہے اور لڑکانعمت ہے خداہر نیکی پر ثواب دیتا ہے اور ہر نعمت پر سوال کرے گا۔

۱۱ - جو تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھے تم بھی اس کی عزت کرو، اور جو ذلیل سمجھے اس سے خودداری رتو۔ ۱۲ - بخشش سے روکنا خدا سے بدظنی ہے۔

۱۳ - دنیا میں لوگ باپ دادا کے ذریعہ سے متعارف ہوتے ہیں اور آخرت میں اعمال کے ذریعہ سے پہچانے جائیں گے۔

۱۴ - انسان کے بال بچے اس کے اسیر اور قیدی ہیں نعمت کی وسعت پر انہیں وسعت دینی چاہئے ورنہ زوال نعمت کا اندیشہ ہے۔

۱۵ - جن چیزوں سے عزت بڑھتی ہے ان میں تین یہ ہیں: ظالم سے بدلہ نہ لے، اس پر کرم گستری جو مخالف ہو، جو اس کا ہمدرد نہ ہو اس کے ساتھ ہمدردی کرے۔ ۱۶ - مومن وہ ہے جو غصہ میں جاہد حق سے نہ ہٹے اور خوشی سے باطل کی پیروی نہ کرے۔ ۱۷ - جو خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت کرے گا، مستغنی رہے گا۔ ۱۸ - جو دوسروں کی دولت مندی پر لالچائی نظریں ڈالے گا وہ ہمیشہ فقیر رہے گا۔ ۱۹ - جو راضی برضائے خدا نہیں وہ خدا پر اتہام تقدیر لگا رہا ہے۔

۲۰ - جو اپنی لغزش کو نظر انداز کرے گا وہ دوسروں کی لغزش کو بھی نظر میں نہ لائے گا۔ ۲۱ - جو کسی پر ناحق تلوار کھینچے گا تو نتیجہ میں خود مقتول ہوگا۔ ۲۲ - جو کسی کو بے پردہ کرنے کی سعی کرے گا خود برہنہ ہوگا۔ ۲۳ - جو کسی

کے لیے کنواں کھودے گا خود اس میں گرجائے گا ”چاہ کن راچاہ درپیش“
 ۲۴ - جو شخص بے وقوفوں سے راہ و رسم رکھے گا، ذلیل ہوگا، جو علماء کی
 صحبت حاصل کرے گا عزت پائے گا، جو بری جگہ دیکھے گا، بدنام ہوگا۔
 ۲۵ - حق گوئی کرنی چاہئے خواہ وہ اپنے لیے مفید ہو یا مضر۔ ۲۶ - چغل
 خوری سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں دشمنی اور عدوات کا بیج بوتی
 ہے۔

۲۷ - اچھوں سے ملو، بروں کے قریب نہ جاو، کیونکہ وہ ایسے پتھر ہیں جن میں
 جونک نہیں لگتی، یعنی ان سے فائدہ نہیں ہو سکتا (نور الابصار ص ۱۳۴)۔
 ۲۸ - جب کوئی نعمت ملے تو بہت زیادہ شکر کرو تاکہ اضافہ ہو۔ ۲۹ - جب
 روزی تنگ ہو تو استغفار زیادہ کیا کرو کہ ابواب رزق کھل جائیں۔
 ۳۰ - جب حکومت یا غیر حکومت کی طرف سے کوئی رنج پہنچے تو لاحول
 ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم زیادہ کہو تاکہ رنج دور ہو، غم کافور ہو، اور خوشی
 کا فوری ہو (مطالب السؤل ص ۲۵۷، ۲۷۴)۔

آپ کے اخلاق اور عادات و اوصاف

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ
 السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بازار بھیجا جب اس کی واپسی میں
 بہت دیر ہوئی تو آپ اس کو تلاش کرنے کے لیے نکل پڑے، دیکھا ایک جگہ
 لیٹا ہوا سو رہا ہے آپ اسے جگانے کے بجائے اس کے سرہانے بیٹھ گئے

اور پنکھا جھانے لگے جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ طریقہ اچھا نہیں ہے رات سونے کے لیے اور دن کام کاج کرنے کے لیے ہے آئندہ ایسا نہ کرنا (مناقب جلد ۵ ص ۵۲) -

علامہ معاصر مولانا علی نقی مجتہد العصر رقمطراز ہیں، آپ اسی سلسلہ عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوند عالم نے نوع انسانی کے لیے نمونہ کامل بنا کر پیدا کیا ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے خاص خاص اوصاف جن کے متعلق مورخین نے مخصوص طور پر واقعات نقل کیے ہیں مہمان نوازی، خیر و خیرات، مخفی طریقہ پر غربا کی خبر گیری، عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک عفو جرائم، صبر و تحمل وغیرہ ہیں۔

ایک مرتبہ ایک حاجی مدینہ میں وارد ہوا اور مسجد رسول میں سو گیا، آنکھ کھلی تو اسے شبہ ہوا کہ اس کی ایک ہزار کی تھیلی موجود نہیں ہے اس نے ادھر ادھر دیکھا، کسی کونہ پایا ایک گوشہ مسجد میں امام جعفر صادق علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے وہ آپ کو بالکل نہ پہنچانتا تھا آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میری تھیلی تم نے لی ہے حضرت نے پوچھا اس میں کیا تھا اس نے کہا ایک ہزار دینار، حضرت نے فرمایا، میرے ساتھ میرے مکان تک آؤ، وہ آپ کے ساتھ ہو گیا بیت الشرف میں تشریف لاکر ایک ہزار دینار اس کے حوالے کر دیئے، وہ مسجد میں واپس آ گیا اور اپنا اسباب اٹھانے لگا، تو خود اس کی دیناروں کی تھیلی اسباب میں نظر آئی، یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور دوڑتا ہوا امام کی

خدمت میں آیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے وہ ہزار دینا واپس کرنا چاہا، حضرت نے فرمایا ہم جو کچھ دیدیتے ہیں وہ پھر واپس نہیں لیتے۔ موجودہ زمانے میں یہ حالات سب ہی کی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہیں کہ جب یہ اندیشہ معلوم ہوتا ہے کہ اناج مشکل سے ملے گا تو جس کو جتنا ممکن ہو وہ اناج خرید کر رکھ لیتا ہے مگر امام جعفر صادق علیہ السلام کے کردار کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے آپ کے وکیل معقب نے کہا کہ ہمیں اس گرانی اور قحط کی تکلیف کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے جو بہت عرصہ تک کے لیے کافی ہوگا حضرت نے فرمایا یہ تمام غلہ فروخت کر ڈالو اس کے بعد جو حال سب کا ہوگا، وہی ہمارا بھی ہوگا جب غلہ فروخت کر دیا گیا تو فرمایا اب خالص گھیوں کی روٹی نہ پکا کرے، بلکہ آدھے گھیوں اور آدھے جو کی پکائی جائے، جہاں تک ممکن ہو ہمیں غریبوں کا ساتھ دینا چاہیے۔

آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرتے تھے مزدوروں کی بڑی قدر فرماتے تھے خود بھی تجارت فرماتے تھے اور اکثر اپنے باغوں میں مینہ نفس نفیس محنت بھی کرتے تھے ایک مرتبہ آپ بیلچہ ہاتھ میں لیے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم تر ہو گیا تھا، کسی نے کہا، یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمائیے کہ میں یہ خدمت انجام دوں حضرت نے فرمایا، طلب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں، غلاموں اور کنیزوں پر وہی مہربانی رہتی تھی جو اس

گھرانے کی امتیازی صفت تھی ۔

اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ یہ ہے کہ جسے سفیان ثوری نے بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ چہرہ مبارک کارنگ متغیر ہے، میں نے سبب دریافت کیا، تو فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی مکان کے کوٹھے پر نہ چڑھے، اس وقت جو میں گھرا آیا تو دیکھا کہ ایک کنیز جو ایک بچہ کی پرورش پر متعین تھی اسے گود میں لیے ہوئے زینہ سے اوپر جا رہی تھی مجھے دیکھا تو ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، اور اس صدمہ سے جاں بحق تسلیم ہو گیا مجھے بچہ کے مرنے کا اتنا صدمہ نہیں جتنا اس کارنج ہے کہ اس کنیز پر اتنا رعب و ہراس کیوں طاری ہوا، پھر حضرت نے اس کنیز کو پکار کر فرمایا، ڈرو نہیں میں نے تم کو راہ خدایاں آزاد کر دیا، اس کے بعد حضرت بچہ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے (صادق آل محمد ص ۱۲، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۵۴) ۔

کتاب مجانی الادب جلد ۱ ص ۶۷ میں ہے کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے تھے حضرت نے کھانے کے موقع پر اپنی کنیز کو کھانا لانے کا حکم دیا، وہ سالن کا بڑا پیالہ لے کر جب دسترخوان کے قریب پہنچی تو اتفاقاً پیالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا، اس کے گرنے سے امام علیہ السلام اور دیگر مہمانوں کے کپڑے خواب ہو گئے، کنیز کانپنے لگی اور آپ نے غصہ کے بجائے اسے راہ خدایاں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ توجو میرے خوف سے

کانپتی ہے شاید یہی آزاد کرنا کفارہ ہو جائے ۔
 پھر اسی کتاب کے ص ۶۹ میں ہے کہ ایک غلام آپ کا ہاتھ دھلا رہا تھا کہ دفعۃً
 لوٹا چھوٹ کر طشت میں گرا اور پانی اڑ کر حضرت کے منہ پر پڑا، غلام
 گھبراٹھا حضرت نے فرمایا ڈر نہیں، جامیں نے تجھے راہ خدام میں آزاد کر دیا۔
 کتاب تحفہ الزائر علامہ مجلسی میں ہے کہ آپ کے عادات میں امام حسین علیہ
 السلام کی زیارت کے لیے جاننا داخل تھا، آپ عہد سفاح اور زمانہ منصور میں بھی
 زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے کربلا کی آبادی سے تقریباً چار سو قدم
 شمال کی جانب، نہر علقمہ کے کنارے باغوں میں ”شریعہ صادق آل محمد اسی
 زمانہ سے بنا ہوا ہے (تصویر عزا ص ۶۰ طبع دہلی ۱۹۱۹ء)۔

کتاب اہلیچہ

علامہ مجلسی نے کتاب بحار الانوار کی جلد ۲ میں حضرت امام جعفر صادق
 علیہ السلام کی کتاب اہلیچہ کو مکمل طور پر نقل فرمایا ہے اس کتاب کے
 تصنیف کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ ایک ہندوستانی فلسفی
 حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے الہیات اور مابعد الطبیعات
 پر حضرت سے تبادلہ خیال کرنا چاہا حضرت نے اس سے نہایت مکمل
 گفتگو کی اور علم کلام کے اصول پر دہریت اور مادیت کو فنا کر چھوڑا، اس
 آخر میں کہنا پڑا کہ آپ نے اپنے دعویٰ کو اس طرح ثابت فرمادیا ہے کہ ارباب
 عقل کو مانے بغیر چارہ نہیں، تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام نے ہندی فلسفی سے جو گفتگو کی تھی اسے کتاب کی شکل میں مدون کر کے باب اہلبیت کے مشہور متکلم جناب مفضل بن عمر الجعفی کے پاس بھیج دیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ: اے مفضل میں نے تمہارے لیے ایک کتاب لکھی ہے جس میں منکرین خدا کی رد کی ہے، اور اس کے لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے پاس ہندوستان سے ایک طبیب (فلسفی) آیا تھا اور اس نے مجھ سے مباحثہ کیا تھا، میں نے جو جواب اسے دیا تھا، اسی کو قلم بند کر کے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔

حضرت صادق آل محمد کے فلک وقار شاگرد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کا شمار مشکل ہے بہت ممکن ہے کہ آئندہ سلسلہ تحریر میں آپ کے بعض شاگردوں کا ذکر آتا جائے، عام مورخین نے بعض ناموں کو خصوصی طور پر پیش کر کے آپ کی شاگردی کی سلک میں پرو کر انہیں معزز بتایا ہے۔ مطالب السؤل، صواعق محرقہ، نور الابصار وغیرہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ، یحییٰ بن سعید انصاری، ابن جریج، امام مالک ابن انس، امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ایوب سجستانی وغیرہ کا آپ کے شاگردوں میں خاص طور پر ذکر ہے (تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص ۱۳۰، خیر الدین زرکلی کی الاعلام ص ۱۸۳، طبع مصر محمد فرید وجدی کی ادارہ معارف القرآن کی جلد ۳ ص ۱۰۹ / طبع مصر میں ہے وکان تلمیذہ ابو موسیٰ جابر بن حیان الصوفی

الطرسوسی آپ کے شاگردوں میں جابر بن حیان صوفی طرسوسی بھی ہیں۔ آپ کے بعض شاگردوں کی جلالت قدر اور ان کی تصانیف اور علمی خدمات پر روشنی ڈالنی تو بے انتہا دشوار ہے اس لیے اس مقام پر صرف جابر بن حیان طرسوسی جو کہ انتہائی باکمال ہونے کے باوجود شاگرد امام کی حیثیت سے عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

امام الکیمیاجناب جابر ابن حیان طرسوسی ۔

آپ کا پورا نام ابو موسیٰ جابر بن حیان بن عبدالصمد الصوفی الطرسوسی الکوفی ہے آپ ۷۴۲ء میں پیدا ہوئے اور ۸۰۳ء میں انتقال فرما گئے بعض محققین نے آپ کی وفات ۸۱۳ء بتائی ہے لیکن ابن ندیم نے ۷۷۷ء لکھا ہے انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک ہسٹری میں ہے کہ استاد اعظم جابر بن حیان بن عبداللہ، عبدالصمد کوفہ میں پیدا ہوئے وہ طوسی النسل تھے اور آزاد نامی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے خیالات میں صوف تھا اور یمن کارہنے والاتھا، اوئل عمر میں علم طبیعیات کی تعلیم اچھی طرح حاصل کر لی اور امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر کی فیض صحبت سے امام الفن ہو گیا۔ تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر بن حیان نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ساری کائنات میں کوئی ایسا نہیں جو امام کی طرح سارے علوم پر بول سکے الخ۔ تاریخ آئمہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تصنیفات کا ذکر کرتے

ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کتاب
 کیمیا جفر رمل پر لکھی تھی حضرت کے شاگرد و مشہور و معروف
 کیمیا گر جابر بن حیان جو یورپ میں جبر کے نام سے مشہور ہیں جابر صوفی
 کالقب دیا گیا تھا اور ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق
 رکھتے تھے، ان جابر بن حیان نے ہزاروں ورق کی ایک کتاب تالیف کی تھی
 جس میں حضرت امام جعفر صادق کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا، علامہ
 ابن خلکان کتاب و فیات الاعیان جلد ۱ ص ۱۳۰ طبع مصر میں حضرت امام
 جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :
 حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقالات علم کیمیا اور علم جفر و فال
 میں موجود ہیں اور جابر بن حیان طرسوسی آپ کے شاگرد تھے، جنہوں نے
 ایک ہزار ورق کی کتاب تالیف کی تھی، جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام
 کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا، علامہ خیر الدین زرکلی نے بھی الاعلام
 جلد ۱ ص ۱۸۲ طبع مصر میں یہی کچھ لکھا ہے، اس کے بعد تحریر کیا ہے کہ
 ان کی بے شمار تصانیف ہیں جن کا ذکر ابن ندیم نے اپنی فہرست میں کیا ہے
 علامہ محمد فرید وجدی نے دائرئہ معارف القرآن الرابع عشر کی ج ۳ ص ۹۰۱
 طبع مصر میں بھی لکھا ہے کہ جابر بن حیان نے امام جعفر صادق کے پانچ سو
 رسائل کو جمع کر کے ایک کتاب ہزار صفحے کی تالیف کی تھی، علامہ ابن
 خلدون نے بھی مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر ص ۳۸۵ میں علم کیمیا میں علم
 کیمیا کا ذکر کرتے ہوئے جابر بن حیان کا ذکر کیا ہے اور فاضل ہنسوی نے اپنی

ضخیم کتاب اور کتاب خانہ غیر مطبوعہ میں بحوالہ مقدمہ ابن خلدون ص ۵۷۹
 طبع مصر میں لکھا ہے کہ جابر بن حیان علم کیمیا کے مدون کرنے والوں کا امام
 ہے، بلکہ اس علم کے ماہرین نے اس کو جابر سے اتنا مخصوص کر دیا ہے کہ ا
 س علم کا نام ہی ”علم جابر“ رکھ دیا ہے (الجواد شماره ۱۱ جلد ۱ ص ۹)۔
 مورخ ابن القطفی لکھتے ہیں کہ جابر بن حیان کو علم طبیعیات اور کیمیا میں تقدم
 حاصل ہے ان علوم میں اس نے شہرہ افق کتابیں تالیف کی ہیں ان کے علاوہ
 علوم فلسفہ وغیرہ میں شرف کمال پر فائز تھے اور یہ تمام کمالات سے
 بھرپور ہونا علم باطن کی پیروی کا نتیجہ تھا ملاحظہ ہو (طبقات الامم ص ۹۵
 و اخبار الحکام ص ۱۱۱ طبع مصر)۔

پیام اسلام جلد ۷ ص ۱۵ میں ہے کہ یہ وہی خوش قسمت مسلمان ہے جسے
 حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی کا شرف حاصل تھا، اس کے
 متعلق جنوری ۲۵ء میں سائنس پروگریس نوشتہ جے ہولم یارڈ ایم اے ایف
 آئی سی آفیسر اعلیٰ شعبہ سائنس کفٹن کالج برسٹل نے لکھا ہے کہ علم کیمیا
 کے متعلق زمانہ وسطیٰ کی اکثر تصانیف ملتی ہیں جن میں گیبیر کا ذکر آتا ہے
 اور عام طور پر گیبیر ابن حین اور بعض دفعہ گیبیر کی بجائے جیبیر بھی دیکھا گیا ہے
 اور گیبیر یا جیبیر دراصل جابر ہے، چنانچہ جہاں کہیں بھی لاطینی کتب میں
 گیبیر کا ذکر آتا ہے وہاں مراد عربی ماہر کیمیا جابر بن حیان ہی ہے جسے () کے
 بجائے () کا آنا جانا آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے لاطینی میں جے کے مترادف
 کوئی آواز اور بعض علاقوں مثلاً مصر وغیرہ میں جے کو اب بھی بطور (جی)

یعنی (گ) استعمال کیا جاتا ہے اس کے علاوہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں سائنس کیمسٹری وغیرہ کا چرچہ بہت ہو چکا ہے اور اس علم کے جاننے والے دنیا کے گوشہ گوشہ سے کھینچ کر دربار خلافت سے منسلک ہو رہے تھے جابر بن حیان کا زمانہ بھی کم و بیش اس ہی دور میں پھیلتا تھا پچھلے بیس پچیس سال میں انگلستان اور جرمنی میں جابر کے متعلق بہت سی تحقیقات ہوئی ہیں لاطینی زبان میں علم کیمیا کے متعلق چند کتب سینکڑوں سال سے اس مفکر کے نام سے منسوب ہیں جس میں مخصوص ۱ - سما ۲ - برفیکشن ۳ - ڈی انویسٹی پرفیکشن ۴ - ڈی انویسٹی گیشن ورٹیلس ۵ - ٹٹیابہن لیکن ان کتابوں کے متعلق اب تک ایک طولانی بحث ہے اور اس وقت مفکرین یورپ انہیں اپنے یہاں کی پیداوار بتاتے ہیں اس لیے انہیں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جابر کو حرف (جی) (گ) سے پکاریں اور بجائے عربی النسل کے اسے یورپین ثابت کریں۔

حالانکہ سما کے کئی طبع شدہ ایڈیشنوں میں گیبرکو عربی ہی کہا گیا ہے رسل کے انگریزی ترجمہ میں اسے ایک مشہور عربی شہزادہ اور منطقی کہا گیا ہے ۱۵۴۱ء میں کی نورن برگ کے ایڈیشن میں وہ صرف عرب ہے اسی طرح اور بہت سے قلمی نسخے ایسے مل جاتے ہیں جن میں کہیں اسے ایرانیوں کے بادشاہ سے یاد کیا گیا ہے کسی جگہ اسے شاہ بند کہا گیا ہے ان اختلافات سے سمجھ میں آتا ہے کہ جابر بر اعظم ایشیا سے نہ تھا بلکہ اسلامی عرب کا ایک درخشندہ ستارہ تھا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک کیمسٹری کے مطابق جعفر برمکی کے ذریعہ سے جابر بن حیان کا خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں آنا جانا شروع ہو گیا چنانچہ انہوں نے خلیفہ کے نام سے علم کیمیا میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ”شگوفہ“ رکھا اس کتاب میں اس نے علم کیمیا کے جلی و خفی پہلوؤں کے متعلق نہایت مختصر طریقے نہایت ستھرا طریق عمل اور عجیب و غریب تجربات بیان کئے جابر کی وجہ ہی سے قسطنطنیہ سے دوسری دفعہ یونانی کتب بڑی تعداد میں لائی گئیں ۔

منطق میں علامہ دہر مشہور ہو گیا اور نوے سال سے کچھ زائد عمر میں اس نے تین ہزار کتابیں لکھیں اور ان کتابوں میں سے وہ بعض پرناز کرتا تھا اپنی کسی تصنیف کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ ”روئے زمین پر ہماری اس کتاب کے مثل ایک کتاب بھی نہیں ہے نہ آج تک ایسی کتاب لکھی گئی ہے اور نہ قیامت تک لکھی جائے گی (سرفراز ۲ / دسمبر ۱۹۵۲ ء)۔

فاضل ہنسوی اپنی کتاب ”و کتاب خانہ“ میں لکھتے ہیں کہ جابر کے انتقال کے بعد دو برس بعد عزالدولہ ابن معز الدولہ کے عہد میں کوفہ کے شارع باب الشام کے قریب جابر کی تجربہ گاہ کا انکشاف ہوا چکاتھا جس کو کھودنے کے بعد بعض کیمیاوی چیزیں اور آلات بھی دستیاب ہوئے ہیں (فہرست ابن الندیم ۴۹۹) ۔

جابر کے بعض قدیمی مخطوطات برٹش میوزیم میں اب تک موجود ہیں جن میں سے کتاب الخواص قابل ذکر ہے اسی طرح قرون وسطی میں بعض کتابوں

کاترجمہ لاطینی میں کیا گیا منجملہ ”ان تراجم کے کتاب“ سبعین بھی ہے جو ناقص و ناتمام ہے اسی طرح ”البحث عن الکمال“ کاترجمہ بھی لاطینی میں کیا جا چکا ہے یہ کتاب لاطینی زبان میں کیمیا پر یورپ کی زبان میں سب سے پہلی کتاب ہے اسی طرح اور دوسری کتابیں بھی مترجم ہوئیں جابر نے کیمیا کے علاوہ طبیعیات، ہیئت، علم رویا، منطق، طب اور دوسرے علوم پر بھی کتابیں لکھیں اس کی ایک کتاب سمیات پر بھی ہے ۔

یوسف الیاس سرکس صاحب معجم المطبوعات بتلاتے ہیں کہ جابر بن حیان کی ایک نفیس کتاب سمیات پر بھی ہے جو کتب خانہ تیموریہ قاہرہ مصر میں بہ ضمن مخطوطات ہے ان میں چند ایسے مقالات کو جو بہت مفید تھے بعد کرئہ حروف نے رسالہ مقتطف جلد ۵۸، ۵۹ میں شائع کیا ہے ملاحظہ ہو (معجم ۱ لمطبوعات العربیہ المعربہ جلد ۳ حرف جیم ص ۶۶۵) ۔

جابر بحیثیت ایک طبیب کے کام کرتا تھا لیکن اس کی طبی تصانیف ہم تک نہ پہنچ سکیں، حالانکہ اس مقالہ کا لکھنے والا یعنی ڈاکٹر ماکس می یرہاف نے جابر کی کتاب کو جو سموم پر ہے حال ہی میں معلوم کر لیا ہے۔

جابر کی ایک کتاب جس کو مع متن عربی اور ترجمہ فرانسیسی پول کراؤ متشرق نے ۱۹۳۵ء میں شائع کیا ہے ایسی بھی ہے جس میں اس نے تاریخ انتشار آرا و عقائد و افکار ہندی، یونانی اور ان تغیرات کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں نے کئے ہیں اس کتاب کا نام ”اخراج مافی القوة الی الفعل“ ہے (الجوادج

۹،۱۰ ص ۱۰ طبع بنارس)۔

صادق آل محمد کے علمی فیوض و برکات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جنہیں راسخین فی العلم میں ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو علم اولین و آخرین سے آگاہ اور دنیا کی تمام زبانوں سے واقف ہیں جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے میں ان کے تمام علمی فیوض و برکات پر تھوڑے اوراق میں کیا روشنی ڈال سکتا ہوں میں نے آپ کے حالات کی چھان بین کی ہے اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر مجھے فرصت ملے، تو تقریباً چھ ماہ میں آپ کے علوم اور فضائل و کمالات کا کافی ذخیرہ جمع کیا جاسکتا ہے آپ کے متعلق امام مالک بن انس لکھتے ہیں میری آنکھوں نے علم و فضل و روع و تقویٰ میں امام جعفر صادق سے بہتر دیکھا ہی نہیں جیسا کہ اوپر گذرا وہ بہت بڑے لوگوں میں سے تھے اور بہت بڑے زاہد تھے خدا سے بے پناہ ڈرتے تھے، بے انتہا حدیث بیان کرتے تھے، بڑی پاک مجلس والے اور کثیر الفوائد تھے، آپ سے مل کر بے انتہاء فائدہ اٹھایا جاتا تھا (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۵۲ طبع بمبئی)۔

علمی فیوض رسانی کا موقع

یوں تو ہمارے تمام ائمہ اہلبیت علمی فیوض و برکات سے بھر پور تھے اور علم اولین و آخرین کے مالک، لیکن دنیا والوں نے ان سے فائدہ اٹھانے کے بجائے انہیں قید و بند میں رکھ کر علوم و فنون کے خزانے پر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے

ناگ بٹھادیئے تھے اس لئے ان حضرات کے علمی کمالات کماحقہ، منظر عام پر نہ آسکے ورنہ آج دنیا کسی علم میں خاندان رسالت مآب کے علاوہ کسی کی محتاج نہ ہوتی فاضل معاصر مولانا سبط الحسن صاحب ہنسوی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۴۸ ھ کا عہد معارف پروری کے لحاظ سے ایک زرین عہد تھا، وہ رکاوٹیں جو آپ سے قبل آئمہ اہل بیت کے لیے پیش آیا کرتی تھیں ان میں کسی حد تک کمی تھی، اموی حکومت کی تباہی اور عباسی سلطنت کا استحکام آپ کے لیے سکون و امن کا سبب بنا اس لیے حضرت کو مذہب اہلبیت کی اشاعت اور علوم و فنون کی ترویج کا ایک بہترین موقع ملا لوگوں کو بھی ان عالمان ربانی کی طرف رجوع کرنے میں اب کوئی خاص زحمت نہ تھی جس کی وجہ سے آپ کی خدمت میں علاوہ حجاز کے دور دراز مقامات مثل عراق، شام، خراسان، کابل سندھ ہند اور بلادروم، فرنگ کے طلباء و شائقین علم حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے حضرت کے حلقہ درس میں چار ہزار اصحاب تھے علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کتاب الارشاد میں فرماتے ہیں :

ترجمہ : لوگوں نے آپ کے علوم کو نقل کیا جنہیں تیز سوار منازل بعیدہ کی طرف لے گئے اور آوازہ آپ کے کمال کا تمام شہروں میں پھیل گیا اور علماء نے اہل بیت میں کسی سے بھی اتنے علوم و فنون کو نہیں نقل کیا ہے جو آپ سے روایت کرتے ہیں اور جن کی تعداد چار ہزار ہے غیر عرب طالبان علم سے ایک رومی النسل بزرگ زرارہ بن اعین متوفی ۱۵۰ ھ قابل ذکر ہیں جن کے

داداسنسن بلادردم کے ایک مقدس راہب (Nonk) تھے زرارہ اپنی خدمات علمیہ کے اعتبار سے اسلامی دنیا میں کافی شہرت رکھتے تھے اور صاحب تصانیف تھے (کتاب الاستطاعت والجبران کی مشہور تصنیف ہے (منہج المقال ص ۱۴۲ ، مولفوالشیعة فی صدر اسلام ص ۵۱) ۔

کتاب اصول اربعمائیة

حضرت کے اصحاب میں چار سو ایسے س مصنفین تھے جنہوں نے علاوہ دیگر علوم و فنون کے کلام معصوم کو ضبط کر کے چار سو کتب اصول مدون کیں اصل سے مراد مجموعہ احادیث اہلبیت کی وہ کتابیں ہیں جن میں جامع نے خود براہ راست معصوم سے روایت کر کے احادیث کو ضبط تحریر کیا ہے یا ایسے راوی سے سنا ہے جو خود معصوم سے روایت کرتا ہے اس قسم کی کتاب میں جامع کی دوسری کتاب یا روایت سے معنعنا (عن فلاں عن فلاں) کے ساتھ نہیں نقل کرتا جس کی سند میں اور وسائط کی ضرورت ہو اس لیے کتب اصول میں خطا و غلط سہو و نسیان کا احتمال بہ نسبت اور دوسری کتابوں کے بہت کم ہے کتب اصول کے زمانہ تالیف کا انحصار عہد امیر المومنین سے لے کر امام حسن عسکری کے زمانہ تک ہے جس میں اصحاب معصومین نے بالمشاذا معصوم سے روایت کر کے احادیث کو جمع کیا ہے یا کسی ایسے ثقہ راوی سے حدیث معصوم کو اخذ کیا ہے جو براہ راست معصوم سے روایت کرتا ہے شیخ ابوالقاسم جعفر بن سعید المعروف بالمحقق الحلی اپنی کتاب المعبر میں

فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے جوابات مسائل کو چار سو مصنفین اصحاب امام نے تحریر کر کے چار سو تصانیف مکمل کی ہیں۔

صادق آل محمد کے اصحاب کی تعداد اور ان کی تصانیف

آگے چل کر فاضل معاصر الجواد میں بحوالہ کتاب و کتب خانہ لکھتے ہیں کتب رجال میں جن اصحاب ائمہ کے حالات و تراجم مذکور ہیں، ان کی مجموعی تعداد چار ہزار پانچ سو اصحاب ہیں جن میں سے صرف چار ہزار اصحاب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہیں سب کا تذکرہ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ نے اپنی کتاب رجال میں کیا ہے اور شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی نے بھی ان سب کا احصاء اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔ معصومین علیہم السلام کے تمام اصحاب میں سے مصنفین کی جملہ تعداد ایک ہزار تین سو سے زائد نہیں ہے جنہوں نے سینکڑوں کی تعداد میں کتب اصول اور ہزاروں کی تعداد میں دوسری کتابیں تالیف اور تصنیف کی ہیں جن میں سے بعض مصنفین اصحاب ائمہ تو ایسے تھے جنہوں نے تنہا سینکڑوں کتابیں لکھیں۔

فضل بن شاذان نے ایک سو اسی کتابیں تالیف کی ہیں، ابن دول نے سو کتابیں لکھیں ہیں اسی طرح برقی نے بھی تقریباً سو کتابیں لکھیں، ابن عمیر نے نوے کتابیں لکھیں اور اکثر اصحاب ائمہ ایسے تھے جنہوں نے تیس یا چالیس سے

زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں غرضیکہ ایک ہزار تین سو مصنفین اصحاب آئمہ نے تقریباً پانچ ہزار تصانیف کیں، مجمع البحرین میں لفظ جبر کے ماتحت ہے کہ صرف ایک جابر الجعفی، امام جعفر صادق علیہ السلام کے ستر ہزار احادیث کے حافظ تھے۔

تاریخ اسلام جلد ۵ ص ۳ میں ہے کہ ابان بن تغلب بن رباح (ابوسعید) کوفی صرف امام جعفر صادق علیہ السلام کی تیس ہزار احادیث کے حافظ تھے ان کی تصانیف میں تفسیر غریب القرآن کتاب المفرد، کتاب الفضائل، کتاب الصغیر قابل ذکر ہیں، یہ قاری فقیہ لغوی محدث تھے، انہیں حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام محمد باقر، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا ۱۴۱ ھ میں انتقال کیا۔

حضرت صادق آل محمد اور علم طب

علامہ ابن بابویہ انفی کتاب الخصائل جلد ۲ باب ۱۹ ص ۹۷، ۹۹ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک مشہور طبیب منصور دوانقی کے دربار میں طلب کیا گیا، بادشاہ نے حضرت سے اس کی ملاقات کرائی، امام جعفر صادق علیہ السلام نے علم تشریح الاجسام اور افعال الاعضاء کے متعلق اس سے انیس سوالات کئے وہ اگرچہ اپنے فن میں پورا کمال رکھتا تھا لیکن جواب نہ دے سکا بالآخر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا، علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اس طبیب سے حضرت نے بیس سوالات کئے تھے اور اس انداز سے

پراز معلومات تقریر فرمائی کہ وہ بول اٹھا ”من این لک ہذا العلم“ اے حضرت یہ بے پناہ علم آپ نے کہاں سے حاصل فرمایا؟ آپ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ دادا سے ، انہوں نے محمد مصطفیٰ صلعم سے ، انہوں نے جبرئیل سے ، انہوں نے خداوند عالم سے اسے حاصل کیا ہے ، جس نے اجسام و ارواح کو پیدا کیا ہے ”فقال الہندی صدقت۔“ اس نے کہا ہے شک آپ نے سچ فرمایا، اس کے بعد اس نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور کہا ”انک اعلم اہل زمانہ“ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ عہد حاضر کے سب سے بڑے عالم ہیں (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۱ ص ۴۵ طبع بمبئی)۔

حضرت صادق آل محمد کا علم القرآن

مختصر یہ کہ آپ کے علمی فیوض و برکات پر مفصل روشنی ڈالنی تو دشوار ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے ، البتہ صرف یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ علم القرآن کے بارے میں دمعه ساکبہ ص ۴۸۷ پر آپ کا قول موجود ہے وہ فرماتے ہیں خدا کی قسم میں قرآن مجید کو اول سے آخر تک اس طرح جانتا ہوں گویا میرے ہاتھ میں آسمان و زمین کی خبریں ہیں، اور وہ خبریں بھی ہیں جو ہو چکی ہیں، اور ہو رہی ہیں اور جو ہونے والی ہیں اور کیوں نہ ہو جبکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس پر ہر چیز عیاں ہے ایک مقام پر آپ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء اور رسل کے علوم کے وارث ہیں (دمعه ساکبہ ص ۴۸۸)۔

علم النجوم

علم النجوم کے بارے میں اگر آپ کے کمالات دیکھنا ہوں تو کتب طوال
 کامطالعہ کرنا چاہئے آپ نے نہایت جلیل علماء علم النجوم سے مباحثہ
 اور مناظرہ کر کے انہیں انگشت بدندان کر دیا ہے ، بحار الانوار ، مناقب شہر آشوب
 ، دمعه ساکبہ ، وغیرہ میں آپ کے مناظرے موجود ہیں علماء کافصلہ ہے کہ
 علم نجوم حق ہے لیکن اس کا صحیح علم آئمہ اہلبیت کے علاوہ کسی کو نصیب
 نہیں ، یہ دوسری بات ہے کہ حلقہ گوشان مودت نور ہدایت سے کسب ضیا
 کر لیں۔

علم منطق الطیر

صادق آل محمد دیگر آئمہ کی طرح منطق الطیر سے بھی باقاعدہ واقف تھے ،
 جو پرندہ یا کوئی جانور آپس میں بات چیت کرتا تھا اسے آپ سمجھ لیا کرتے تھے
 اور بوقت ضرورت اس کی زبان میں تکلم فرمایا کرتے تھے مثال کے لیے
 ملاحظہ ہو ، کتاب تفسیر لباب التاویل جلد ۵ ص ۱۱۳ ، معالم التنزیل ص ۱۱۳
 ، عجائب القصص ص ۱۰۵ ، نور الابصار ص ۳۱۱ ، طبع ایران میں ہے کہ
 صادق آل محمد نے قبر نامی پرندہ جس کو (چکور) یا چنڈول کہتے ہیں کہ
 بولتے ہوئے اصحاب سے فرمایا کہ تم جانتے ہے یہ کیا کہتا ہے اصحاب نے
 صراحت کی خواہش کی تو فرمایا یہ کہتا ہے ”اللہم العن مبغضی محمد و آل
 محمد“ خدایا محمد ، آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت کر ، فاختہ کی
 آواز پر آپ نے کہا کہ اسے گھر میں نہ رہنے دو ، یہ کہتی ہے کہ ”فقدتم فقدتم“

خدا تمہیں نیست و نابود کرے، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام صادق علیہ السلام اور علم الاجسام

مناقب بن شہر آشوب اور بحار الانوار جلد ۱۴ میں ہے کہ ایک عیسائی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم طب کے متعلق سوالات کرتے ہوئے جسم انسان کی تفصیل پوچھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے انسان کے جسم میں ۱۲ وصل دوسواڑتالیس ہڈیاں اور تین سوساٹھ رگیں خلق فرمائی ہیں، رگیں تمام جسم کو سیراب کرتی ہیں، ہڈیاں جسم کو، گوشت ہڈیوں کو اور اعصاب گوشت کو روکے رہتے ہیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام کی انجام بینی اور دور اندیشی

مورخین لکھتے ہیں کہ جب بنی عباس اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ بنی امیہ کو ختم کر دیں، تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ آل رسول کی دعوت کا حوالہ دئیے بغیر کام چلنا مشکل ہے لہذا وہ امداد و انتقام آل محمد کی طرف دعوت دینے لگے اور یہی تحریک کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے جس سے عام طور پر آل محمد یعنی بنی فاطمہ کی اعانت سمجھی جاتی تھی، اسی وجہ سے شیعیان بنی فاطمہ کو بھی ان سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ان کے معاون ہو گئے تھے اور اسی سلسلہ میں ابو سلمہ جعفر بن سلیمان کوفی آل محمد کی طرف سے وزیر تجویز کئے تھے یعنی یہ گماشتہ کے طور پر تبلیغ کرتے تھے انہیں امام وقت کی طرف سے کوئی اجازت حاصل نہ تھی، یہ بنی کے مقابلہ میں بڑی

کامیابی سے کام کر رہے تھے جب حالات زیادہ سازگار نظر آئے تو انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام اور ابو محمد عبد اللہ بن حسن کو الگ الگ ایک ایک خط لکھا کہ آپ یہاں آجائیں تاکہ آپ کی بیعت کی جائے۔ قاصد اپنے اپنے خطوط لے کر منزل تک پہنچے، مدینہ میں جس وقت قاصد پہنچا وہ رات کا وقت تھا، قاصد نے عرض کی مولا میں، ابوسلمہ کا خط لایا ہوں حضور اسے ملاحظہ فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔ یہ سن کر حضرت نے چراغ طلب کیا اور خط لے کر اسی وقت پڑھے بغیر نذر آتش کر دیا اور قاصد سے فرمایا کہ ابوسلمہ سے کہنا کہ تمہارے خط کا یہی جواب تھا۔

ابھی وہ قاصد مدینہ پہنچا بھی نہ تھا کہ ۳/ربیع الاول ۱۲۳ ھ کو جمعہ کے دن حکومت کا فیصلہ ہو گیا اور سفاح عباسی خلیفہ بنایا جا چکا تھا (مروج الذهب مسعودی بر حاشیہ کامل جلد ۸ ص ۳۰، تاریخ الخلفاء ص ۲۷۲، حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص ۷۴، تاریخ ائمہ ص ۴۳۳)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا دربار منصور میں ایک طبیب بندی سے تبادلہ خیالات

علامہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی بن شہر آشوب ما زندرانی المتوفی ۵۸۸ ھ نے دربار منصور کا ایک اہم واقعہ نقل فرمایا ہے جس میں مفصل طور پر یہ واضح کیا ہے کہ ایک طبیب جس کو اپنی قابلیت پر بڑا بہرہ رسہ اور غرور تھا وہ

امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کس طرح سپر انداختہ ہو کر آپ کے کمالات کا معترف ہو گیا ہم موصوف کی عربی عبارت کا ترجمہ اپنے فاضل معاصر کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور دوانقی کے دربار میں تشریف فرما تھے، وہاں ایک طبیب ہندی کی باتیں بیان کر رہا تھا اور حضرت خاموش بیٹھے سن رہے تھے جب وہ کہہ چکا تو حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اگر کچھ پوچنا چاہیں تو شوق سے پوچھیں، آپ نے فرمایا، میں کیا پوچھوں، مجھے تجھ سے زیادہ معلوم ہے (طیب اگر یہ بات ہے تو میں بھی کچھ سنوں -

امام : جب کسی مرض کا غالبہ ہو تو اس کا علاج ضد سے کرنا چاہئے یعنی حار گرم کا علاج سرد سے ترکا خشک سے، خشک کاتر سے اور بر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھے یاد رکھو معده تمام بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سودا کی ایک دوا ہے جس چیز کا انسان عادی ہو جاتا ہے اس کے مزاج کے موافق اورا سکی صحت کا سبب بن جاتی ہے -
طیب: بے شک آپ نے جو بیان فرمایا ہے اصلی طب ہے۔
امام : اچھا میں چند سوال کرتا ہوں، ان کا جواب دے : آنسووں اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے؟ سر پر بال کیوں ہے؟ پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے؟ پیشانی پر خط اور شکن کیوں ہے؟ دونوں پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں؟ ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے؟ منہ پر دو ہونٹ کیوں بنائے گئے

ہیں؟ سامنے کے دانت تیز اور ڈاڈھ چوڑی کیوں ہے؟ اور ان دونوں کے درمیان میں لمبے دانت کیوں ہیں؟ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں؟ مردوں کے ڈاڈھی کیوں ہوتی ہے؟ ناخن اور بالوں میں جان کیوں نہیں؟ دل صنبوری شکل کا کیوں ہوتا ہے؟ پھیپڑے کے دو ٹکڑے کیوں ہوتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ حرکت کیوں کرتا ہے؟ جگر کی شکل محدب کیوں ہے، گردے کی شکل لوبے کے دانے کی طرح کیوں ہوتی ہے گھٹنے آگے کو جھکتے ہیں پیچھے کو کیوں نہیں جھکتے؟ دونوں پاؤں کے تلوے پیچ سے خالی کیوں ہیں؟ طبیب: میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔

امام : بفضل خدامین ان سب باتوں کا جواب جانتا ہوں - طبیب بیان فرمائے۔

امام علیہ السلام : ۱ - سراگر آنسوؤں اور رطبتوں کا مرکز نہ ہوتا تو خشکی کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

۲ - بال اس لیے سر پر ہیں کہ ان کی جڑوں سے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتا ہے اور بہت سے دماغی انجرے نکلتے رہیں دماغ گرمی اور زیادہ سردی سے محفوظ رہے۔

۳ - پیشانی اس لیے بالوں سے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں میں نور پہنچتا ہے۔

۴ - پیشانی میں خطوط اور شکن اس لیے ہیں کہ سر سے جو پیشینہ گرے وہ آنکھوں میں نہ پڑ جائے، جب شکنوں میں پیشینہ جمع ہو تو انسان اسے پونچھ کر پھینک دے جس طرح زمین پر پانی جاری ہوتا ہے تو گڑھوں میں جمع

ہوجاتا ہے۔

۵۔ پلکیں اس لیے آنکھوں پر قرار دی گئی ہیں کہ آفتاب کی روشنی اسی قدر ان پر پڑے جتنی کہ ضرورت ہے اور بوقت ضرورت بند ہو کر مردمک چشم کی حفاظت کر سکیں نیز سونے میں مدد دے سکیں، تم نے دیکھا ہوگا کہ جب انسان زیادہ روشنی میں بلندی کی طرف کسی طرف کسی چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہاتھ کو آنکھوں کے اوپر رکھ کر سایہ کر لیتا ہے۔

۶۔ ناک دونوں آنکھوں کے بیچ میں اس لیے قرار دیا ہے کہ مجمع نور سے روشنی تقسیم ہو کر برابر دونوں آنکھوں کو پہنچے۔

۷۔ آنکھوں کو بادامی شکل کا اس لیے بنایا ہے کہ بوقت ضرورت سلائی کے ذریعہ سے دوا (سرہ وغیرہ) اس میں آسانی سے پہنچ جائے، اگر آنکھ چوکور یا گول ہوتی تو سلائی کا اس میں پہرنا مشکل ہوتا دوا اس میں بخوبی نہ پہنچ سکتی اور بیماری دفع نہ ہوتی۔

۸۔ ناک کا سوراخ نیچے کو اس لیے بنایا کہ دماغی رطوبتیں آسانی سے نکل سکیں، اگر اوپر کو ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی اور دماغ تک کسی چیز کی بوبھی جلدی نہ پہنچ سکتی

۹۔ ہونٹ اس لیے منہ پر لگائے گئے کہ جو رطوبتیں دماغ سے منہ میں آئیں وہ رکی رہیں اور کھانا بھی انسان کے اختیار میں رہے جب چاہے پھینک اور تھوک دے۔

۱۰۔ داڑھی مردوں کو اس لیے دی کہ مرد اور عورت میں تمیز ہو جائے۔

۱۱ - اگلے دانت اس لیے تیز ہیں کہ کسی چیز کا کاٹنا یا کھٹکھٹا سہل ہو، اور ڈاڈھ کو چوڑا اس لیے بنایا کہ غذا پسنا اور چبانا آسان ہو، ان دونوں کے درمیان لمبے دانت اس لیے بنائے کہ ان دونوں کے استحکام کے باعث ہوں، جس طرح مکان کی مضبوطی کے لیے ستون (کھمبے) ہوتے ہیں۔

۱۲ - ہتھیلوں پر بال اس لیے نہیں کہ کسی چیز کو چھونے سے اس کی نرمی سختی، گرمی، سردی وغیرہ آسانی سے معلوم ہو جائے، بالوں کی صورت میں یہ بات حاصل نہ ہوتی۔

۱۳ - بال اور ناخن میں جان اس لیے نہیں ہے کہ ان چیزوں کا بڑھنا برا معلوم ہوتا ہے اور نقصان رساں ہے، اگر ان میں جان ہوتی تو کائنات میں تکلیف ہوتی

۱۴ - دل صنوبری شکل یعنی سر پتلا اور دم چوڑی (نچلا حصہ) اس لیے ہے کہ با آسانی پھیپڑے میں داخل ہو سکے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے تاکہ اس کے بخارات دماغ کی طرف چڑھ کر بیماریاں پیدا نہ کرے۔

۱۵ - پھیپڑے کے دو ٹکڑے اس لیے ہوئے کہ دل ان کے درمیان ہے اور وہ اس کو ہوا دیں۔

۱۶ - جگر محدب اس لیے ہوا ہے کہ اچھی طرح معدے کے اوپر جگہ پکڑے اور اپنی گرانی اور گرمی سے غذا کو ہضم کرے۔

۱۷ - کردہ لوہے کے دانہ کی شکل کا اس لیے ہوا کہ (منی) یعنی نطفہ انسانی پشت کی جانب سے اس میں آتا ہے اور اس کے پھیلنے اور سکڑنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ نکلتا ہے جو سبب لذت ہے۔

۱۸ - گھٹنے پیچھے کی طرف اس لیے نہیں جھکتے کہ چلنے میں آسانی میں
 ہواگرایسانہ ہوتا تو آدمی چلتے وقت گرگریڑتا، آگے چلنا آسان نہ ہوتا۔
 ۱۹ - دونوں پیروں کے تلوے بیچ میں سے اس لیے خالی ہیں کہ دونوں
 کناروں پر بوجھ پڑنے سے باسانی پیراٹھ سکیں اگر ايسانہ ہوتا اور پورے بدن
 کابوجھ پیروں پر پڑتا تو سارے بدن کابوجھ اٹھانا دشوار ہوتا۔
 یہ جوابات سن کر ہندوستانی طبیب حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ آپ نے یہ علم
 کس سے سیکھا ہے فرمایا اپنے دادا سے انہوں نے رسول خدا سے حاصل کیا تھا
 اور انہوں نے خدا سے سیکھا ہے اس نے کہا ”اشہدان لا الہ الا اللہ وان
 محمد رسول اللہ وعبده“ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے
 رسول اور عبد خاص ہیں، ”وانک اعلم اہل زمانہ“ اور آپ اپنے زمانہ میں سب
 سے بڑے عالم ہیں (مناقب جلد ۵ ص ۴۶ طبع بمبئی و سوانح چہارده
 معصومین حصہ ۲ ص ۲۵)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کو بال بچوں سمیت جلا دینے کا منصوبہ

طیب ہندی سے گفتگو کے بعد امام علیہ السلام کا عام شہرہ ہو گیا اور لوگوں کے
 قلوب پہلے سے زیادہ آپ کی طرف مائل ہو گئے، دوست اور دشمن آپ کے
 علمی کمالات کا ذکر کرنے لگے یہ دیکھ کر منصور کے دل میں آگ لگ گئی
 ، اور وہ اپنی شرارت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر یہ منصوبہ بنانے لگا کہ اب
 جلد سے جلد انہیں ہلاک کر دینا چاہئے، چنانچہ اس نے ظاہری قدر و منزلت کے

ساتھ آپ کو مدینہ روانہ کر کے حاکم مدینہ حسین بن زید کو حکم دیا۔ ان احرق جعفر بن محمد بن محمد بن دارہ “ امام جعفر صادق علیہ السلام کو بال بچوں سمیت گھر کے اندر جلا دیا جائے، یہ حکم پاکر والی مدینہ نے چند غنڈوں کے ذریعہ سے رات کے وقت جبکہ سب محو خواب تھے آپ کے مکان میں آگ لگوا دی، اور گھر جلنے لگا آپ کے اصحاب اگرچہ اسے بجھانے کی پوری سعی کر رہے تھے، لیکن بجھنے کو نہ آتی تھی، بالآخر آپ انہیں شعلوں میں کہتے ہوئے کہ ”انا ابن اعراق الثری انا ابن ابراہیم الخلیل“ اے آگ میں وہ ہوں جس کے آباؤ اجداد زمین آسمان کی بنیادوں کے سبب ہیں اور میں خلیل خدا ابراہیم نبی کافر زندہوں، نکل پڑے۔

اپنی عبا کے دامن سے آگ بجھادی، (تذکرۃ المصومین ص ۱۸۱ بحوالہ اصول کافی آقائے کلینی علیہ الرحمۃ)۔

۱۴۷ ھ میں منصور کا حج اور امام جعفر صادق کے قتل کا عزم بالجزم

علامہ شبلی نجی اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی رقمطراز ہیں کہ ۱۴۷ ھ میں منصور حج کو گیا، اسے چونکہ امام کے دشمنوں کی طرف سے برابریہ خبر دی جا چکی تھی کہ امام جعفر صادق تیری مخالفت کرتے رہتے ہیں، اور تیری حکومت کا تختہ پلٹنے کی سعی میں ہیں، لہذا اس نے حج سے فراغت کے بعد مدینہ کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر اپنے مصاحب خاص، ربیع سے کہا کہ جعفر بن محمد کو بلوادو، ربیع نے وعدہ کے باوجود ڈٹال مٹول کی اس نے

پھر دوسرے دن سختی کے ساتھ کہا کہ انہیں بلواؤ، میں کہتا ہوں کہ خدا مجھے قتل کرے اگر میں انہیں قتل نہ کر سکوں، ربیع نے امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، مولانا آپ کو منصور بلا رہا ہے، اور اس کے تیور بہت خراب ہیں، مجھے یقین ہے کہ وہ اس ملاقات میں آپ کو قتل کر دے گا، حضرت نے فرمایا ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم“ یہ اس دفعہ ناممکن ہے غرض کہ ربیع آنحضرت کو لے کر حاضر دربار ہوا، منصور کی نظر جیسے ہی آپ پر پڑی تو آگ بگولہ ہو کر بولا ”یا عدو اللہ“ اے دشمن خدا تم کو اہل عراق امام مانتے ہیں اور تمہیں زکوٰۃ اموال وغیرہ دیتے ہیں اور میری طرف ان کا کوئی دھیان نہیں، یاد رکھو، میں آج تمہیں قتل کر کے چھوڑوں گا اور اس کے لیے میں نے قسم کھالی ہے ہے یہ رنگ دیکھ کر امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا ایسے امیر جناب سلیمان کو عظیم سلطنت دی گئی تو انہوں نے شکر کیا، جناب ایوب بلا میں مبتلا کیا گیا تو انہوں نے صبر کیا، جناب یوسف پر ظلم کیا گیا تو انہوں نے ظالموں کو معاف کر دیا، اے بادشاہ یہ سب انبیاء تھے اور انہیں کی طرف تیرا نسب بھی پہنچتا ہے تجھے تو ان کی پیروی لازم ہے، یہ سن کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا (نور الابصار ص ۱۲۳، مطالب السؤل ص ۲۶۷)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت

علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ بتاریخ ۱۵ / شوال ۱۴۸ ھ بعمر ۶۵ سال آپ نے اس دار فانی سے بطرف ملک جاودانی رحلت فرمائی ہے، ارشاد مفید ص ۴۱۳

،اعلام الوری ص ۱۵۹ ،نورالابصار ص ۱۲۳ ،مطالب السول ص ۲۷۷ ،یوم وفات دوشنبہ تھا اورمقام دفن جنت البقیع ہے۔ علامہ ابن حجر علامہ علامہ ابن جوزی علامہ شبلیجی علامہ ابن طلحہ شافعی تحریر رقمطراز ہیں کہ مات مسموما ایام المنصور، منصور کے زمانہ میں آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں (صواعق محرقة ص ۱۲۱ ،تذکرۃ خواص الامتہ ،نورالابصار ص ۱۳۳ ، ارجح المطالب ص ۴۵۰) ۔ علماء اہل تشیع کا اتفاق ہے کہ آپ کو منصور دوانقی نے زہر سے شہید کرایا تھا، اور نماز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ اسلام نے پڑھائی تھی علامہ کلینی اور علامہ مجلسی کا ارشاد ہے کہ آپ کو نہایت کفن دیا گیا اور آپ کے مقام وقات پر ہر شب چراغ جلایا جاتا رہا۔ کتاب کافی و جلاء العیون مجلسی ص ۲۶۹ ۔

آپ کی اولاد

آپ کے مختلف بیویوں سے دس اولاد تھیں جن میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں لڑکوں کے نام یہ ہیں :

- ۱۔ جناب اسماعیل ۲۔ حضرت امام موسیٰ کاظم ۳۔ عبدالله ۴۔ اسحاق ۵۔ محمد
- ۶۔ عباس ۷۔ علی ۔ اور لڑکیوں کے اسماء یہ ہیں : ۱۔ ام فروہ ۲۔ اسماء ۳۔ فاطمہ (ارشاد و جنات الخلود) علامہ شبلیجی نے سات اولاد تحریر کیا ہے جن میں صرف ایک لڑکی کا حوالہ دیا ہے جس کا نام ”ام فروہ“ تھا (نورالابصار ص ۱۳۳)

آپ ہی کی اولاد سے خلفاء فاطمیہ گزرے ہیں جن کی سلطنت ۲۹۷ ئسے ۵۶۷ ء تک دو سو تر سال قائم رہی، ان کی تعداد چودہ تھی۔

چودہ ستارے

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

آپ کی ولادت باسعادت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بتاریخ ۷ / صفر المظفر ۱۲۸ ھ مطابق ۷۴۵ ء یوم شنبہ بمقام ابواجومکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے پیدا ہوئے (انوار النعمانیہ ص ۱۲۶، و اعلام الوری ص ۱۷۱، جلاء العیون ص ۲۶۹، شواہد النبوت ص ۱۹۲، روضة الشهداء ص ۴۳۶)۔ علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر آسمان کی طرف رخ کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا آپ نے یہ عمل بالکل اسی طرح کیا، جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے ولادت کے بعد کیا تھا آپ کے داہنے بازو پر کلمہ تمت کلمة ربک صدقا وعدلا لکھا ہوا تھا آپ علم اولین و آخرین سے بہرہ ور متولد ہوئے تھے آپ کی ولادت سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بیحد مسرت ہوئی تھی اور آپ نے مدینہ جا کر اہل مدینہ کو دعوت طعام دی تھی (جلاء العیون ص ۲۷۰)۔ آپ

دیگر آئمہ کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے تھے۔

اسم گرامی، کنیت، القاب

آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خداوند متعال کے معین کردہ نام ”موسیٰ“ سے موسوم کیا علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ موسیٰ، قبطنی لفظ ہے اور مو اور سی سے مرکب ہے مو کے معنی پانی اور ”سی“ کے معنی درخت کے ہیں اس نام سے سب سے پہلے حضرت کلیم اللہ موسوم کئے گئے تھے۔

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خوف فرعون سے مادر موسیٰ نے آپ کو اس صندوق میں رکھ کر دریامیں بہایا تھا جو ”حبیب نجار“ کا بنایا ہوا تھا اور بعد میں ”تابوت سکینہ“ قرار پایا، تو وہ صندوق بہہ کر فرعون اور جناب آسیہ تک پانی کے ذریعہ سے ان درختوں سے ٹکراتا ہوا جو خاص باغ میں تھے پہنچاتا لہذا پانی اور درخت کے سبب سے ان کا نام موسیٰ قرار پایا تھا (جنات الخلود ص ۲۹)۔

آپ کی کنیت ابو الحسن، ابو ابراہیم، ابو علی ابو عبد اللہ تھی اور آپ کے القاب کاظم، عبد صالح، نفس زکیہ، صابر، امین، باب الحوائج وغیرہ تھے ”شہرت عامہ“ کاظم کو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بدسلوک کے ساتھ احسان کرتے اور ستانے والے کو معاف فرماتے اور غصہ کو پی جاتے تھے، بڑے حلیم، بردبار اور اپنے ظلم کرنے والے کو معاف کر دیا کرتے تھے (مطالب السؤل

ص ۲۷۶، شواہد النبوت ص ۱۹۲، روضۃ الشہداء ص ۴۳۲، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲)۔

لقب باب الحوائج کی وجہ

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ کثرت عبادت کی وجہ سے عبدصالح اور خدا سے حاجت طلب کرنے کے ذریعہ ہونے کی وجہ سے آپ کو باب الحوائج کہا جاتا ہے، کوئی بھی حاجت ہو جب آپ کے واسطے سے طلب کی جاتی تھی تو ضرور پوری ہوتی تھی ملاحظہ ہو (مطالب السؤل ص ۲۷۸، صواعق محرقة ص ۱۳۱)۔

فاضل معاصر علامہ علی حیدر رقمطراز ہیں کہ حضرت کالقب باب قضاء الحوائج یعنی حاجتیں پوری ہونے کا دروازہ بھی تھا حضرت کی زندگی میں تو حاجتیں آپ کے توسل سے پوری ہوتی تھیں شہادت کے بعد ہی یہ سلسلہ جاری رہا اور اب بھی ہے ”اخبار پایزالہ آباد ۱۰ / اگست ۱۹۲۸ء میں زیر عنوان ”امام موسیٰ کاظم کے روضہ پر ایک اندھے کو بینائی مل گئی“ ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حال ہی میں روضہ کاظمین شریف پر جو شہر بغداد سے باہر ہے ایک معجزہ ظاہر ہوا ہے کہ ایک اندھا اور بوڑھا ”سید“ نہایت مفلسی کی حالت میں روضہ شریف کے اندر داخل ہوا اور جیسے ہی اس نے امام موسیٰ کاظم کے روضہ کی ضریح اقدس کو اپنے ہاتھ سے مس کیا وہ فوراً چلتا ہوا باہر کی طرف دوڑا ”مجھے بینائی مل گئی“

میں دیکھنے لگا ہوں، اور اس پر لوگوں کا بڑا ہجوم جمع ہو گیا اور اکثر لوگ اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین جھپٹ کر لے گئے اس کو تین دفعہ کپڑے پہنائے گئے اور ہر دفعہ وہ کپڑے ٹکڑے ہو کر تقسیم ہو گئے آخر روضہ شریف کے خدام نے اس خیال سے کہ کہیں اس بوڑھے سید کے جسم کو نقصان نہ پہنچے اس کو اس کے گھر پہنچا دیا ۔

اس کا بیان ہے کہ بغداد کے ہسپتال میں اپنی آنکھ کا علاج کر رہا تھا بالآخر سب ڈاکٹروں نے یہ کہہ کر مجھے ہسپتال سے نکال دیا کہ تیرا مرض لا علاج ہو گیا ہے اب اس کا علاج ناممکن ہے تب میں مایوس ہو کر روضہ اقدس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر آیا اور یہاں آپ کے وسیلہ سے خدا سے دعا کی ”بار الہاتجہ اسی امام مدفون کا واسطہ مجھے از سر نو بینائی عطا کر دے“ یہ کہہ کر جیسے ہی میں نے روضہ کی ضریح کو مس کیا میری آنکھوں کے سامنے روشنی نمودار ہوئی اور آواز آئی ”جاتجہ پھر سے روشنی دیدی گئی“ اس آواز کے ساتھ ہی میں ہر چیز کو دیکھنے لگا، تمام لوگ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ ضعف العمر سیدانہا تھا، اور اب دیکھنے لگا ہے (اخبار انقلاب لاہور، اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۴ / اگست ۱۹۲۸ ء۔

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب مجھے کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضے پر چلا جاتا ہوں اور ان کی قبر پر دعا کرتا ہوں میری مشکل

حل ہوجاتی ہے (مناقب جلد ۳ ص ۱۲۵ طبع ملتان)۔

باشاہان وقت

آپ ۱۲۸ ھ میں مروان الحماراموی کے عہد میں پیدا ہوئے اس کے بعد ۱۳۲ ھ میں سفاح عباسی خلیفہ ہوا (ابوالفداء) ۱۳۶ ھ میں منصور دوانقی عباسی خلفہ بنا ۱۵۸ ھ میں مہدی بن منصور مالک سلطنت ہوا (حبیب السیر) ۱۶۹ ھ میں ہادی عباسی کی بیعت کی گئی (ابن الوردی) ۱۷۰ ھ میں ہارون الرشید عباسی ابن مہدی خلیفہ وقت ہوا ۱۸۳ ھ میں ہارون کے زہر دینے سے امام علیہ السلام بحالت مظلومی قیدخانہ میں شہید ہوئے (صواعق محرقہ اخبار الخلفاء بن راعی)۔

نشوونما اور تربیت

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ آپ کی عمر کے بیس برس اپنے والد بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سایہ تربیت میں گزرے ایک طرف خدا کے دئیے ہوئے فطری کمال کے جوہر اور دوسری طرف اس باپ کی تربیت جس نے پیغمبر کے بتائے ہوئے مکارم الاخلاق کی یاد کو بھولی ہوئی دنیا میں ایسا تازہ کر دیا کہ انہیں ایک طرح سے اپنا بنالیا اور جس کی بنا پر ”ملت جعفری“ نام ہو گیا امام موسیٰ کاظم نے بچپنا اور جوانی کا کافی حصہ اسی مقدس آغوش میں گزارا، یہاں تک کہ تمام دنیا کے سامنے آپ کے ذاتی کمالات و فضائل روشن ہو گئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا جانشین

مقرر فرمادیا باوجودیکہ آپ کے بڑے بھائی بھی موجود تھے، مگر خدا کی طرف کا منصب میراث کا ترکہ نہیں ہے بلکہ ذاتی کمال کو ڈھونڈتا ہے سلسلہ معصومین میں امام حسن کے بعد بجائے ان کی اولاد کے امام حسین کا امام ہونا اور اولاد امام جعفر صادق علیہ السلام میں بجائے فرزند اکبر کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف امامت کا منتقل ہونا اس کا ثبوت ہے کہ معیار امامت میں نسبی وراثت کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے (سوانح موسیٰ کاظم ص ۴)۔

آپ کے بچپن کے بعض واقعات

یہ مسلمات سے ہے کہ نبی اور امام تمام صلاحیتوں سے بھرپور متولد ہوتے ہیں، جب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عمر تین سال کی تھی، ایک شخص جس کا نام صفوان جمال تھا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفسر ہوا کہ مولا، آپ کے بعد امامت کے فرائض کون ادا کرے گا، آپ نے ارشاد فرمایا اے صفوان! تم اسی جگہ بیٹھو اور دیکھتے جاؤ جو ایسا بچہ میرے گھر سے نکلے جس کی ہر بات معرفت خداوندی سے پر ہو، اور عام بچوں کی طرح لہو و لعب نہ کرتا ہو، سمجھ لینا کہ عنان امامت اسی کے لیے سزاوار ہے اتنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بکری کا ایک بچہ لیے ہوئے برآمد ہوئے اور باہر آکر اس سے کہنے لگے ”اسجدی ربک“ اپنے خدا کا سجدہ کریہ دیکھ کر امام جعفر صادق نے اسے سینہ سے لگالیا (تذکرۃ المعصومین ص ۱۹۲)۔

صفوان کہتا ہے کہ یہ دیکھ کر میں نے امام موسیٰ سے کہا، صاحبزادے! اس بچہ کو کہئے کہ مرجائے آپ نے ارشاد فرمایا: کہ وائے ہوتم پر، کیامت و حیات میرے ہی اختیار میں ہے (بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۲۶۶)۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسائل دینیہ دریافت کرنے کے لیے حسب دستور حاضر ہوئے اتفاقاً آپ آرام فرما رہے تھے موصوف اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ آپ بیدار ہوں تو عرض مدعا کروں، اتنے امام موسیٰ کاظم جن کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی برآمد ہوئے امام ابوحنیفہ نے انہیں سلام کر کے کہا: اے صاحبزادے یہ بتاؤ کہ انسان فاعل مختار ہے یا ان کے فعل کا خد افاعل ہے یہ سن کر آپ زمین پر دوڑانو بیٹھ گئے اور فرمانے لگے سنو! بندوں کے افعال تین حالتوں سے خالی نہیں، یا ان کے افعال کا فاعل صرف خدا ہے یا صرف بندہ ہے یا دونوں کی شرکت سے افعال واقع ہوتے ہیں اگر پہلی صورت ہے تو خدا کو بندہ پر عذاب کا حق نہیں ہے، اگر تیسری صورت ہے تو بھی یہ انصاف کے خلاف ہے کہ بندہ کو سزا دے اور اپنے کو بچالے کیونکہ ارتکاب دونوں کی شرکت سے ہوا ہے اب لامحالہ دوسری صورت ہوگی، وہ یہ کہ بندہ خود فاعل ہے اور ارتکاب قبیح پر خدا سے سزا دے۔ بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۱۸۵)۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے اس صاحبزادے کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر ان کے سامنے سے لوگ برابر گزر رہے تھے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ کے صاحبزادے موسیٰ کاظم نماز پڑھ رہے

تھے اور لوگ ان کے سامنے سے گزر رہے تھے، حضرت نے امام موسیٰ کاظم کو آواز دی وہ حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا بیٹا! ابوحنیفہ کیا کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ تم نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ تمہارے سامنے سے گزر رہے تھے امام کاظم نے عرض کی باباجان لوگوں کے گزرنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے، وہ ہمارے اور خدا کے درمیان حائل تو نہیں ہوئے تھے کیونکہ وہ تو ”اقرّب من حبل الوريد“ رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے، یہ سن کر آپ نے انہیں گلے سے لگالیا اور فرمایا اس بچہ کو اسرار شریعت عطا ہو چکے ہیں (مناقب جلد ۵ ص ۶۹)۔

ایک دن عبداللہ ابن مسلم اور ابوحنیفہ دونوں وارد مدینہ ہوئے، عبداللہ نے کہا، چلو امام صادق علیہ السلام سے ملاقات کریں اور ان سے کچھ استفادہ کریں، یہ دونوں حضرت کے در دولت پر حاضر ہوئے یہاں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت کے ماننے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، اتنے امام صادق علیہ السلام کے بجائے امام موسیٰ کاظم برآمد ہوئے لوگوں نے سروقد تعظیم کی، اگرچہ آپ اس وقت بہت ہی کمسن تھے لیکن آپ نے علوم کے دریا بہانے شروع کیے عبداللہ وغیرہ نے جو قدرے آپ سے دور تھے آپ کے قریب جاتے ہوئے آپ کی عزت و منزلت کا آپس میں تذکرہ کیا، آخر میں امام ابوحنیفہ نے کہا کہ چلو میں انہیں ان کے شیعوں کے سامنے رسوا اور ذلیل کرتا ہوں، میں ان سے ایسے سوالات کروں گا کہ یہ جواب نہ دیے سکیں گے عبداللہ نے کہا، یہ تمہارا خیال خام ہے، وہ فرزند رسول ہیں، الغرض دونوں حاضر خدمت ہوئے،

امام ابوحنیفہ نے امام موسیٰ کاظم سے پوچھا صاحبزادے، یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے شہر میں کوئی مسافر آجائے اور اسے قضا حاجت کرنی ہو تو کیا کرے اور اس کے لیے کونسی جگہ مناسب ہوگی حضرت نے برجستہ جواب فرمایا:

”مسافر کو چاہئے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے چھپے، ہمسایوں کی نگاہوں سے بچے نہروں کے کناروں سے پرہیز کرے جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہوں ان سے حذر کرے۔ مکان کے صحن سے علیحدہ، شاہراہوں اور راستوں سے الگ مسجدوں کو چھوڑ کر، نہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پیٹھ، پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے رفع حاجت کرے یہ سن کر امام ابوحنیفہ حیران رہ گئے، اور عبد اللہ کہنے لگے کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ فرزند رسول ہیں انہیں بچپن ہی میں ہر قسم کا علم ہوا کرتا ہے (بحار، مناقب و احتجاج)۔

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مکان میں تشریف فرماتھے اتنے میں آپکے نور نظر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کہیں باہر سے واپس آئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا بیٹے! ذرا اس مصرعہ پر مصرعہ لگاؤ ”تنح عن القبیح ولا مزتودہ“ آپ نے فوراً مصرعہ لگایا ”ومن اولیتہ حسنا فزدہ“ بری باتوں سے دور رہو اور ان کا ارادہ بھی نہ کرو ۲۔ جس کے ساتھ بھلائی کرو، بھرپور کرو“ پھر فرمایا! اس پر مصرعہ لگاؤ ”ستلقى من عدوک کل کید“ آپ نے مصرعہ لگایا

”اذاکو العدو فلا تکده“ (ترجمہ) ۱ - تمہارا دشمن ہر قسم کا مکرو فریب کرے گا ۲
- جب دشمن مکرو فریب کرے تب بھی اسے برائی کے قریب نہیں جانا چاہئے
(بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۳۶۶)۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت

۱۴۸ ھ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات ہوئی، اس وقت سے
حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بذات خود فرائض امام کے ذمہ دار ہوئے
اس وقت سلطنت عباسیہ کے تخت پر منصور دوانقی بادشاہ تھا یہ وہی ظالم
بادشاہ تھا جس کے ہاتھوں لاتعداد سادات مظالم کا نشانہ بن چکے تھے تلوار کے
گھاٹ اتارے گئے دیواروں میں چنوائے گئے یا قید رکھے گئے، خود امام
جعفر صادق علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کی جا چکی تھیں
اور مختلف صورت سے تکلیفیں پہنچائی گئی تھی، یہاں تک کہ منصور ہی
کا بھیجا ہوا زہر تھا جس سے آپ دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔
ان حالات میں آپ کو اپنے جانشین کے متعلق یہ قطعی اندیشہ تھا کہ حکومت
وقت اسے زندہ نہ رہنے دے گی اس لیے آپ نے آخری وقت اخلاقی بوجھ
حکومت کے کندھوں پر رکھ دینے کے لیے یہ صورت اختیار فرمائی، کہ اپنی
جائیداد اور گھر بار کے انتظامات کے لیے پانچ شخصوں کی ایک جماعت
مقرر فرمائی جس میں پہلا شخص خود خلیفہ وقت منصور عباسی تھا، اس کے
علاوہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ، اور عبد اللہ افطح جو امام موسیٰ کاظم کے سن

میں بڑے بھائی تھے، اور حضرت امام موسیٰ کاظم اور ان کی والدہ معظمہ حمیدہ خاتون۔

امام کا اندیشہ بالکل صحیح تھا، اور آپ کا تحفظ بھی کامیاب ثابت ہوا، چنانچہ جب حضرت کی وفات کی اطلاع منصور کو پہنچی تو اس نے پہلے تو سیاسی مصلحت سے اظہار رنج کیا، تین مرتبہ ان اللہ وانا لہ راجعون، کہا اور کہا کہ اب بھلا جعفر کا مثل کون ہے؟ اس کے بعد حاکم مدینہ کو لکھا کہ اگر جعفر صادق نے کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو اس کا سر فوراً قلم کر دو، حاکم مدینہ نے جواب میں لکھا کہ انہوں نے تو پانچ وصی مقرر کئے ہیں جن میں سے پہلے آپ خود ہیں، یہ جواب سن کر منصور دیر تک خاموش رہا اور سوچنے کے بعد کہنے لگا کہ اس صورت میں تو یہ لوگ قتل نہیں کئے جاسکتے اس کے بعد دس برس منصور زندہ رہا، لیکن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کوئی تعرض نہ کیا، اور آپ مذہبی فرائض امامت کی انجام دہی میں امن و سکون کے ساتھ مصروف رہے یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں منصور شہر بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا جس سے ۱۵۷ھ یعنی اپنی موت سے صرف ایک سال پہلے اسے فراغت ہوئی، اس لیے وہ امام موسیٰ کاظم کے متعلق کسی ایذا رسانی کی طرف متوجہ نہیں ہوا لیکن اس عہد سے قبل وہ سادات کشی میں کمال دکھا چکا تھا۔

علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ منصور کے زمانے میں بے انتہا سادات شہید کئے گئے ہیں اور جو بچے ہیں وہ وطن چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں انہیں تارکین وطن

میں ہاشم بن ابراہیم بن اسماعیل الدیباج بن ابراہیم عمر بن الحسن المثنیٰ ابن امام حسن بھی تھے جنہوں نے ملتان کو علاقوں میں سے مقام ”خان“ میں سکونت اختیار کر لی تھی (النزاع والتخاصم ص ۴۷ طبع مصر)۔

۱۵۸ ھ کے آخر میں منصور دوانقی دنیا سے رخصت ہوا، اور اس کا بیٹا مہدی تخت سلطنت پر بیٹھا، شروع میں تو اس نے بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عزت و احترام کے خلاف کوئی برتاؤ نہیں کیا مگر چند سال بعد پھر وہی بنی فاطمہ کی مخالفت کا جذبہ ابھرا اور ۱۶۴ ھ میں جب وہ حج کے نام سے حجاز کی طرف گیا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے ساتھ مکہ سے بغداد لے گیا اور قید کر دیا ایک سال تک حضرت اس کی قید میں رہے پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور حضرت کو مدینہ کی طرف واپسی کا موقع دیا گیا۔

مہدی کے بعد اس کا بھائی ہادی ۱۶۹ ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف ایک سال ایک ماہ تک اس نے سلطنت کی، اس کے بعد ہارون الرشید کا زمانہ آیا جس میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو آزادی کی سانس لینا نصیب نہیں ہوئی (سوانح امام موسیٰ کاظم ص ۵)۔

علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ درجہ امامت پر فائز ہوئے اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی (اعلام الوری ص ۱۷۱)۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعض کرامات

واقعہ شفیق بلخی

علامہ محمد بن شافعی لکھتے ہیں کہ آپ کے کرامات ایسے ہیں کہ ”تحرار منہا العقول“ ان کو دیکھ کر عقلیں چکرا جاتی ہیں، مثال کے لیے ملاحظہ ہو؟ ۱۴۹ ھ میں شفیق بلخی حج کے لیے گئے ان کا بیان ہے کہ میں جب مقام قادسیہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوب صورت جوان جن کا رنگ سانولہ (گندم گوں) تھا وہ ایک عظیم مجمع میں تشریف فرما ہیں جسم ان کا ضعیف ہے وہ اپنے کپڑوں کے اوپر ایک کمبل ڈالے ہوئے ہیں اور پیروں میں جوتیاں پہنے ہوئے ہیں تھوڑی دیر بعد وہ مجمع سے ہٹ کر ایک علیحدہ مقام پر جا کر بیٹھ گئے، میں نے دل میں سوچا کہ یہ صوفی ہے اور لوگوں پر زاد راہ کے لیے بار بننا چاہتا ہے، میں ابھی اس کی ایسی تنبیہ کروں گا کہ یہ بھی یاد رکھے گا، غرضیکہ میں ان کے قریب گیا جیسے ہی میں ان کے قریب پہنچا ہوں، وہ بولے اے شفیق بدگمانی مت کیا کرو یہ اچھا شیوہ نہیں ہے، اس کے بعد وہ فوراً اٹھ کر روانہ ہو گئے، میں نے خیال کیا کہ یہ معاملہ کیا ہے انہوں نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا اور میرے دل کی بات جان لی اس واقعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہونہ ہو یہ کوئی عبد صالح ہوں بس یہی سوچ کر میں ان کی تلاش میں نکلا اور ان کا پیچھا کیا، خیال تھا کہ وہ مل جائیں گے تو میں ان سے کچھ سوالات کروں گا، لیکن نہ مل سکے، ان کے چلے جانے کے بعد ہم لوگ بھی روانہ ہوئے، چلتے چلتے جب ہم ”وادی فضہ“ میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہی جوان صالح یہاں نماز میں مشغول ہیں اور ان کے

اعضاء و جوارح بیدکی مانند کانپ رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں میں یہ سوچ کر ان کے قریب گیا کہ اب ان سے معافی طلب کروں گا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو بولے اے شفیق خدا کا قول ہے کہ جو توبہ کرتا ہے میں اسے بخش دیتا ہوں اس کے بعد پھر روانہ ہو گئے اب میرے دل میں یہ یقین آیا کہ یقیناً یہ بندہ عابد، کوئی ابدال ہے، کیوں کہ دو بار یہ میرے ارادہ سے اپنی واقفیت ظاہر کر چکا ہے میں نے ہر چند پھر ان سے ملنے کی سعی کی لیکن وہ نہ مل سکے جب میں منزل زبالہ پر پہنچا تو دیکھا کہ وہی جوان ایک کنویں کی جگت پر بیٹھے ہوئے ہیں اس کے بعد انہوں نے ایک کوزہ نکال کر کنوئیں سے پانی لینا چاہا، ناگاہ ان کے ہاتھ سے کوزہ چھوٹ کر کنوئیں میں گر گیا، میں نے دیکھا کہ کوزہ گرنے کے بعد انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے بارگاہ احدیت میں کہا: میرے پالنے والے جب میں پیاسا ہوتا ہوں تو ہی سیراب کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہوں تو ہی کھانا دیتا ہے خدایا! اس کوزہ کے علاوہ میرے پاس کوئی اور کوزہ نہیں ہے، میرے مالک! میرا کوزہ پر آب برآمد کر دے، اس جوان صالح کا یہ کہنا تھا کہ کنوئیں کا پانی بلند ہوا اور اوپر تک آ گیا آپ نے ہاتھ بڑھا کر اپنا کوزہ پانی سے بھرا ہوالے لیا اور وضو فرما کر چار رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد آپ نے ریت کی ایک مٹھی اٹھائی اور پانی میں ڈال کر کھانا شروع کر دیا یہ دیکھ کر میں عرض پرداز ہوا جناب والا! مجھے بھی کچھ عنایت ہو میں بھوکا ہوں آپ نے وہی کوزہ میرے حوالے کر دیا جس میں ریت بھری تھی خدا کی قسم جب میں نے اس میں سے کھایا تو اسے ایسا لذیذ تو پایا جیسا میں نے

کھایابی نہ تھا، پھر اس ستومیں ایک خاص بات یہ تھی کہ میں جب تک سفر میں رہا بھوکا نہ رہا ہوا اس کے بعد آپ نظروں سے غائب ہو گئے ۔ جب میں مکہ معظمہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک بالو (ریت) کے ٹیلے کے کنارے مشغول نمازیں اور حالت آپ کی یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور بدن پر خضوع و خشوع کے آثار نمایاں ہیں آپ نمازی میں مشغول تھے کہ صبح ہو گئی ، آپ نے نماز صبح ادا فرمائی اور اس سے اٹھ کر طواف کا ارادہ کیا، پھر سات بار طواف کرنے کے بعد ایک مقام پر ٹہرے میں نے دیکھا کہ آپ کے گرد بیسٹا حضرات ہیں اور سب بے انتہا تعظیم و تکریم کر رہے ہیں ، میں چونکہ ایک ہی سفر میں کرامات دیکھ چکا تھا اس لیے مجھے بہت زیادہ فکرتھی کہ یہ معلوم کروں کہ یہ بزرگ ہیں کون؟ انہوں نے کہا کہ یہ فرزند رسول حضرت امام موسیٰ کاظم ہیں، میں نے کہا بے شک یہ صاحب کرامات جو میں میں نے دیکھے وہ اسی گھرانے کے لیے سزاوار ہیں (مطالب السؤل ص ۲۷۹ ، نور الابصار ص ۱۳۵ ، شواہد النبوت ص ۱۹۳ ، صواعق محرقہ ص ۱۲۱ ، ارجح المطالب ص ۴۵۲) ۔ مورخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ شقیق ابن ابراہیم بلخی کا انتقال ۱۹۰ ھ میں ہوا تھا (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۵۹) ۔ امام شبلی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عیسیٰ مدائنی حج کے لیے گئے اور ایک سال مکہ میں رہنے کے بعد وہ مدینہ چلے گئے ان کا خیال تھا کہ وہاں بھی ایک سال گزاریں گے ، مدینہ پہنچ کر انہوں نے جناب ابوذر کے مکان کے

قریب ایک مکام میں قیام کیا۔
 مدینہ میں ٹہرنے کے بعد انہوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے وہاں
 آنا جانا شروع کیا، مدائنی کا بیان ہے کہ ایک شب کو بارش ہو رہی تھی اور میں
 اس وقت امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا، تھوڑی دیر کے بعد آپ نے
 فرمایا کہ اے عیسیٰ تم فوراً اپنے مکان چلے جاؤ کیونکہ ”انہدم البیت علی
 متاعک“ تمہارا مکان تمہارے اثاثے پر گر گیا ہے اور لوگ سامان نکال رہے ہیں
 یہ سن کر میں فوراً مکان کی طرف گیا، دیکھا کہ گھر گر چکا ہے اور لوگ سامان
 نکال رہے ہیں، دوسرے دن جب حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے پوچھا کہ کوئی
 چیز چوری تو نہیں ہوئی، میں نے عرض کی صرف ایک طشت نہیں ملتا جس
 میں وضو کیا کرتا تھا، آپ نے فرمایا وہ چوری نہیں ہوا، بلکہ انہدام مکان سے
 پہلے تم اسے بیت الخلاء میں رکھ کر بھول گئے ہو، تم جاؤ اور مالک کی لڑکی
 سے کہو، وہ لادے گی، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور طشت مل
 گیا (نور الابصار ص ۱۳۵)۔

علامہ جامی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک صحابی کے ہمراہ سو
 دینار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بطور نذر ارسال کیا وہ
 اسے لے کر مدینہ پہنچا، یہاں پہنچ کر اس نے سوچا کہ امام کے ہاتھوں میں اس
 جانا ہے لہذا پاک کر لینا چاہئے وہ کہتا ہے کہ میں نے ان دیناروں کو جو امانت
 تھے شمار کیا تو وہ نناوے تھے میں نے ان میں اپنی طرف سے ایک
 دینار شامل کر کے سوپورا کر دیا، جب میں حضرت کی خدمت میں

حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا سب دینار زمین پر ڈال دو، میں نے تھیلی کھول کر سب زمین پر نکال دیا، آپ نے میرے بتائے بغیر اس میں سے میرا وہی دینار جو میں نے ملا یا تھا مجھے دیدیا اور فرمایا بھیجنے والے نے عدد کا لحاظ نہیں کیا بلکہ وزن کا لحاظ کیا ہے جو ۹۹ میں پورا ہوتا ہے۔

ایک شخص کا کہنا ہے کہ مجھے علی بن یقظین نے ایک خط دے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا، میں نے حضرت کی خدمت میں پہنچ کر ان کا خط دیا، انہوں نے اسے پڑھے بغیر آستین سے ایک خط نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا یہ جواب ہے (شواہد النبوت ص ۱۹۵)۔ ابو بصیر کا بیان ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام دل کی باتیں جانتے تھے اور ہر سوال کا جواب رکھتے تھے ہر جاندار کی زبان سے واقف تھے (روائع المصطفیٰ ص ۱۶۲)۔

ابو حمزہ بطنانی کا کہنا ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ حج کو جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک شیر برآمد ہوا، اس نے آپ کے کان میں کچھ کہا آپ نے اس کو اسی کی زبان میں جواب دیا اور وہ چلا گیا ہمارے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنی شیرنی کی ایک تکلیف کے لیے دعا کی خواہش کی، میں نے دعا کر دی اور وہ واپس چلا گیا (تذکرۃ المعصومین ص ۱۹۳)۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اخلاق و عادات اور شمائل و اوصاف

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس مقدس

سلسلہ کی ایک فردتھے جس کو خالق نے نوع انسانی کے لیے معیار کمال قرار دیا تھا اسی لیے ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں بہترین اخلاق و اصاف کامر قع تھا ، بے شک یہ حقیقت ہے کہ بعض افراد میں بعض صفات اتنے ممتاز نظر آتے ہیں کہ سب سے پہلے ان پر نظر پڑتی ہے چنانچہ ساتویں امام میں تحمل و برداشت اور غصہ ضبط کرنے کی صفت اتنی نمایاں تھی کہ آپ کا لقب کاظم قرار دیا گیا جس کے معنی ہیں غصہ کو پینے والا، آپ کو کبھی کسی نے ترش روئی اور سختی کے ساتھ بات چیت کرتے نہیں دیکھا اور انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے ہوئے نظر آئے مدینہ کے ایک حاکم سے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچیں یہاں تک کہ وہ جناب امیر علیہ السلام کی شان میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتا تھا ، مگر حضرت نے اپنے اصحاب کو ہمیشہ اس کے جواب دینے سے روکا۔

جب اصحاب نے اس کی گستاخیوں کی بہت شکایت کی اور کہا کہ اب ہمیں ضبط کی تاب نہیں ہمیں ان سے انتقام لینے کی اجازت دی جائے ، تو حضرت نے فرمایا کہ میں خود اس کا تدارک کروں گا اس طرح ان کے جذبات میں سکون پیدا کرنے کے بعد حضرت خود اس شخص کے پاس اس کی زراعت پر تشریف لے گئے اور کچھ ایسا احسان اور حسن سلوک فرمایا کہ وہ اپنی گستاخیوں پر نادم ہوا ، اور اپنے طرز عمل کو بدل دیا حضرت نے اپنے اصحاب سے صورت حال بیان فرما کر پوچھا کہ جو میں نے اس کے ساتھ کیا وہ اچھا تھا یا جس طرح تم لوگ اس کے ساتھ کرنا چاہتے تھے سب نے کہا یقیناً حضور نے

جو طریقہ اختیار فرمایا وہی بہتر تھا اس طرح آپ نے اپنے جدبزرگوار حضرت امیر علیہ السلام کے اس ارشاد کو عمل میں لا کر دکھلایا جو آج تک ”نہج البلاغہ“ میں موجود ہے کہ اپنے دشمن پر احسان کے ساتھ فتح حاصل کرو کیونکہ یہ دو قسم کی فتح میں زیادہ پر لطف کامیابی ہے بے شک اس لیے فریق مخالف کے ظرف کا صحیح اندازہ ضروری ہے اور اسی لیے حضرت علی نے ان الفاظ کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”خبردار! یہ عدم تشدد کا طریقہ نااہل کے ساتھ اختیار نہ کرنا ورنہ اس کے تشدد میں اضافہ ہو جائے گا۔

یقیناً ایسے عدم تشدد کے موقع کو پہنچانے کے لیے ایسی ہی بالغ نگاہ کی ضرورت ہے جیسی امام کو حاصل تھی، مگر یہ اس وقت میں ہے جب مخالف کی طرف سے کوئی ایسا عمل ہو چکا ہو جو اس کے ساتھ انتقامی تشدد کا جواز پیدا کر سکے لیکن اگر اس کی طرف سے کوئی اقدام ابھی ایسا نہ ہو ہو تو یہ حضرات بہر حال اس کے ساتھ احسان کرنا پسند کرتے تھے تاکہ اس کے خلاف حجت قائم ہو اور اسے ایسے جارحانہ اقدام کے لیے تلاش سے بھی کوئی عذر نہ مل سکے بالکل اسی طرح جیسے ابن ملجم کے ساتھ جو جناب امیر علیہ السلام کو شہید کرنے والاتھا آخر وقت تک جناب امیر علیہ السلام احسان فرماتے رہے اسی طرح محمد بن اسماعیل کے ساتھ جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی جان لینے کا باعث ہوا، آپ احسان فرماتے رہے یہاں تک کہ اس سفر کے لیے جو اس نے مدینہ سے بغداد کی طرف خلیفہ بنی عباسی کے

پاس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شکایتیں کرنے کے لیے کیا تھا ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم کی رقم خود حضرت ہی نے عطا فرمائی تھی جس کو وہ لے کر روانہ ہوا تھا۔

آپ کو زمانہ بہت ناسازگار ملا تھا نہ اس وقت وہ علمی دربار قائم رہ سکتا تھا جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں قائم رہ چکا تھا نہ دوسرے ذرائع سے تبلیغ و اشاعت ممکن تھی پس آپ کی خاموش سیرت ہی تھی جو دنیا کو آل محمد کی تعلیمات سے روشناس بنا سکتی تھی آپ اپنے مجمعوں میں بھی اکثر بالکل خاموش رہتے تھے یہاں تک کہ جب تک آپ سے کسی امر کے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے آپ گفتگو میں ابتداء بھی نہ فرماتے تھے ، اس کے باوجود آپ کی علمی جلالت کا سکہ دوست اور دشمن سب کے دل پر قائم تھا اور آپ کی سیرت کی بلندی کو بھی سب مانتے تھے۔ اس لیے عام طور پر آپ کو اکثر عبادت اور شب زندہ داری کی وجہ سے عبد صالح کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا آپ کی سخاوت اور فیاضی کا بھی شہرہ تھا اور فقراء مدینہ کی اکثر پوشیدہ طور پر خبر گیری فرماتے تھے ہر نماز صبح کی تعقیبات کے بعد، آفتاب کے بلند ہونے کے بعد سے پیشانی سجدہ میں رکھ دیتے تھے اور زوال کے وقت سر اٹھاتے تھے قرآن مجید کی نہایت دلکش انداز میں تلاوت فرماتے تھے خود بھی روتے جاتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی آپ کی آواز سے متاثر ہو کر روتے تھے (سوانح موسیٰ کاظم ص ۸ ، اعلام

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا یہ طریقہ تھا کہ آپ فقیروں کو ڈھونڈا کرتے تھے اور جو فقیر آپ کو مل جاتا تھا اس کے گھر میں روپیہ پیسہ اشرفی اور کھانا پانی پہنچا کرتے تھے اور یہ عمل آپ کرات کے وقت ہوتا تھا اس طرح آپ فقراء مدینہ کے بے شمار گھروں کا آذوقہ چلا رہے تھے اور لطف یہ ہے کہ ان لوگوں تک کو یہ پتہ نہ تھا کہ ہم تک سامان پہنچانے والا کون؟ یہ راز اس وقت کھلا جب آپ دنیا سے رحلت فرما گئے (نور الابصار ص ۱۳۶ طبع مصر)۔

اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ میں ہے کہ آپ ہمیشہ دن بھر روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے تھے علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ بے انتہا عبادت و ریاضت فرمایا کرتے تھے اور طاعت خدام میں اس درجہ شدت برداشت کرتے تھے جس کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک دفعہ مسجد نبوی میں آپ کو دیکھا گیا کہ آپ سجدہ میں مناجات فرما رہے ہیں اور اس درجہ سجدہ کو طول دیا کہ صبح ہو گئی (وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۱۳۱)۔

ایک شخص آپ کی برابر بلا وجہ برائیاں کرتا تھا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ایک ہزار دینار (اشرفی) اس کے گھر پر بطور انعام بھجوا دیا (روائح المصطفیٰ ص ۲۶۴) جس کے نتیجہ میں وہ اپنی حرکت سے باز آ گیا۔

خليفة هارون الرشيد عباسي اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

۱۵ / ربیع الاول ۱۷۰ ھ کو مہدی کا بیٹا ابو جعفر ہارون الرشید عباسی خلیفہ وقت بنایا گیا اس نے اپنا وزیر اعظم یحیٰ بن خالد برمکی کو بنایا اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ابو یوسف کو قاضی قضاة کا درجہ دیا، بروایتے ذابہی اس نے اگرچہ بعض اچھے کام بھی کئے ہیں لیکن لہو و لعب اور حصول لذت ممنوعہ میں منفرد تھا، ابن خلدون کا کہنا ہے کہ یہ اپنے دادا منصور کے نقش قدم پر چلتا تھا فرق اتنا تھا کہ وہ بخیل تھا اور یہ سخی، یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے راگ راگنی اور موسیقی کو شریف پیسہ قرار دیا تھا، اس کی پیشانی پر سادات کشی کا بھی نمایاں داغ ہے علم موسیقی کا ماہر ابو اسحاق ابراہیم موصلی اس کا درباری تھا ۔

حبیب السیر میں ہے کہ یہ پہلا اسلامی بادشاہ ہے جس نے میدان میں گیند بازی کی اور شطرنج کے کھیل کا شوق کیا احادیث میں ہے کہ شطرنج کھیلنا بہت بڑا گناہ ہے جامع الاخبار میں ہے کہ جب امام حسین کا سردر بار یزید میں پہنچا تھا تو وہ شطرنج کھیل رہا تھا تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے کہ ہارون رشید اپنے باپ کی مدخلہ لونڈی پر عاشق ہو گیا اس نے کہا میں تمہارے باپ کے پاس رہ چکی ہوں، تمہارے لیے حلال نہیں ہوں ہارون نے قاضی ابو یوسف سے فتویٰ طلب کیا انہوں نے کہا آپ اس کی بات کیوں مانتے ہیں یہ جھوٹ بھی بول سکتی ہے اس فتوے کے سہارے سے اس نے اس کے ساتھ بدفعلی کی

علامہ سیوطی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہ ہارون نے ایک لونڈی خرید کر اس کے ساتھ اسی رات بلا استبراء جماع کرنا چاہا، قاضی ابو یوسف نے کہا کہ اسے

اپنے کسی لڑکے کو بہ کر کے استعمال کر لیجئے علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ اس فتویٰ کی اجرت امام ابو یوسف نے ایک لاکھ درہم لی تھی علامہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ ابو حنیفہ کے شاگردوں میں ابو یوسف کی نظیر نہ تھی اگر یہ نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔ تاریخ اسلام مسٹر ڈاکٹر حسین میں بحوالہ صحاح الاخبار مرقوم ہے کہ ہارون الرشید کا درجہ سادات کشی میں منصور سے کم نہ تھا اس نے ۱۷۶ ھ میں حضرت نفس زکیہ علیہ الرحمۃ کے بھائی یحییٰ کو دیوار میں زندہ چنوا دیا تھا اسی نے امام موسیٰ کاظم کو اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ ولی اللہ میرے خلاف علم بغاوت بلند نہ کر دیں اپنے ساتھ حجاز سے عراق میں لاکر قید کر دیا اور ۱۸۳ ھ میں زہر سے ہلاک کر دیا۔ علامہ مجلسی تحفة الزائر میں لکھتے ہیں کہ ہارون الرشید نے دوسری صدی ہجری میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی زمین جتوائی تھی اور قبر پر جو بیری کا درخت بطور نشان موجود تھا اسے کٹوا دیا تھا، جلاء العیون اور مقام میں بحوالہ امالی شیخ طوسی مرقوم ہے کہ جب اس واقعہ کی اطلاع جریر ابن عبد الحمید کو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلعم کی حدیث ”لعن اللہ قاطع السدرۃ“ بیری کے درخت کاٹنے والے پر خدا کی لعنت ہو، کامطلب اب واضح ہوا (تصویر کر بلا ص ۶۱ طبع دہلی ص ۱۸۳۸)۔

ہارون الرشید کا پہلا حج اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی پہلی گرفتاری

مورخ ابو الفداء لکھتا ہے کہ عنان حکومت لینے کے بعد ہارون الرشید نے ۱۷۳ ھ میں پہلے پہل حج کیا علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ ”جب ہارون الرشید حج کو آیا تو لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں چغلی کھائی کہ ان کے پاس ہر طرف سے مال چلا آتا ہے، اتفاق سے ایک روز ہارون رشید خانہ کعبہ کے نزدیک حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملاقی ہوا اور کہنے لگا تم ہی ہوجن سے لوگ چھپ چھپ کر بیعت کرتے ہیں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم دلوں کے امام ہیں اور آپ جسموں کے، ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ تم کس دلیل سے کہتے ہو کہ ہم رسول اللہ کی ذریت ہیں حالانکہ تم علی کی اولاد ہو اور ہر شخص اپنے دادا سے منتسب ہوتا ہے نانا سے منتسب نہیں ہوتا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ خدائے کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ”ومن ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ“ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے تو جس طرح محض اپنی والدہ کی نسبت سے ذریت انبیاء میں ملحق ہوئے اسی طرح ہم بھی اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ کی نسبت سے جناب رسول خدا کی ذریت ٹہرے، پھر فرمایا کہ جب آیہ مباہلہ نازل ہوئی تو مباہلہ کہ وقت پیغمبر نے سوا علی اور فاطمہ اور حسن و حسین کے کسی کو نہیں بلایا اور بفحوائے ”ابنانا“ حضرت حسن و حسین ہی رسول اللہ کے لیے بیٹے قرار پائے (صواعق محرقہ ص ۱۲۲، نور الابصار ص ۱۳۴، ارجح المطالب ص ۴۵۲)۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ہارون رشید حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور زیارت کے لیے روضہ مقدسہ نبوی پر حاضر ہوا اس وقت اس کے گرد قریش اور دیگر قبائل عرب جمع تھے، نیز حضرت امام موسیٰ کاظم بھی ساتھ تھے ہارون رشید نے حاضرین پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لیے قبر مبارک کی طرف ہو کر کہا، سلام ہو آپ پر اے رسول اللہ، اے ابن عم (میرے چچا زاد بھائی) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام ہو، آپ پر اے میرے پدر بزرگوار! یہ سن کر ہارون کے چہرہ کارنگ فق ہو گیا، اور اس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لے جا کر قید کر دیا (وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۱۳۱، تاریخ احمدی ص ۳۴۹)۔

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ ہارون رشید کے قیدخانہ میں تھے ہارون نے آپ کا امتحان کرنے کے لیے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی، آپ کی خدمت کرنے کے لیے قیدخانہ میں بھیج دی حضرت نے جب اسے دیکھا تو لانے والے سے فرمایا کہ ہارون سے جا کر کہہ دینا کہ انہوں نے یہ ہدیہ واپس کیا ہے اور کہا ہے کہ ”بل انتم بہدیتکم تفرحون“ وہ عطائے توبہ لقا تو اس سے تم ہی خوشی حاصل کرو، اس نے ہارون سے واقعہ بیان کیا، ہارون نے کہا کہ اسے لے جا کر وہیں چھوڑ آؤ، اور ابن جعفر سے کہو کہ نہ میں نے تمہاری مرضی سے تمہیں قید کیا ہے اور نہ تمہاری مرضی سے تمہارے پاس یہ لونڈی بھیجی ہے، میں جو حکم دوں وہ کرنا ہوگا الغرض وہ لومڑی حضرت کے پاس چھوڑ دی گئی

چند دنوں کے بعد ہارون نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاکر پتہ لگائے کہ اس لونڈی کا کے ا رہا اس نے جو قید خانے میں جا کر دیکھا تو وہ حیران رہ گیا اور بھاگا ہوا ہارون کے پاس آکر کہنے لگا کہ وہ لونڈی تو زمین پر سجدہ میں پڑی ہوئی ”سَبَّوحٌ قَدَّوسٌ“ کہہ رہی ہے۔ اور اس کا عجیب حال ہے ہارون نے حکم دیا کہ اسے اس کے سامنے پیش کیا جائے ، جب وہ آئی تو بالکل مبہوت تھی ، ہارون نے پوچھا کہ بات کیا ہے ، اس نے کہا کہ جب میں حضرت کے پاس گئی اور میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوئی ہوں ، تو آپ نے ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ لوگ جب کہ میرے پاس موجود ہیں مجھے تیری کیا ضرورت ہے ، میں نے جب اس سمت کو نظر کی تو دیکھا کہ جنت آراستہ ہے ، اور حورو غلمان موجود ہے ان کا حسن و جمال دیکھ کر میں سجدہ میں گر پڑی اور عبادت کرنے پر مجبور ہو گئی

اے بادشاہ میں نے وہ چیزیں کبھی نہیں دیکھیں جو قیدخانہ میں میری نظر سے گزریں، بادشاہ نے کہا کہ کہیں تو نے سونے کی حالت میں خواب نہ دیکھا ہو، اس نے کہا اے بادشاہ ایسا نہیں ہے میں نے عالم بیداری میں بچشم خود سب کچھ دیکھا ہے یہ سن کر بادشاہ نے اس عورت کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا اور اس کے لیے حکم دیا گیا کہ اس کی نگرانی کی جائے تاکہ یہ کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کرنے پائے ، راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ تاحیات مشغول عبادت رہی اور جب کوئی اس کی نماز وغیرہ کے بارے میں کچھ

کہتاتھا تو یہ جواب میں کہتی تھی کہ میں نے عبدصالح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ یہ پاکباز عورت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات سے چند دنوں پہلے فوت ہو گئی (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۶۳)۔

قیدخانہ سے آپ کی رہائی

آپ قیدخانہ میں تکالیف سے دوچار تھے، اور ہر قسم کی سختیاں آپ پر کی جارہی تھیں کہ ناگاہ بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس سے مجبور ہو کر اس نے آپ کو رہا کر دیا، علامہ ابن حجر مکی بحوالہ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ ایک شب کو ہارون رشید نے حضرت علی علیہ السلام کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ وہ ایک تیشہ لیے ہوئے تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے فرزند کو رہا کر دے ورنہ میں ابھی تجھے کیفر کردار تک پہنچا دوں گا اس خواب کو دیکھتے ہی اس نے رہائی کا حکم دیا، اور کہا کہ اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو رہئے اور مدینہ جانا چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیے آپ کو اختیار ہے، علامہ مسعودی کا کہنا ہے کہ اسی شب کو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کو خواب میں دیکھا تھا (صواعق محرقہ ص ۱۲۲ طبع مصر، علامہ جامی لکھتے ہیں کہ مدینہ روانہ کرتے وقت ہارون نے آپ سے خروج کا شبہ ظاہر کیا آپ نے فرمایا کہ خروج و بغاوت میرے شایان شان نہیں ہے خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا (شواہد النبوت ص ۱۹۲)۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور علی بن یقظین بغدادی

قیدخانہ رشید سے چھوٹنے کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مدینہ منورہ پہنچے اور بدستور اپنے فرائض امامت کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے، آپ چونکہ امام زمانہ تھے اس لیے آپ کو زمانہ کے تمام حوادث کی اطلاع تھی۔

ایک مرتبہ ہارون رشید نے علی بن یقظین بن موسیٰ کوفی بغدادی کہ جو کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خاص ماننے والے تھے اور اپنی کارکردگی کی وجہ سے ہارون رشید کے مقربین میں سے تھے، بہت سی چیزیں دیں جن میں خلعت فاخرہ اور ایک بہت عمدہ قسم کا سیاہ زربفت کابنا ہوا چغہ تھا جس پر سونے کے تاروں سے پھول کڑھے ہوئے تھے اور جسے صرف خلفاء اور بادشاہ پہنا کرتے تھے علی بن یقظین نے ازراہ تقرب و عقیدت اس سامان میں اور بہت سی چیزوں کا اضافہ کر کے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا آپ نے ان کا ہدیہ قبول کر لیا، لیکن اس میں سے اس لباس مخصوص کو واپس کر دیا جو زربفت کابنا ہوا تھا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو، یہ تمہارے اس وقت کام آئے گا جب ”جان جو کہم“ میں پڑی ہوگی انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام نہ جانے کس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہو اسے اپنے پاس رکھ لیا تھوڑے دنوں کے بعد ابن یقظین اپنے ایک غلام سے ناراض ہو گئے اور اسے اپنے گھر سے نکال دیا اس نے جاکر رشید خلیفہ سے ان کی چغلی کھائی اور کہا کہ آپ نے جس قدر خلعت وغیرہ انہیں دی ہے

انہوں نے سب کاسب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دیدیا ہے، اور چونکہ وہ شیعہ ہیں، اس لیے امام کو بہت مانتے ہیں، بادشاہ نے جونہی یہ بات سنی، وہ آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے فوراً سپاہیوں کو حکم دیا کہ علی بن یقظین کو اسی حالت میں گرفتار کر لائیں جس حال میں ہو ہوں، الغرض ابن یقظین لائے گئے، بادشاہ نے پوچھا میرا دیا ہوا چغہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا بادشاہ میرے پاس ہے اس نے کہا میں دیکھنا چاہتا ہوں اور سنو! اگر تم اس وقت اسے نہ دیکھا سکتے تو میں تمہاری گردن مار دوں گا، انہوں نے کہا بادشاہ میں ابھی پیش کرتا ہوں، یہ کہہ کر انہوں نے ایک شخص سے کہا کہ میرے مکان میں جا کر میرے فلاں کمرہ سے میرا صندوق اٹھالا، جب وہ بتایا ہوا صندوق لے آیا تو آپ نے اس کی مہر توڑی اور چغانکال کر اس کے سامنے رکھ دیا، جب بادشاہ نے اپنی آنکھوں سے چغہ دیکھ لیا، تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا، اور خوش ہو کر کہنے لگا، کہ اب میں تمہارے بارے میں کسی کی کوئی بات نہ مانوں گا (شواہد النبوت ص ۱۹۴)۔

علامہ شبلی نجی لکھتے ہیں کہ پھر اس کے بعد رشید نے اور بہت ساعطیہ دے کر انہیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا اور حکم دیا کہ چغلی کرنے والے کو ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں چنانچہ جلادوں نے مارنا شروع کیا اور وہ پانچ سو کوڑے کھا کر مر گیا (بحار الانوار ص ۱۳۰)۔

علی ابن یقظین کو التاوضو کرنے کا حکم

علامہ طبرسی اور علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ علی بن یقظین نے امام

موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ ”ہمارے درمیان“ اس امر میں بحث ہو رہی ہے کہ آیا مسح کعب سے اصابع (انگلیوں) تک ہونا چاہئے یا انگلیوں سے کعب تک حضور اس کی وضاحت فرمائیں، حضرت نے اس خط کا ایک عجیب و غریب جواب تحریر فرمایا آپ نے لکھا کہ میرا خط پاتے ہی تم اس طرح وضو شروع کرو کہ تین مرتبہ کلی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ منہ دھوؤ، اپنی ڈاڈھی کو اچھی طرح بھگوؤ، سارے سر کا مسح کرو، اندر باہر کانوں کا مسح کرو، تین مرتبہ پاؤں دھوؤ اور دیکھو میرے اس حکم کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

علی بن یقظین نے جب اس خط کو پڑھا، حیران رہ گئے لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ ”مولائی اعلم بما قال“ آپ نے جو کچھ حکم دیا ہے اس کی گہرائی اور اس کو جو اچھی طرح آپ کو علم ہوگا اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ علی بن یقظین کی مخالفت برابر دربار میں ہوا کرتی تھی اور لوگ بادشاہ سے کہا کرتے تھے کہ یہ شیعہ ہے اور تمہارے مخالف ہے ایک دن بادشاہ نے اپنے بعض مشیروں سے کہا کہ علی بن یقظین کی شکایات بہت ہو چکی ہیں، اب میں خود چھپ کر دیکھوں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ وضو کیونکہ کرتے اور نماز کیسے پڑھتے ہیں، چنانچہ اس نے چھپ کر آپ کے حجرہ میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ اہل سنت کے اصول اور طریقے پر وضو کر رہے ہیں یہ دیکھ کر وہ ان سے مطمئن ہو گیا اور اس کے بعد سے پھر کسی کے کہنے کو باور نہیں کیا۔

اس واقعہ کے فوراً بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا خط علی بن یقظین کے پاس پہنچا جس میں مرقوم تھا کہ خدشہ دور ہو گیا ”توضاء کما مرک اللہ“ اب تم اسی طرح وضو کرو، جس طرح خدانے حکم دیا ہے یعنی اب التواضونہ کرنا، بلکہ سیدھا اور صحیح وضو کرنا اور تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ انگلیوں کے سرے سے کعبین تک پاؤں کا مسح ہونا چاہئے (اعلام الوری ص ۱۷۰، مناقب جلد ۵ ص ۵۸)۔

وزیر اعظم علی بن یقظین کو امام موسیٰ کاظم کی فہمائش

علامہ حسین بن عبدالوہاب تحریر فرماتے ہیں کہ ”محمد بن علی صوفی کا بیان ہے کہ ابراہیم جمال (جو امام موسیٰ کاظم کے صحابی تھے) نے ایک دن ابوالحسن علی بن یقظین سے ملاقات کے لیے وقت چاہا انہوں نے وقت نہ دیا، اسی سال وہ حج کے لیے گئے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی تشریف لے گئے ابن یقظین حضرت سے ملنے کے لیے گئے انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا، ابن یقظین کو بڑا تعجب ہوا، راستے میں ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے ابراہیم سے ملاقات کرنے سے انکار کیا تھا اس لیے میں بھی تم سے نہیں ملا اور اس وقت تک نہ ملوں گا جب تک تم ان سے معافی نہ مانگو گے اور انہیں راضی نہ کرو گے، ابن یقظین نے عرض کی مولا میں مدینہ میں ہوں اور وہ کوفہ میں ہیں، فوری ملاقات کیسے ہو سکتی ہے، فرمایا تم تنہا بقیع میں جاؤ، ایک اونٹ تیار ملے گا اور اونٹ پر سوار ہو کر

کوفہ کے لیے روانہ ہوچشم زدن میں وہاں پہنچ جاؤ گے چنانچہ وہ گئے اور اونٹ پر سوار ہو کر کوفہ پہنچے ، ابراہیم کے دروازہ پردق الباب کیا آواز آئی کون ہے؟ کہامیں ابن یقظین ہوں ، انہوں نے کہا، تمہارا میرے دروازہ پر کیا کام ہے؟ ابن یقظین نے جواب دیا، سخت مصیبت میں مبتلا ہوں، خدا کے لیے ملنے کا وقت دو، چنانچہ انہوں نے اجازت دی، ابن یقظین نے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگی اور سارا واقعہ کہہ سنایا ابراہیم نے معافی دی پھر اسی اونٹ پر سوار ہو کر چشم زدن میں مدینہ پہنچے اور امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام نے بھی معاف کر دیا اور ملاقات کا وقت دے کر گفتگو فرمائی (عیون المعجزات ص ۱۲۳ طبع ملتان)۔

امام موسیٰ کاظم اور فدک کے حدود اربعہ

علامہ یوسف بغدادی سبط ابن جوزی حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن ہارون الرشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ آپ فدک لینا چاہیں تو میں دیدوں ، آپ نے فرمایا کہ میں جب اس کے حدود بتاؤں گا تو اسے دینے پر راضی نہ ہوگا اور میں اسی وقت لے سکتا ہوں جب اس کے پورے حدود دئیے جائیں، اس نے پوچھا اس کے حدود کیا ہیں فرمایا پہلی حد، عدن ہے دوسری سمرقند ہے تیسری حد افریقہ ہے چوتھی حد سیف البحر ہے جو خزر اور آرمینیا کے قریب ہے یہ سن کر ہارون رشید آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ پھر ہمارے لیے کیا رہا؟ حضرت نے فرمایا کہ اسی لیے تو میں

نے لینے سے انکار کیا تھا اس واقعہ کے بعد ہی سے ہارون رشید حضرت کے درپے قتل ہو گیا (خواص الامۃ علامہ سبط ابن جوزی س ۴۱۶)۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دوبارہ گرفتاری

علامہ ابن شہر آشوب، علامہ طبرسی، علامہ اربلی، علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ ۷۰ - ۱۶۹ ھ میں ہادی کے بعد ہارون تخت خلافت پر بیٹھا، سلطنت عباسیہ کے قدیم روایات جو سادات بنی فاطمہ کی مخالفت میں تھے اس کے پیش نظر تھے، خود اس کے باپ منصور کارویہ جو امام صادق علیہ السلام کے خلاف تھا، اسے معلوم تھا، اس کا یہ ارادہ کے جعفر صادق کے جانشین کو قتل کر ڈالا جائے، یقیناً اس کے بیٹے ہاؤوں کو معلوم ہو چکا ہوگا، وہ تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی حکیمانہ وصیت کا اخلاقی دباؤ تھا جس نے منصور کے ہاتھ باندھ دئے تھے اور پھر شہر بغداد کی تعمیر کی مصروفیت تھی جس نے اسے اس جانب متوجہ نہ ہونے دیا تھا، اب ہارون کے لیے سب سے پہلے یہی تصور پیدا ہو سکتا تھا کہ اس روحانیت کے مرکز کو جو مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں قائم ہے توڑنے کی کوشش کی جائے، مگر ایک طرف امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا محتاط اور خاموش طرز عمل اور دوسری طرف سلطنت کی اندرونی مشکلات ان کی وجہ سے نوبرس تک ہارون رشید کو بھی کسی کھلے ہوئے تشدد کا امام کے خلاف موقع نہ ملا۔ اسی دوران میں عبد اللہ ابن حسن کے فرزندیحی کا واقعہ درپیش ہوا اور وہ امان

دئیے جانے کے بعد تمام عہدوپیمان توڑ کر دردناک طریقے پر قید رکھے گئے اور پھر قتل کئے گئے باوجودیکہ یحی کے معاملات سے امام موسی کاظم علیہ السلام کو کسی طرح کاسروکار نہ تھا، بلکہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ان کو حکومت کی مخالفت سے منع فرماتے تھے مگر عداوت بنی فاطمہ کا جذبہ جو یحی بن عبداللہ کی مخالفت کے بہانے سے ابھر گیا تھا، اس کی زد سے امام موسی کاظم علیہ السلام بھی محفوظ نہ رہ سکے، ادھر یحی بن خالد برمکی نے جو وزیر اعظم تھا، امین (فرزند ہارون رشید) کے اتالیق جعفر بن محمد اشعث کی رقابت میں اس کے خلاف یہ الزام قائم کیا کہ یہ امام موسی کاظم علیہ السلام کے شیعوں میں سے ہے اور ان کے اقتدار کا خواہاں ہے۔ براہ راست اس کا مقصد ہارون کو جعفر سے برگشتہ کرنا تھا، لیکن بالواسطہ اس کا تعلق حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے ساتھ بھی تھا اس لئے ہارون کو حضرت کی ضرر رسانی کی فکر پیدا ہو گئی اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ ہارون رشید حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ میں آیا اتفاق سے اسی سال حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام بھی حج کو تشریف لائے ہوئے تھے ہارون نے اپنی آنکھوں سے اس عظمت و مرجعیت کا مشاہدہ کیا جو مسلمانوں میں امام موسی کاظم کے متعلق پائی جاتی تھی اس سے اس کے حسد کی آگ بھڑک اٹھی اس کے بعد اس میں محمد بن اسماعیل کی مخالفت نے اور اضافہ کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسماعیل، امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے فرزند تھے

اور اس لیے ان کی زندگی میں عام طور پر لوگوں کا خیال یہ تھا، کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے قائم مقام ہوں گے مگر ان کا انتقال امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ہو گیا اور لوگوں کا یہ خیال غلط ثابت ہوا، پھر بھی بعض سادہ لوح اس اصحاب اس خیال پر رہے کہ جانشینی کا حق اسماعیل اور اولاد اسماعیل میں منحصر ہے انہوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کو تسلیم نہیں کیا چنانچہ اسماعیلیہ فرقہ بن گیا مختصر تعداد میں صحیح اب بھی دنیا میں موجود ہے محمدان ہی اسماعیل کے فرزند تھے اور اس لیے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طرح کی مخالفت پہلے سے رکھتے تھے مگر چونکہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ افراد کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے اس لیے ظاہری طور پر امام موسیٰ کاظم کے یہاں آمدورفت رکھتے تھے اور ظاہری طور پر قرابت داری کے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے۔

ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مخالفت کی صورتوں پر غور کرتے ہوئے یحیٰ برمکی سے مشورہ لیا، کہ میں چاہتا ہوں کہ اولاد ابوطالب میں سے کسی کو بلا کر اس سے موسیٰ بن جعفر کے پورے حالات دریافت کروں یحیٰ جو خود بھی عداوت بنی فاطمہ میں ہارون سے کم نہ تھا اس نے محمد بن اسماعیل کا پتہ دیا، کہ آپ ان کو بلا کر دریافت کریں، تو صحیح حالات معلوم ہو سکیں گے، چنانچہ اسی وقت محمد بن اسماعیل کے نام خط لکھا گیا۔

شہنشاہ وقت کاخط جو محمد بن اسماعیل کو پہنچا تو اس نے اپنی دنیاوی کامیابی کا بہترین ذریعہ سمجھ کر فوراً بغداد جانے کا ارادہ کر لیا مگر ان دنوں ہاتھ بالکل خالی تھا، اتنا روپیہ پاس موجود نہ تھا کہ سامان سفر کرتے ، مجبوراً اسی ڈیوڑھی پر انا پڑا جہاں کرم و عطاء میں دوست اور دشمن کی تفریق نہ تھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس آکر بغداد جانے کا ارادہ ظاہر کیا حضرت خوب سمجھتے تھے کہ اس بغداد کے سفر کا پس منظر اور اس کی بنیاد کیا ہے حجت تمام کرنے کی غرض سے آپ نے سفر کا سبب دریافت کیا انہوں نے اپنی پریشان حالی بیان کرتے ہوئے کہا قرضدار بہت ہو گیا ہوں، خیال کرتا ہوں کہ شاید وہاں جا کر کوئی صورت بسر اوقات کی نکلے اور میرا قرضہ ادا ہو جائے حضرت نے فرمایا، وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا تمام قرضہ ادا کر دوں گا اور جہاں تک ہوگا تمہارے ضروریات زندگی بھی پورے کرتا رہوں گا۔

افسوس ہے کہ محمد نے اس کے بعد بھی بغداد جانے کا ارادہ نہیں بدلا چلتے وقت حضرت سے رخصت ہونے لگے تو عرض کیا کہ مجھے وہاں کے متعلق کچھ ہدایت فرمائی جائے ، حضرت نے اس کا کچھ جواب نہ دیا جب انہوں نے کئی مرتبہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ”بس اتنا خیال رکھنا کہ میرے خون میں شریک نہ ہونا، اور میرے بچوں کی یتیمی کا باعث نہ بننا“ محمد نے اس کے بعد بہت کہا کہ یہ بھلا کونسی بات ہے جو مجھ سے کہی جاتی ہے کچھ اور ہدایت فرمائیے حضرت نے اس کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار کیا، جب وہ چلنے

لگاتو حضرت نے ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم انہیں مصارف سفر کے لیے عطا فرمائے نتیجہ وہی ہوا، جو حضرت کے پیش نظر تھا، محمد بن اسماعیل بغداد پہنچے اور وزیر اعظم برمکی کے مہمان ہوئے اس کے بعد یحییٰ کے ساتھ ہارون کے دربار میں پہنچے، مصلحت وقت کی بنا پر بہت تعظیم و تکریم کی گئی، اثناء گفتگو میں ہارون نے مدینہ کے حالات دریافت کئے محمد نے انتہائی غلط بیانیوں کے ساتھ وہاں کے حالات کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ ”میں نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ سنا کہ ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں۔“ اس نے کہا: کہ اس کا مطلب؟ محمد نے کہا کہ بالکل اسی طرح جیسے آپ بغداد میں سلطنت کر رہے ہیں، موسیٰ کاظم مدینہ میں اپنی سلطنت قائم کئے ہوئے ہیں، اطراف ملک سے ان کے پاس خراج پہنچتا ہے اور وہ آپ کے مقابلہ کے دعوے دار ہیں انہوں نے تیس ہزار اشرفی کی ایک زمین خریدی ہے جس کا نام ”سیریہ“ (شبلنجی) یہی وہ باتیں تھیں جن کے کہنے کے لیے یحییٰ برمکی نے محمد کو منتخب کیا تھا، ہارون کا غیظ و غضب انتہائی اشتغال کے درجہ تک پہنچ گیا اس نے محمد کو دس ہزار دینار عطا کر کے رخصت کیا خدا کا کرنا یہ کہ محمد کو اس رقم سے فائدہ اٹھانے کا ایک دن بھی موقع نہیں ملا، اسی شب کو ان کے حلق میں درد پیدا ہوا، غالباً ”خناق“ ہو گیا اور صبح ہوتے ہوتے وہ دنیا سے رخصت ہو گئے ہارون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اشرفیوں کے توڑے واپس منگوائے، مگر محمد کی باتوں کا اثر اس کے دل پر ایسا جم گیا تھا کہ اس نے یہ طے کر لیا کہ امام موسیٰ کاظم کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

چنانچہ ۱۷۹ ھ میں پھر ہارون رشید نے مکہ کا سفر کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ گیا، دوایک روز قیام کے بعد کچھ لوگ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کیے جب یہ لوگ امام کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت روضہ رسول اللہ پر ہیں ان لوگوں نے روضہ رسول کی عزت کا بھی خیال نہ کیا حضرت اس وقت قبر رسول کے نزدیک نماز میں مشغول تھے بے رحم دشمنوں نے آپ کو نماز کی حالت میں قید کر لیا، اور ہارون کے پاس لے گئے مدینہ رسول کے رہنے والوں میں بے حسی اس کے پہلے بھی بہت دفعہ دیکھی جا چکی تھی یہ بھی اس کی ایک مثال تھی کہ رسول کافر زندقہ رسول سے اس طرح گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا مگر نام و نہاد مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو کسی طرح کی آواز احتجاج بلند کرتا، یہ ۲۰ / سوال ۱۷۹ ھ کا واقعہ ہے۔

ہارون نے اس اندیشہ سے کہ کوئی جماعت امام موسیٰ کاظم کو رہا کرانے کی کوشش نہ کرے، دو محملیں تیار کرائیں ایک میں امام موسیٰ کاظم کو سوار کرایا اور اس کی ایک بہت بڑی فوجی جمعیت کے حلقہ میں بصرہ روانہ کیا اور دوسری محمل جو خالی تھی اسے بھی اتنی ہی جمعیت کی حفاظت میں بغداد روانہ کیا مقصد یہ تھا کہ آپ کے محل قیام اور قید کی جگہ کو بھی مشکوک بنا دیا جائے یہ نہایت حسرتناک واقعہ تھا کہ امام کے اہل حرم اور بچے وقت رخصت آپ کو دیکھ بھی نہ سکے اور اچانک محل سر میں صرف یہ اطلاع پہنچ سکی کہ حضرت سلطنت وقت کی طرف سے قید کر لیے گئے اس

سے بیویوں اور بچوں میں کہرام برپا ہو گیا اور یقیناً امام کے دل پر بھی اس کا صدمہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے مگر آپ کے ضبط و صبر کی طاقت کے سامنے ہر مشکل آسان تھی۔

معلوم نہیں کتنے ہیر پھیر سے راستہ طے کیا گیا تھا کہ پورے ایک مہینہ سترہ روز کے بعد ۷/ ذی الحجہ کو آپ بصرہ پہنچائے گئے ایک سال تک آپ بصرہ میں قید رہے یہاں کا حاکم ہارون کا چچا زاد بھائی عیسیٰ بن جعفر تھا، شروع میں تو اسے صرف بادشاہ کے حکم کی تعمیل مدنظر تھی، بعد میں اس نے غور کرنا شروع کیا کہ آخر ان کے قید کئے جانے کا سبب کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اس کو امام علیہ السلام کے حالات اور سیرت زندگی اور اخلاق و اوصاف کی جستجو کا موقع بھی ملا، اور جتنا اس نے امام کی سیرت کا مطالعہ کیا اتنا اس کے دل پر آپ کی بلندی اخلاق اور حسن کردار کا اثر قائم ہوتا گیا اپنے ان اثرات سے اس نے ہارون کو مطلع بھی کر دیا، ہارون پر اس کا الٹا اثر ہوا کہ عیسیٰ کے متعلق بدگمانی پیدا ہو گئی اس لیے اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بغداد میں بلا بھیجا اور فضل بن ربیع کی حراست میں دیدیا اور پھر فضل کا رجحان شیعیت کی طرف محسوس کر کے یحییٰ برمکی کو اس کے لیے مقرر کیا معلوم ہوتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اخلاق و اوصاف کی کشش ہر ایک پر اثر ڈالتی تھی اس لیے ظالم بادشاہ کونگرا نوں کی تبدیلی کی ضرورت پڑتی تھی سب سے آخر میں امام علیہ السلام ”سندی بن شاہک“ کے قیدخانہ میں رکھے گئے یہ بہت ہی بے رحم اور سخت دل تھا ملاحظہ ہو (مناقب جلد ۵ ص

۶۸ ، اعلام الوری ص ۱۸۰ ، کشف الغمہ ص ۱۰۸ ، نورالابصار ص ۱۳۶ ،
سوانح امام موسیٰ کاظم ص ۱۵)۔

امام علیہ السلام کا قیدخانہ میں امتحان اور علم غیب کا مظاہرہ

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ ہارون رشید کے قیدخانہ کی سختیاں برداشت فرما رہے تھے امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید ابو یوسف اور محمد بن حسن ایک شب قیدخانہ میں اس لیے گئے کہ آپ کے بحر علم کی تہاہ معلوم کریں اور دیکھیں کہ آپ علم کے کتنے پانی میں ہیں وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے سلام کیا، امام علیہ السلام نے جواب سلام عنایت فرمایا، ابھی یہ حضرات کچھ پوچھنے نہ پائے تھے کہ ایک ملازم ڈیوٹی ختم کر کے گھر جاتے ہوئے آپ کی خدمت میں عرض پرداز ہوا کہ میں کل واپس آؤں گا اگر کچھ منگنا ہو تو مجھ سے فرمادیجیے میں لیتاؤں گا آپ نے ارشاد فرمایا مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، جب وہ چلا گیا تو آپ نے ابو یوسف وغیرہ سے کہا کہ یہ بیچارہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں اس سے اپنی حاجت بیان کروں تاکہ یہ کل اس کی تکمیل و تعمیل کر دے لیکن اسے خبر نہیں، کہ یہ آج رات کو وفات پاجائے گا، ان حضرات نے جو یہ سننا تو سوال و جواب کئے بغیر ہی واپس چلے آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم ان سے حلال و حرام، واجب و سنت کے متعلق سوالات کرنا چاہتا ہے ”فاخذتکلم معنا علم الغیب“ مگر یہ تو ہم سے علم غیب کی باتیں کر رہے تھے اس کے

بعدان دونوں حضرات نے اس ملازم کے حالات کاپتہ لگایا، تو معلوم ہوا کہ وہ ناگہانی طور پر رات ہی میں وفات کر گیا یہ معلوم کر کے یہ حضرات سخت متعجب ہوئے (نور الابصار ص ۱۴۶) -

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یہ حضرات پھر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ ہمیں معلوم تھا کہ آپ کو صرف علم حلال و حرام ہی میں مہارت حاصل ہے لیکن قید خانہ کے ملازم نے واضح کر دیا، کہ آپ علم المناہجہ اور علم غیب بھی جانتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ علم ہمارے لیے مخصوص ہے اس کی تعلیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو دی تھی، اور ان سے یہ علم ہم تک پہنچا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ جب ہارون رشید بصرہ میں ایک سال قید رکھنے کے بعد عیسیٰ ابن جعفر والی بصرہ کو لکھا کہ موسیٰ بن جعفر (امام موسیٰ کاظم) کو قتل کر کے بادشاہ کو ان کے وجود سے سکون دے دیے تو اس نے اپنے ہمدردوں سے مشورہ کے بعد ہارون رشید کو لکھا کہ اے بادشاہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام میں میں نے اس ایک سال کے اندر کوئی برائی نہیں دیکھی یہ شب و روز نماز روزہ میں مصروف و مشغول رہتے ہیں عوام اور حکومت کے لیے دعائے خیر کیا کرتے ہیں اور ملک کی فلاح و بہبود کے

خواہشمند ہیں بھلامجھ سے کیونکر ہوسکتا ہے کہ میں انہیں قتل کر کے اپنی عاقبت بگاڑوں۔

”اے بادشاہ ! میں ان کے قتل کرنے میں اپنے انجام اور اپنی عاقبت کی تباہی دیکھ رہا ہوں اور سخت حرج محسوس کرتا ہوں، لہذا تو مجھے اس گناہ عظیم کے ارتکاب سے معاف کر بلکہ مجھے حکم دیدے کہ میں انہیں قید مشقت سے رہا کر دوں اس خط کے پانے کے بعد ہارون رشید نے آخر میں یہ کام سندی بن شاہک کے حوالہ کیا اور اسی سے آپ کو زہر دلو اور شہید کرادیا زہر کھانے کے بعد آپ تین روز تک تڑپتے رہے، یہاں تک کہ وفات پا گئے (نور الابصار ص ۱۳۷)۔

علامہ جامی لکھتے ہیں کہ زہر کھاتے ہی آپ نے فرمایا کہ آج مجھے زہر دیا گیا ہے کل میرا بدن زرد ہو جائے گا اور تیسرے سیاہ ہوگا اور اسی دن میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا (شوہد النبوت ص ۱۹۳)۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے آپ کو بغداد میں قید کر دیا ”فلم یخرج من حبسہ الامیتامقیدا“ اور تاحیات قید رکھا آپ کی وفات کے بعد وفات کے بعد تھکڑی اور بیڑی کٹوائی گئی آپ کی وفات ہارون رشید کے زہر سے ہوئی جو اس نے ابن شاہک کے ذریعہ سے دلویا تھا جب آپ کو کھانے یا خرمہ میں زہر دیا گیا تو آپ تین روز تک تڑپتے رہے یہاں تک کہ انتقال ہو گیا (صواعق محرقة ۱۳۲، ارجح المطالب ص ۴۵۴) علامہ ابن الساعی علی بن انجب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے انتہائی

مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا گیا (اخبار الخلفاء) علامہ ابوالفداء لکھتے ہیں کہ قیدخانہ رشید میں آپ نے وفات پائی (ابوالفداء جلد ۲ ص ۱۵۱)، علامہ دیار بکری لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید کے حکم سے یحی بن خالد برمکی وزیر اعظم نے خرمہ میں زہر دے کر شہید کر دیا (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۰)

- علامہ جامی لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید نے بغداد میں لا کر تاعمر قید رکھا آخر میں اپنے وزیر اعظم یحی برمکی کے ذریعہ سے قیدخانہ میں زہر دلوایا اور آپ وفات پا گئے (شواہد النبوت ص ۱۹۳)۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ کو کوئی مرتبہ زہر دیا گیا لیکن آپ ہر بار محفوظ رہے ایک مرتبہ آپ نے وہ خرمہ اٹھا کر جس میں زہر تھا زمیں پر پھینک دیا جسے ہارون کے کتے نے کھالیا اور وہ مر گیا کتے کے مرنے کی خبر سے ہارون رشید کو شدید رنج ہوا اور اس نے خادم سے سخت باز پرس کی (جلاء العیون ص ۲۷۶)۔

تعداد اولاد

صواعق محرقہ میں ہے کہ آپ کے ۳۷ اولاد تھی

چودہ ستارے

حضرت امام علی رضا علیہ السلام

ولادت باسعادت

علماء ومورخین کابیان ہے کہ آپ بتاریخ ۱۱/ ذی قعدہ ۱۵۳ ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے ہیں (اعلام الوری ص ۱۸۲ ، جلاء الیعون ص ۲۸۰ ، روضة الصفا جلد ۳ ص ۱۳ ، انوار النعمانیہ ص ۱۲۷) آپ کی ولادت کے متعلق علامہ مجلسی اور علامہ محمد پیار سا تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ام البنین کا کہنا ہے کہ جب تک امام علی رضا علیہ السلام میرے بطن میں رہے مجھے گل کی گرانباری مطلقاً محسوس نہیں ہوئی، میں اکثر خواب میں تسبیح وتہلیل اور تمہید کی آوازیں سنا کرتی تھی جب امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے زمین پر تشریف لاتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دئے اور اپنا فرق مبارک آسمان کی طرف بلند کر دیا آپ کے لبہائے مبارک جنبش کرنے لگے ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ خدا سے کچھ باتیں کر رہے ہیں ، اسی اثناء میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں خداوند عالم کی یہ عنایت و کرامت مبارک ہو ، پھر میں نے مولود مسعود کو آپ کی آغوش میں دیدیا آپ نے اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”بگیر این راکہ بقیہ خداست در زمین حجت خداست بعد از من“ اسے لے لویہ زمین پر خدا کی نشانی ہے اور میرے بعد حجت اللہ کے فرائض کا ذمہ دار ہے ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ آپ دیگر آئمہ علیہم السلام کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے

تھے (فصل الخطاب وجلاء العيون ص ۲۷۹)۔

نام، کنیت، القاب

آپ کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے لوح محفوظ کے مطابق اور تعین رسول صلعم کے موافق آپ کو ”اسم علی“ سے موسوم فرمایا، آپ آل محمد، میں کے تیسرے ”علی“ ہیں (اعلام الوری ص ۲۲۵، مطالب السؤل ص ۲۸۲)۔

آپ کی کنیت ابو الحسن تھی اور آپ کے القاب صابر، زکی، ولی، رضی، وصی تھے واشہرہا الرضاء اور مشہورترین لقب رضا تھا (نور الابصار ص ۱۲۸ و تذکرۃ خواص الامۃ ص ۱۹۸)۔

لقب رضا کی توجیہ

علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو رضا اس لیے کہتے ہیں کہ آسمان وزمین میں خدا و عالم، رسول اکرم اور ائمہ طاہرین، نیز تمام مخالفین و موافقین آپ سے راضی تھے (اعلام الوری ص ۱۸۲) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ بزنتی نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے لوگوں کی افواہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے والد ماجد کو لقب رضا سے مامون رشید نے ملقب کیا تھا آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہ لقب خدا و رسول کی خوشنودی کا جلوہ بردار ہے اور خاص بات یہ ہے کہ آپ سے موافق و مخالف دونوں راضی

اور خوشنودتھے (جلاء العیون ص ۲۷۹، روضة الصفا جلد ۳ ص ۱۲)۔

آپ کی تربیت

آپ کی نشوونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی اور اسی مقدس ماحول میں بچپنا اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئیں اور ۳۰ برس کی عمر پوری ہوئی اگرچہ آخری چند سال اس مدت کے وہ تھے جب امام موسیٰ کاظم اعراق میں قید ظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس سے پہلے ۲۴ یا ۲۵ برس آپ کو برابر اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

بادشاہان وقت

آپ نے اپنی زندگی کی پہلی منزل سے تابہ عہدوفات بہت سے بادشاہوں کے دور دیکھے آپ ۱۵۳ ھ میں بہ عہد منصور دوانقی متولد ہوئے (تاریخ خمیس) ۱۵۸ ھ میں مہدی عباسی ۱۶۹ ھ میں ہادی عباسی ۱۷۰ ھ میں ہارون رشید عباسی ۱۹۴ ھ میں امین عباسی ۱۹۸ ھ میں ہمامون رشید عباسی علی الترتیب خلیفہ وقت ہوتے رہے (ابن الوردی حبیب السیر ابوالفداء)۔ آپ نے ہر ایک کا دور بچشم خود دیکھا اور آپ پدر بزرگوار نیز دیگر اولاد علی وفاطمہ کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا، اسے آپ ملاحظہ فرماتے رہے یہاں تک کہ ۲۳۰ ھ میں آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

جانشینی

آپ کے پدربزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حکومت وقت جس کی باگ ڈور اس وقت ہارون رشید عباسی کے ہاتھوں میں تھی آپ کو آزادی کی سانس نہ لینے دے گی اور ایسے حالات پیش آجائیں گے کہ اب کی عمر کے آخری حصہ میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستانہ اہلیت کا آپ سے ملنا یا بعد کے لیے راہنما کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائے گا اس لیے آپ نے انہیں آزادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ مدینہ میں تھے پیروان اہلیت کو اپنے بعد ہونے والے امام سے روشناس کرانے کی ضرورت محسوس فرمائی چنانچہ اولاد علی و فاطمہ میں سے سترہ آدمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے انہیں جمع فرما کر اپنے فرزند حضرت علی رضا علیہ السلام کی وصایت اور جانشینی کا اعلان فرمادیا اور ایک وصیت نامہ تحریر بھی مکمل فرمایا جس پر مدینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی یہ اہتمام دوسرے آئمہ کے یہاں نظر نہیں آیا صرف ان خصوصی حالات کی بناء پر جن سے دوسرے آئمہ اپنی وفات کے موقعہ پر دو چار نہیں ہونے والے تھے۔

امام موسیٰ کاظم کی وفات اور امام رضا کے درامامت کا آغاز

۱۸۳ ھ میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قیدخانہ ہارون رشید میں اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گزار کر درجہ شہادت حاصل فرمایا، آپ کی

وفات کے وقت امام رضا علیہ السلام کی عمر میری تحقیق کے مطابق تیس سال کی تھی والدبزرگوار کی شہادت کے بعد امامت کی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل ہو گئیں یہ وہ وقت تھا جب کہ بغداد میں ہارون رشید تخت خلافت پر متمکن تھا اور بنی فاطمہ کے لیے حالات بہت ہی ناسازگار تھے۔

ہارونی فوج اور خانہ امام رضا علیہ السلام

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد دس برس ہارون رشید کا دور رہا یقیناً وہ امام رضا علیہ السلام کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا جس طرح اس کے پہلے آپ کے والد ماجد کارہنہ اس نے گوارا نہیں کیا مگر یا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور جس کے نتیجہ میں قید خانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اس سے حکومت وقت کی عام بدنامی ہو گئی تھی اور یا واقعی ظالم کو بدسلوکیوں کا احساس اور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضا کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی تھی لیکن وقت سے پہلے اس نے امام رضا علیہ السلام کو ستانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا حضرت کے عہدہ امامت کو سنبھالتے ہی ہارون رشید نے آپ کا گھر لٹوا دیا، اور عورتوں کے زیورات اور کپڑے تک اتر والیے تھے۔ تاریخ اسلام میں ہے کہ ہارون رشید نے اس حوالہ اور بہانے سے کہ محمد بن جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی حکومت و خلافت سے انکار کر دیا ہے ایک

عظیم فوج عیسیٰ جلودی کی ماتحتی میں مدینہ منورہ بھیج کر حکم دیا کہ علی و فاطمہ کی تمام اولاد کی بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا جائے ان کے گھروں میں آگ لگادی جائے ان کے سامان لوٹ لیے جائیں اور انہیں اس درجہ مفلوج اور مفلوک کر دیا جائے کہ پھر ان میں کسی قسم کے حوصلہ کے ابھرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکے اور محمد بن جعفر صادق کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے، عیسیٰ جلودی نے مدینہ پہنچ کر تعمیل حکم کی سعی بلیغ کی اور ہر ممکن طریقہ سے بنی فاطمہ کو تباہ و برباد کیا، حضرت محمد بن جعفر صادق علیہ السلام نے بھرپور مقابلہ کیا لیکن آخر میں گرفتار ہو کر ہارون رشید کے پاس پہنچا دیئے گئے۔

عیسیٰ جلودی سادات کرام کو لوٹ کر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے دولت کدہ پر پہنچا اور اس نے خواہش کی کہ وہ حسب حکم ہارون رشید، خانہ امام میں داخل ہو کر اپنے ساتھیوں سے عورتوں کے زیورات اور کپڑے اتارے، امام علیہ السلام نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا، میں خود تمہیں سارا سامان لا کر دئے دیتا ہوں پہلے تو وہ اس پر راضی نہ ہوا لیکن بعد میں کہنے لگا کہ اچھا آپ ہی اتار لائیے آپ محل سرامیں تشریف لے گئے اور آپ نے تمام زیورات اور سارے کپڑے ایک سترپوش چادر کے علاوہ لا کر دیدیا اور اسی کے ساتھ ساتھ اثاث البیت نقد و جنس یہاں تک کہ بچوں کے کان کے بندے سب کچھ اس کے حوالہ کر دیا وہ ملعون تمام سامان لے کر بغداد روانہ ہو گیا، یہ واقعہ آپ کے آغاز امامت کا ہے۔

علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر صادق کے واقعہ سے امام علی رضا علیہ السلام کا کوئی تعلق نہ تھا وہ اکثر اپنے چچا محمد کو خاموشی کی ہدایت اور صبر کی تلقین فرمایا کرتے تھے ابو الفرج اصفہانی مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر نہایت متقی اور پرہیزگار شخص تھے کسی ناصبی نے دستی کتبہ لکھ کر مدینہ کی دیواروں پر چسپاں کر دیا تھا جس میں حضرت علی و فاطمہ کے متعلق ناسزا لفظ تھے یہی آپ کے خروج کا سبب بنا۔

آپ کی بیعت لفظ امیر المومنین سے کی گئی آپ جب نماز کو نکلتے تھے تو آپ کے ساتھ دو سو صلحا و اتقیا ہوا کرتے تھے علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد صفوان بن یحییٰ نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا کہ مولانا آپ کے بارے میں ہارون رشید سے بہت خائف ہیں ہمیں ڈر ہے کہ یہ کہیں آپ کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو آپ کے والد کے ساتھ کر چکا ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو اپنی سعی کرے گا لیکن مجھ پر کامیاب نہ ہو سکے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حالات نے اسے کچھ اس اس درجہ آخر میں مجبور کر دیا تھا کہ وہ کچھ بھی نہ کر سکا یہاں تک کہ جب خالد بن یحییٰ برمکی نے اس سے کہا کہ امام رضا اپنے باپ کی طرح امر امامت کا اعلان کرتے اور اپنے کو امام زمانہ کہتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ ہم جوان کے ساتھ کر چکے ہیں وہی ہمارے لیے کافی ہے اب تو چاہتا ہے کہ ”ان نقتلہم جمیعاً“ ہم سب کے سب کو قتل کر ڈالیں، اب میں ایسا نہیں کروں

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ پھر بھی ہارون رشید کا اہلبیت رسول سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ جو برتاؤ اب تک رہا تھا اس کی بناء پر عام طور سے عمال حکومت یا عام افراد بھی جنہیں حکومت کو راضی رکھنے کی خواہش تھی اہلبیت کے ساتھ کوئی اچھا رویہ رکھنے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ امام کے پاس آزادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لیے آسکتے تھے نہ حضرت کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔ ہارون کا آخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں، امین اور مامون کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی مینگزا، امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شاہی سے منصور دوانقی کی پوتی تھی اور اس لیے عرب سردار سب اس کے طرف دار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ سے تھا اس لیے دربار کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا، دونوں کی آپس کی رسہ کشی ہارون کے لیے سوہان روح بنی ہوئی تھی اس نے اپنے خیال میں اس کا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کر دیا کہ دار السلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصہ جسے شام، مصر، حجاز، یمن، وغیرہ محمد امین کے نام کئے اور مشرقی ممالک جیسے ایران، خراسان، ترکستان، وغیرہ مامون کے لیے مقرر کئے مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کارگر ہو سکتا تھا جب جو دونوں فریق ”جیو اور جینے دو“ کے اصول پر عمل کرتے ہوتے لیکن جہاں اقتدار کی ہوس کار فرما ہو، وہاں بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے

کے مدمقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے پر تیار نظر آئے اور کیوں نہ ان طاقتوں میں باہمی تصادم ہو جب کہ ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور ایثار اور خلق خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے جسے بنی فاطمہ اپنے پیش نظر رکھ کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کر لیا کرتے تھے اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی آنکھ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میں خانہ جنگیوں کے شعلے بھڑک اٹھے آخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مامون کو کامیابی حاصل ہوئی اور اس کا بھائی امین محرم ۱۹۸ ھ میں تلوا کے گھاٹ اتار دیا گیا اور مامون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدود سلطنت پر قائم ہو گئی۔ یہ سچ ہے کہ ہارون رشید کے ایام سلطنت میں آپ کی امامت کے دس سال گزرے اس زمانہ میں عیسیٰ جلودی کی تاخت کے بعد پھر اس نے آپ کے معاملات کی طرف بالکل سکوت اور خاموشی اختیار کر لی اس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں:

اول تو یہ کہ اس س سالہ زندگی کے ابتدائی ایام میں وہ آل برامکہ کے استیصال رافع بن لیث ابن تیار کے غدار و فساد کے انسداد میں جو سمرقند کے علاقہ سے نمودار ہو کر ماوراء النہر اور حدود عرب تک پھیل چکا تھا ایسا ہمہ وقت اور ہمہ دم الجہار ہا کہ پھر اس کو ان امور کی طرف توجہ کرنے کی ذرا بھی فرصت نہ ملی دوسرے یہ کہ اپنی دس سالہ مدت کے آخری ایام میں یہ اپنے بیٹوں میں ملک

تقسیم کر دینے کے بعد خود ایسا کمزور اور مجبور ہو گیا تھا کہ کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا تھا نام کا بادشاہ بنا بیٹھا ہوا، اپنی زندگی کے دن نہایت عسرت اور تنگی کی حالتوں میں کاٹ رہا تھا اس کے ثبوت کے لیے واقعہ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

صبح طبری کا بیان ہے کہ ہارون جب خراسان جانے لگا تو میں نہروان تک اس کی مشایعت کو گیا راستہ میں اس نے بیان کیا کہ اے صباح تم اب کے بعد پھر مجھے زندہ نہ پاؤ گے میں نے کہا میرا مومنین ایسا خیال نہ کریں آپ انشاء اللہ صحیح و سالم اس سفر سے واپس آئیں گے یہ سن کر اس نے کہا کہ شاید تجھ کو میرا حال معلوم نہیں ہے او میں دکھا دوں، پھر مجھے راستہ کاٹ کر ایک سمت درخت کے نیچے لے گیا اور وہاں سے اپنے خواصوں کو ہٹا کر اپنے بدن کا کپڑا اٹھا کر مجھے دکھایا، تو ایک پارچہ ریشم شکم پر لپیٹا ہوا تھا، اور اس سے سارا بدن کسا ہوا تھا یہ دکھا کر مجھ سے کہا کہ میں مدت سے بیمار ہوں تمام بدن میں درد اٹھتا ہے مگر کسی سے اپنا حال نہیں کہہ سکتا تمہارے پاس بھی یہ راز امانت رہے میرے بیٹوں میں سے ہر ایک کا گماشتہ میرے اوپر مقرر ہے ماموں کی طرف سے مسرور، امین کی جانب سے بختیشوع، یہ لوگ میری سانس تک گنتے رہتے ہیں، اور نہیں چاہتے کہ میں ایک روز بھی زندہ رہوں، اگر تم کو یقین نہ ہو تو دیکھو میں تمہارے سامنے گھوڑا سوار ہونے کو مانگتا ہوں، ایسا لا غرٹو میرے لیے لائیں گے جس پر سوار ہو کر میں اور زیادہ بیمار ہو جاؤں، یہ کہہ کر گھوڑا طلب کیا واقعی ایسا ہی

لاغراٹیل ٹٹو حاضر کیا اس پر ہارون نے بے چون و چرا سوار ہو گیا اور مجھ کو وہاں سے رخصت کر کے جرجان کاراستہ پکڑ لیا (لمعة الضیاء ص ۹۲)۔

بہر حال ہارون رشیدی کی یہی مجبوریاں تھیں جنہوں نے اس کو حضرت امام علی رضاعلیہ السلام کے مخالفانہ امور کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا ورنہ اگر اسے فرصت ہوتی اور وہ اپنی قدیم ذی اختیاری کی حالتوں پر قائم رہتا تو اس سلسلہ کی غارت گری و بربادی کو کبھی بھولنے والا نہیں تھا، مگر اس وقت کیا کر سکتا تھا اپنے ہی دست و پا اپنے اختیار میں نہیں تھے بہر حال ہارون رشیدی اسی ضیق النفس مجبوری ناداری اور بے اختیاری کی غیر متحمل مصیبتوں میں خراسان پہنچ کر شروع ۱۹۳ ھ مرگیا۔

ان دونوں بھائیوں امین اور مامون کے متعلق مورخین کا کہنا ہے کہ مامون تو پھر بھی سوجھ بوجھ اور اچھے کیرکٹر کا آدمی تھا لیکن امین عیاش، لا ابالی اور کمزور طبیعت کا تھا سلطنت کے تمام حصوں، بازی گر، مسخرے اور نجومی جوتشی بلوائے، نہایت خوبصورت طوائف اور نہایت کامل گانے والیوں اور خواجہ سراؤں کو بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے اور ناٹک کی ایک محفل مثل اندرسبھا کے ترتیب دی، یہ تھیٹر اپنے زرق برق سامانوں سے پریوں کا اکھاڑا ہوتا تھا سیوطی نے ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ امین اپنی بیویوں اور کنیزوں کو چھوڑ کر خصیوں سے لواطت کرتا تھا (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۶۰)۔

امام علی رضا کا حج اور ہارون رشید عباسی

زمانہ ہارون رشید میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اسی سال ہارون رشید بھی حج کے لیے آیا ہوا تھا خانہ کعبہ میں داخلہ کے بعد امام علی رضا علیہ السلام ایک دروازہ سے اور ہارون رشید دوسرے دروازہ سے نکلے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دوسرے دروازہ سے نکلنے والا جو ہم سے دور جا رہا ہے عنقریب طوس میں دونوں ایک جگہ ہوں گے ایک روایت میں ہے کہ یحییٰ ابن خالد برمکی کو امام علیہ السلام نے مکہ میں دیکھا کہ وہ رومال سے گرد کی وجہ سے منہ بند کئے ہوئے جا رہا ہے آپ نے فرمایا کہ اسے پتہ بھی نہیں کہ اس کے ساتھ امسال کیا ہونے والا ہے یہ عنقریب تباہی کی منزل میں پہنچا دیا جائے گا چنانچہ ایسا ہوی ہوا۔

راوی مسافر کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر امام علیہ السلام نے ہارون رشید کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملاتے ہوئے فرمایا کہ میں اوریہ اسی طرح ایک ہو جائیں گے وہ کہتا ہے کہ میں اس ارشاد کا مطلب اس وقت سمجھا جب آپ کی شہادت واقع ہوئی اور دونوں ایک مقبرہ میں دفن ہوئے موسیٰ بن عمران کا کہنا ہے کہ اسی سال ہارون رشید مدینہ منورہ پہنچا اور امام علیہ السلام نے اسے خطبہ دیتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ عنقریب میں اور ہارون ایک ہی مقبرہ میں دفن کئے جائیں گے (نور الابصار ص ۱۴۴)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا مجدد مذہب امامیہ ہونا

حدیث میں ہر سو سال کے بعد ایک مجدد اسلام کے نمودوشہود کا نشان ملتا ہے یہ ظاہر ہے کہ جو اسلام کا مجدد ہوگا اس کے تمام ماننے والے اسی کے مسلک پر گامزن ہوں گے اور مجدد کا جو بنیادی مذہب ہوگا اس کے ماننے والوں کا بھی وہی مذہب ہوگا، حضرت امام رضا علیہ السلام جو قطعی طور پر فرزند رسول اسلام تھے وہ اسی مسلک پر گامزن تھے جس مسلک کی بنیاد پیغمبر اسلام اور علی خیر الانام کا وجود ہی وجود تھا یہ مسلمات سے ہے کہ آل محمد علیہم السلام پیغمبر علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے تھے اور انہیں کے خدائی منشاء اور بنیادی مقصد کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے یعنی آل محمد کا مسلک وہ تھا جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسلک تھا۔ علامہ ابن اثیر جزری اپنی کتاب جامع الاصول میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام تیسری صدی ہجری میں اور ثقتہ الاسلام علامہ کلینی چوتھی صدی ہجری میں مذہب امامیہ کے مجدد تھے علامہ قونوی اور ملامین نے اسی کو دوسری صدی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے (وسيلة النجات ص ۳۷۶) ، شرح جامع صغیر)۔

محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز ابن اثیر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن اثیر جزری صاحب جامع الاصول کہ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا مجدد مذہب امامیہ دو قرن ثالث گفتہ است ابن اثیر جزری صاحب جامع الاصول نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو تیسری صدی میں مذہب امامیہ کا مجدد ہونا ظاہر و واضح فرمایا ہے (تحفہ اثنا عشریہ کید ۸۵ ص ۸۳)

بعض علماء اہل سنت نے آپ کو دوسری صدی کا اور بعض نے تیسری صدی کا مجدد بتلایا ہے میرے نزدیک دونوں درست ہے کیوں کہ دوسری صدی میں امام رضاعلیہ السلام کی ولادت اور تیسری صدی کے آغاز میں آپ کی شہادت ہوئی ہے -

حضرت امام رضاعلیہ السلام کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل

آپ کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل کا لکھنا اس لیے دشوار ہے کہ وہ بے شمار ہیں ”مشتی نمونہ از خرداری“ یہ ہیں بحوالہ علامہ شبلی نجی ابراہیم بن عباس تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام علی رضاعلیہ السلام نے کبھی کسی شخص کے ساتھ گفتگو کرنے میں سختی نہیں کی، اور کبھی کسی بات کو قطع نہیں فرمایا آپ کے مکارم عادات سے تھا کہ جب بات کرنے والا اپنی بات ختم کر لیتا تھا تب اپنی طرف سے آغاز کلام فرماتے تھے کسی کی حاجت روائی اور کام نکالنے میں حتی المقدور دریغ نہ فرماتے، کبھی ہمنشین کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے اور نہ اہل محفل کے روبرو تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے کبھی اپنے غلاموں کو گالی نہ دی اور چیزوں کا کیا ذکر، میں نے کبھی آپ کے تھوکتے اور ناک صاف کرتے نہیں دیکھا، آپ قبہ لگا کر ہرگز نہیں ہنستے تھے خندہ زنی کے موقع پر آپ تبسم فرمایا کرتے تھے محاسن اخلاق اور تواضع و انکساری کی یہ حالت تھی کہ دسترخوان پر سائیس اور دربان تک کو اپنے ساتھ بٹھالیتے، راتوں کو بہت کم سوتے اور اکثر راتوں کو شام سے

صبح تک شب بیداری کرتے تھے اکثر اوقات روزے سے ہوتے تھے مگر ہرمہینے کے تین روزے تو آپ سے کبھی قضا نہیں ہوئے ارشاد فرماتے تھے کہ ہر ماہ میں کم از کم تین روزے رکھ لینا ایسا ہے جیسے کوئی ہمیشہ روزے سے رہے ۔

آپ کثرت سے خیرات کیا کرتے تھے اور اکثر رات کے تاریک پردہ میں اس استحباب کو ادا فرمایا کرتے تھے موسم گرم میں آپ کافر ش جس پر آپ بیٹھ کر فتویٰ دیتے یا مسائل بیان کیا کرتے بوریہ ہوتا تھا اور سر مامیں کمبل آپ کا یہی طرز اس وقت بھی رہا جب آپ ولی عہد حکومت تھے آپ کا لباس گھرمیں موٹا اور خوشن ہوتا تھا اور رفع طعن کے لیے باہر آپ اچھا لباس پہنتے تھے ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ حضور اتنا عمدہ لباس کیوں استعمال فرماتے ہیں آپ نے اندر کا پیراہن دکھلا کر فرمایا اچھا لباس دنیا والوں کے لیے اور کمبل کا پیراہن خدا کے لیے ہے۔

علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ حمام میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جندی نامی آگیا اور اس نے بھی نہانا شروع کیا دوران غسل میں اس نے بھی نہانا شروع کیا دوران غسل میں اس نے امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ میرے جسم پر پانی ڈالئے آپ نے پانی ڈالنا شروع کیا اتنے میں ایک شخص نے کہا اے جندی فرزند رسول سے خدمت لے رہا ہے ارے یہ امام رضا ہیں، یہ سننا تھا کہ وہ پیروں پر گر پڑا اور معافی مانگنے لگا (نور الابصار

ایک مرد بلخی ناقل ہے کہ حضرت کے ساتھ ایک سفر میں تھا ایک مقام پر دسترخوان بچھتاو آپ نے تمام غلاموں کو جن میں حبشی بھی شامل تھے بلا کر بٹھالیا میں نے عرض کیا مولانا نہیں علیحدہ بٹھلائیں تو کیا حرج ہے آپ نے فرمایا کہ سب کارب ایک ہے اور ماں باپ آدم و حوا بھی ایک ہیں اور جزا و سزا اعمال پر موقوف ہے، تو پھر تفرقہ کیا آپ کے ایک خادم یا سرکا کہنا ہے کہ آپ کا یہ تاکید حکم تھا کہ میرے آنے پر کوئی خادم کھانا کھانے کی حالت میں میری تعظیم کونہ اٹھے۔

معمربن خلد کا بیان ہے کہ جب بھی دسترخوان بچھتا آپ ہر کھانے میں سے ایک ایک لقمہ نکال لیتے تھے، اور اسے مسکینوں اور یتیموں کو بھیج دیا کرتے تھے شیخ صدوق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بزرگی تقوی سے ہے جو مجھ سے زیادہ متقی ہے وہ مجھ سے بہتر ہے۔

ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ آپ مجھے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ مال عنایت کیجیے، فرمایا یہ ممکن ہے چنانچہ آپ نے اسے دو سو اشرفی عنایت فرمادی، ایک مرتبہ نویں ذی الحجہ یوم عرفہ آپ نے راہ خدام میں سارا گھرا لٹا دیا یہ دیکھ کر فضل بن سہیل وزیر مامون نے کہا حضرت یہ تو غرامت یعنی اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے آپ نے فرمایا یہ غرامت نہیں ہے غنیمت ہے میں اس کے عوض میں خدا سے نیکی اور حسنہ لوں گا۔ آپ کے خادم یا سرکا بیان ہے کہ ہم ایک دن میوہ کھا رہے تھے اور کھانے میں

ایسا کرتے تھے کہ ایک پہل سے کچھ کھاتے اور کچھ پھینک دیتے ہمارے اس عمل کو آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا نعمت خدا کو ضائع نہ کرو ٹھیک سے کھاؤ اور جو بیچ جائے اسے کسی محتاج کو دیدو، آپ فرمایا کرتے تھے کہ مزدور کی مزدوری پہلے طے کرنا چاہئے کیونکہ نچکائی ہوئی اجرت سے زیادہ جو کچھ دیا جائے گاپانے والا اس کو انعام سمجھے گا۔

صولی کابیان ہے کہ آپ اکثر عود بندی کا بخور کرتے اور مشک و گلاب کاپانی استعمال کرتے تھے عطریات کا آپ کو بڑا شوق تھا نماز صبح اول وقت پڑھتے اس کے بعد مسجد میں چلے جاتے تھے اور نہایت ہی طول دیتے تھے پھر لوگوں کو پند و نصائح فرماتے۔

سلیمان بن جعفر کا کہنا ہے کہ آپ آباؤ اجداد کی طرح خرمے کو بہت پسند فرماتے تھے آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے جب بھی آپ بستر پر لیٹتے تھے تابہ خواب قرآن مجید کے سورے پڑھا کرتے تھے موسیٰ بن سیار کا کہنا ہے کہ آپ اکثر اپنے شیعوں کی میت میں شرکت فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر روز شام کے وقت امام وقت کے سامنے شیعوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اگر کوئی شیعہ گناہ گار ہوتا ہے تو امام اس کے لیے استغفار کرتے ہیں علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کے سامنے جب بھی کوئی آتا تھا آپ پہچان لیتے تھے کہ مومن ہے یا منافق (اعلام الوری، تحفہ رضویہ، کشف الغمہ ص ۱۱۲)۔

علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ آپ ہر سوال کا جواب قرآن مجید سے دیتے تھے

اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے (جنات الخلود ص ۳۱)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا علمی کمال

مورخین کا بیان ہے کہ آل محمد کے اس سلسلہ میں ہر فرد حضرت احدیت کی طرف سے بلند ترین علم کے درجے پر قرار دیا گیا تھا جسے دوست اور دشمن کو ماننا پڑتا تھا یہ اور بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقع دیا اور کسی کو زیادہ، چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اگر کسی کو سب سے زیادہ موقع حاصل ہوا ہے تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام ہیں، جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی علی رضا عالم آل محمد ہیں، اپنے دین مسائل کو ان سے دریافت کر لیا کرو، اور جو کچھ اسے کہیں یاد رکھو، اور پھر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضہ رسول پر تشریف فرما رہے تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محمد بن عیسیٰ یقطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان تحریری مسائل کو جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے ان کا جواب تحریر فرمایا تھا، اکھٹا کیا تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے، صاحب لمعة الرضاء تحریر کرتے ہیں کہ حضرت ائمہ طاہرین علیہم السلام کے خصوصیات میں یہ

امر تمام تاریخی مشاہد اور نیز حدیث و سیر کے اسانید معتبر سے ثابت ہے ، باوجودیکہ اہل دنیا کو آپ حضرات کی تقلید اور متابعت فی الاحکام کا بہت کم شرف حاصل تھا، مگر باین ہمہ تمام زمانہ و ہر خویش و بیگانہ آپ حضرات کو تمام علوم الہی اور اسرار الہی کا گنجینہ سمجھتاتھا اور محدثین و مفسرین اور تمام علماء و فضلاء جو آپ کے مقابلہ کا دعویٰ رکھتے تھے وہ بھی علمی مباحث و مجالس میں آپ حضرات کے آگے زانوئے ادب نہ کرتے تھے اور علمی مسائل کو حل کرنے کی ضرورتوں کے وقت حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے لے کر امام زین العابدین علیہ السلام تک استفادے کئے وہ سب کتابوں میں موجود ہے۔

جابر بن عبد اللہ انصاری اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں سمع حدیث کے واقعات تمام احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں ، اسی طرح ابو الطفیل عامری اور سعید بن جبیر آخری صحابہ کی تفصیل حالات جوان بزرگوں کے حال میں پائے جاتے ہیں وہ سیر و تواریخ میں مذکور و مشہور ہیں صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور ان لوگوں کی فیض یابی کی بھی یہی حالت ہے ، شعبی ، زہری ، ابن قتیبہ ، سفیان ثوری ، ابن شیبہ ، عبد الرحمن ، عکرمہ ، حسن بصری ، وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب جو اس وقت اسلامی دنیا میں دینیات کے پیشوا اور مقدس سمجھے جاتے تھے ان ہی بزرگوں کے چشمہ فیض کے جرعہ نوش اور انہی حضرات کے مطیع و حلقہ بگوش تھے ۔ جناب امام رضا علیہ السلام کو اتفاق حسنہ سے اپنے علم و فضل کے اظہار کے

زیادہ موقع پیش آئے کیوں کہ مامون عباسی کے پاس جب تک دارالحکومت مرو تشریف فرما رہے، بڑے بڑے علماء و فضلاء علوم مختلفہ میں آپ کی استعداد اور فضیلت کا اندازہ کرایا گیا اور کچھ اسلامی علماء پر موقوف نہیں تھا بلکہ علماء یہودی و نصاریٰ سے بھی آپ کا مقابلہ کرایا گیا، مگر ان تمام مناظروں و مباحثوں میں ان تمام لوگوں پر آپ کی فضیلت و فوقیت ظاہر ہوئی، خود مامون بھی خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ اعلم و افضل تھا باوجود اس کے تب حرفی العلوم کا لوہا مانتا تھا اور چار و ناچار اس کا اعتراف پر اعتراف اور اقرار پر اقرار کرتا تھا چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ آپ جلالت قدر عزت و شرافت میں معروف و مذکور ہیں، اسی وجہ مامون آپ کو بمنزلہ اپنی روح و جان جانتا تھا اس نے اپنی دختر کا نکاح آنحضرت علیہ السلام سے کیا، اور ملک ولایت میں اپنا شریک گردانا، مامون برابر علماء ادیان و فقہائے شریعت کو جناب امام رضا علیہ السلام کے مقابلہ میں بلاتا اور مناظرہ کرتا، مگر آپ ہمیشہ ان لوگوں پر غالب آتے تھے اور خود ارشاد فرماتے تھے کہ میں مدینہ میں روضہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھتا، وہاں کے علمائے کثیر جب کسی علمی مسئلہ میں عاجز آجاتے تو بالاتفاق میری طرف رجوع کرتے، جواب ہائے شافی دے کر ان کی تسلی و تسکین کر دیتا۔

ابوصلت ابن صالح کہتے ہیں کہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہما السلام سے زیادہ کوئی عالم میری نظر سے نہیں گزرا، اور مجھ پر موقوف نہیں

جو کوئی آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا وہ میری طرح آپ کی اعلمیت کی شہادت دے گا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے بعض مرویات وارشادات

حضرت امام رضا علیہ السلام سے بے شمار احادیث مروی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

- ۱ - بچوں کے لیے ماں کے دودھ سے بہتر کوئی دودھ نہیں ۔
- ۲ - سرکہ بہترین سالن ہے جس کے گھرمیں سرکہ ہوگا وہ محتاج نہ ہوگا۔
- ۳ - ہرانار میں ایک دانہ جنت کا ہوتا ہے
- ۴ - منقی صفر اکودرست کرتا ہے بلغم کودور کرتا ہے پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے
- نفس کو پاکیزہ بناتا اور رنج و غم کودور کرتا ہے
- ۵ - شہد میں شفا ہے ، اگر کوئی شہد بدیدہ کرے تو واپس نہ کرو ۶ - گلاب جنت کے پھولوں کا سردار ہے۔
- ۷ - بنفشہ کاتیل سرمیں لگانا چاہئے اس کی تاثیر گرمیوں میں سرد اور سردیوں میں گرم ہوتی ہے۔
- ۸ - جوزیتون کاتیل سرمیں لگائے یا کھائے اس کے پاس چالیس دن تک شیطان نہ آئے گا۔
- ۹ - صلہ رحم اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے مال میں زیادتی ہوتی ہے۔

۱۰ - اپنے بچوں کاساتویں دن ختنہ کر دیا کرو اس سے صحت ٹھیک ہوتی ہے

اور جسم پر کوشت چڑھتا ہے -

۱۱ - جمعہ کے دن روزہ رکھنا دس روزوں کے برابر ہے۔

۱۲ - جو کسی عورت کامہرنہ دے یا مزدور کی اجرت روکے یا کسی کو فروخت

کردے وہ بخشانہ جاوے گا۔

۱۳ - شہد کھانے اور دودھ پینے سے حافظہ بڑھتا ہے۔ ۱۴ - گوشت کھانے

شفا ہوتی ہے اور مرض دور ہوتا ہے۔

۱۵ - کھانے کی ابتداء نمک سے کرنی چاہئے کیونکہ اس سے ستر بیماریوں

سے حفاظت ہوتی ہے جن میں جذام بھی ہے۔

۱۶ - جو دنیا میں زیادہ کھائے گا قیامت میں بھوکا رہے گا۔

۱۷ - مسور ستر انبیاء کی پسندیدہ خوراک ہے اس سے دل نرم ہوتا ہے

اور آنسو بنتے ہیں۔ ۱۸ - جو چالیس دن گوشت نہ کھائے گا بذاخلاق ہو جائے گا۔

۱۹ - کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا چاہئے۔ ۲۰ - کھانے پیالے کے کنارے سے کھانا

چاہئے۔

۲۱ - عمر طول کے لیے اچھا کھانا، اچھی جوتی پہنا اور قرض سے بچنا، کثرت

جماع سے پرہیز کرنا مفید ہے۔

۲۲ - اچھے اخلاق والا پیغمبر اسلام کے ساتھ قیامت میں ہوگا۔ ۲۳ - جنت میں

متقی اور حسن خلق والوں کی اور جہنم میں پیٹوا اور زناکاروں کی کثرت ہوگی۔

۲۴ - امام حسین کے قال بخشے نہ جائیں گے ان کا بدلہ خدالے گا۔

۲۵ - حسن اور حسین علیہم السلام جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے
پدر بزرگواران سے بہتر ہیں۔

۲۶ - اہل بیت کی مثال سفینہ نوح جیسی ہے، نجات وہی پائے گا جو اس
پرسوار ہوگا۔

۲۷ - حضرت فاطمہ ساق عرش پکڑ کر قیامت کے دن واقعہ کربلا کا فیصلہ
چاہیں گی اس دن ان کے ہاتھ میں امام حسین علیہ السلام کا خون بھرا پیرا بن
ہوگا۔

۲۸ - خداسے روزی صدقہ دیے کرمانگو۔

۲۹ - سب سے پہلے جنت میں وہ شہدا اور عیال دار جائیں گے جو پرہیزگار ہوں
گے اور سب سے پہلے جہنم میں حاکم غیر عادل اور مالدار جائیں گے (مسند امام
رضاطبع مصر ۱۳۴۱ ہجری)

۳۰ - ہر مومن کا کوئی نہ کوئی پڑوسی اذیت کا باعث ضرور ہوگا۔

۳۱ - بالوں کی سفیدی کاسر کے اگلے حصے سے شروع ہونا سلامتی اور اقبال
مندی کی دلیل ہے اور رخساروں ڈاڑھی کے اطراف سے شروع ہونا سخاوت
کی علامت ہے اور گیسوؤں سے شروع ہونا شجاعت کا نشان ہے اور گدی سے
شروع ہونا حوست ہے۔

۳۲ - قضا و قدر کے بارے میں آپ نے فضیل بن سہیل کے جواب میں فرمایا کہ
انسان نہ بالکل مجبور ہے اور نہ بالکل آزاد ہے (نور الابصار ص ۱۴۰)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام اور مجلس شہداء کربلا

علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ شاعر آل محمد، دعبل خزاعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عاشورہ کے دن میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ آپ اصحاب کے حلقہ میں انتہائی غمگین و حزیں بیٹھے ہوئے ہیں مجھے حاضر ہوتے دیکھ کر فرمایا، آؤ آؤ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں مینقریب پہنچا تو آپ نے اپنے پہلو میں مجھے جگہ دے کر فرمایا کہ اے دعبل چونکہ آج یوم عاشور ہے اور یہ دن ہمارے لیے انتہائی رنج و غم کا دن ہے لہذا تم میرے جد مظلوم حضرت امام حسین علیہ السلام کے مرثیہ سے متعلق کچھ شعر پڑھو، اے دعبل جو شخص ہماری مصیبت پر روئے یا لائے اس کا اجر خدا پر واجب ہے، اے دعبل جس شخص کی آنکھ ہمارے غم میں تر ہو وہ قیامت میں ہمارے ساتھ محشور ہوگا، اے دعبل جو شخص ہمارے جد نامدار حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں روئے گا خدا اس کے گناہ بخش دے گا۔

یہ فرما کر امام علیہ السلام نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پردہ کھینچا اور مخدرات عصمت کو بلا کر اس میں بٹھا دیا پھر آپ میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے ہاں دعبل! ابے میرے جد امجد کا مرثیہ شروع کرو، دعبل کہتے ہیں کہ میرا دل بھرا آیا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آل محمد میں رونے کا کہرام عظیم برپا تھا صاحب در المصائب تحریر فرماتے ہیں کہ دعبل کا مرثیہ سن کر معصومہ قم جناب فاطمہ ہمیشہ حضرت امام رضا علیہ السلام اس

قدر روئیں کہ آپ کو غش آگیا۔

اس اجتماعی طریقہ سے ذکر حسینی کو مجلس کہتے ہیں اس کا سلسلہ عہد امام رضامیں مدینہ سے شروع ہو کر مرو تک جاری رہا، علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ اب امام رضا علیہ السلام کو تبلیغ حق کے لیے نام حسین کی اشاعت کے کام کو ترقی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا جس کی بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام قائم کر چکے تھے مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ جب امام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے جو بحیثیت امام یا بحیثیت عالم دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور اب امام رضا علیہ السلام تو امام روحانی بھی ہیں اور ولی عہد سلطنت بھی، اس لیے آپ کے دربار میں حاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔

مرو، وہ مقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے ہر طرف کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں یہ عالم کہ ادھر محرم کا چاند نکلا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص کی جانے لگی کہ آل محمد کے مصائب کو یاد کرو اور اثرات غم کو ظاہر کرو یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مردہ نہ ہوگا اس دن کے جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔ تذکرہ امام حسین کے لیے جو مجمع ہو، اس کا نام اصطلاحی طور پر مجلس اسی امام رضا علیہ السلام کی حدیث سے ہی ماخوذ ہے آپ نے عملی طور پر بھی

خود مجلسیں کرنا شروع کر دیں جن میں کبھی خود ذاکر ہوئے اور دوسرے سامعین جیسے ریان بن شیبب کی حاضری کے موقع پر آپ نے مصائب امام حسین علیہ السلام بیان فرمائے اور کبھی عبداللہ بن ثابت یاعبل خزاعی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر امام حسین میں اشعار پڑھو وہ ذاکر ہوا، اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے الخ۔

مامون رشیدی کی مجلس مشاورت

حالات سے متاثر ہو کر مامون رشید نے ایک مجلس مشاورت طلب کی جس میں علماء و فضلاء، زعماء اور امراء سب ہی کو مدعو کیا جب سب جمع ہو گئے تو اصل راز دل میں رکھتے ہوئے ان سے یہ کہا کہ چونکہ شہر خراسان میں ہماری طرف سے کوئی حاکم نہیں ہے اور امام رضا سے زیادہ لائق کوئی نہیں ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ امام رضا کو بلا کروہاں کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دیں، مامون کا مقصد تو یہ تھا کہ ان کو خلیفہ بنا کر علویوں کی بغاوت اور ان کی چابکدستی کو روک دے لیکن یہ بات اس نے مجلس مشاورت میں ظاہر نہیں کی، بلکہ ملکی ضرورت کا حوالہ دے کر انہیں خراسان کا حاکم بنانا ظاہر کیا، اور لوگوں نے تو اس پر جو بھی رائے دی ہو لیکن حسن بن سہل اور وزیر اعظم فضل بن سہل اس پر راضی نہ ہوئے اور یہ کہا کہ اس طرح خلافت بنی عباس سے آل محمد کی طرف منتقل ہو جائے گی مامون نے کہا کہ میں نے جو کچھ سوچا ہے وہ یہی ہے اور اس پر عمل کروں گا یہ سن کر وہ

لوگ خاموش ہو گئے اتنے میں حضرت علی ابن ابی طالب کے ایک معزز صحابی، سلیمان بن ابراہیم بن محمد بن داؤد بن قاسم بن ہبیت بن عبداللہ بن حبیب بن شیخان بن ارقم، کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے مامون رشید ”راست می گوئی امامی ترسم کہ تو باحضرت امام رضا ہمان کنی کہ کوفیان باحضرت امام حسین کردند“ تو سچ کہتا ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تو کہیں ان کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو کوفیوں نے امام حسین کے ساتھ کیا ہے۔

مامون رشید نے کہا کہ اے سلیمان تم یہ کیا سوچ رہے ہو، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، میں ان کی عظمت سے واقف ہوں جو انہیں ستائے گا قیامت میں حضرت رسول کریم اور حضرت علی حکیم کو کیوں کر منہ دکھائے گا تم مطمئن رہو، انشاء اللہ ان کا ایک بال بھی بیکانہ ہو گا یہ کہہ کر بروایت ابو مخنف مامون رشید نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھا اور قسم کھا کر کہا کہ میں ہرگز اولاد پیغمبر پر کوئی ظلم نہ کروں گا اس کے بعد سلیمان نے تمام لوگوں کو قسم دے کر بیعت لے لی پھر انہوں نے ایک بیعت نامہ تیار کیا اور اس پر اہل خراسان کے دستخط لیے دستخط کرنے والوں کی تعداد چالیس ہزار تھی بیعت نامہ تیار ہونے کے بعد مامون رشید نے سلیمان کو بیعت نامہ سمیت مدینہ بھیج دیا، سلیمان قطع مراحل وطے منازل کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملاقات کی، ان کی خدمت میں مامون کا پیغام پہنچا دیا۔

اور مجلس مشاورت کے تمام واقعات بیان کئے اور بیعت نامہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے جونہی اس کو کھولا اور اس کا سرنامہ دیکھا، سر مبارک ہلا کر فرمایا کہ یہ میرے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے، اس وقت آپ آبدیدہ تھے پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے جد نامدار نے خواب میں نتائج و احوال سے آگاہ کر دیا ہے، سلیمان نے کہا کہ مولایہ تو خوشی کا موقع ہے آپ اس درجہ پریشان کیوں ہیں، ارشاد فرمایا کہ میں اس دعوت میں اپنی موت دیکھ رہا ہوں انہوں نے کہا کہ مولامیں نے سب سے بیعت لے لی ہے کہا درست ہے لیکن جد نامدار نے جو فرمایا ہے وہ غلط نہیں ہو سکتا، میں مامون کے ہاتھوں شہید کیا جاؤں گا۔

بلاخر آپ پر کچھ دباؤ پڑا کہ آپ مروخراسان کے لیے عازم ہو گئے جب آپ کے عزیزوں اور وطن والوں کو آپ کی روانگی کا حال معلوم ہوا ہے پناہ روئے۔ غرض کہ آپ روانہ ہو گئے، راستے میں ایک چشمہ آب کے کنارے چند آہوؤں کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں جب ان کی نظر حضرت پر پڑی سب دوڑ پڑے اور باچشم ترکہنے لگے کہ حضور خراسان نہ جائیں کہ دشمن بہ لباس دوستی آپ کی تاک میں ہے اور ملک الموت استقبال کے لیے تیار ہیں، حضرت نے فرمایا کہ اگر موت آئی ہے تو وہ ہر حال میں آئے گی (کنز الانساب ابو مخنف ص ۸۷ طبع بمبئی ۱۳۰۲ ہ۔)۔

ایک روایت میں ہے کہ مامون نے اپنی غرض کے لیے حضرت کو خلیفہ وقت بنانے کے لیے لکھا تو آپ نے انکار کر دیا پھر اس نے تحریر کیا کہ آپ میری ولی

عہدی قبول کیجئے آپ نے اس سے بھی انکار کر دیا جب وہ آپ کی طرف سے مایوس ہو گیا تو اس نے تین سو افراد پر مشتمل فوج بھیج دی اور حکم دیدیا کہ وہ جس حالت میں ہوں اور جہاں ہوں ان کو گرفتار کر کے لایا جائے اور انہیں اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ کسی سے مل سکیں چنانچہ فوج غالباً فضل بن سہل وزیر اعظم کی قیادت میں مدینہ پہنچی اور امام علیہ السلام کو مسجد سے گرفتار کر کے مرو خراسان کے لیے روانہ ہو گئی، اتنا موقع نہ دیا کہ امام علیہ السلام، اپنے اہل و عیال سے رخصت ہولیتے۔

مامون کی طلبی سے قبل امام علیہ السلام کی روضہ رسول پر فریاد

ابومخنف بن لوط بن یحیٰ خزاعی کا بیان ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم کی شہادت کے بعد ۱۵ / محرم الحرام شب یک شنبہ کو حضرت امام رضا علیہ السلام نے روضہ رسول خدا پر حاضری دی وہاں مشغول عبادت تھے کہ آنکھ لگ گئی، خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول کریم بالباس سیاہ تشریف لائے ہیں اور سخت پریشان ہیں امام علیہ السلام نے سلام کیا حضور نے جواب سلام دے کر فرمایا، اے فرزند، میں اور علی و فاطمہ، حسن و حسین سب تمہارے غم میں نالاں و گریاں ہیں اور ہم ہی نہیں فرزندم زین العابدین، محمد باقر، جعفر صادق اور تمہارے پدر موسیٰ کاظم سب غمگین اور رنجیدہ ہیں، اے فرزند عنقریب مامون رشیدتم کو زہر سے شہید کرے گا، یہ دیکھ کر آپ کی آنکھ کھل گئی، اور آپ زار زار رونے لگے پھر روضہ مبارک سے باہر آئے

ایک جماعت نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کو پریشان دیکھ کر پوچھا کہ مولا اضطراب کی وجہ کیا ہے فرمایا ابھی ابھی جدمدار نے میری شہادت کی خبر دی ہے اے ابوصلت دشمن مجھے شہید کرنا چاہتا ہے اور میں خدا پر بھروسہ کرتا ہوں جو مرضی معبود ہو وہی میری مرضی ہے اس خواب کے تھوڑے عرصہ بعد مامون رشید کالشکر مدینہ پہنچ گیا اور وہ امام علیہ السلام کو اپنی سیاسی غرض کرنے کے لیے وہاں سے دارالخلافت ”مرو“ میں لے آیا (کنز الانساب ص ۸۶)۔

امام رضا علیہ السلام کی مدینہ سے مرو میں طلبی

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ حالات کی روشنی میں مامون نے اپنے مقام پر یہ قطعی فیصلہ اور عزم بالجزم کر لینے کے بعد کہ امام رضا علیہ السلام کو ولیعہد خلافت بنائے گا اپنے وزیر اعظم فضل بن سہل کو بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ ہماری رائے ہے کہ ہم امام رضا کو ولی عہدی سپرد کردیں تم خود بھی اس پرسوچ و بچار کرو، اور اپنے بھائی حسن بن سہل سے مشورہ کرو ان دونوں نے آپس میں تبادلہ خیال کرنے کے بعد مامون کی بارگاہ میں حاضری دی، ان کا مقصد تھا کہ مامون ایسا نہ کرے ورنہ خلافت آل عباس سے آل محمد میں چلی جائے گی ان لوگوں نے اگرچہ کھل کر مخالفت نہیں کی، لیکن دبے لفظوں میں ناراضگی کا اظہار کیا مامون نے کہا کہ میرا فیصلہ اٹل ہے اور میں تم دونوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم مدینہ جا کر امام رضا کو اپنے ہمراہ لاؤ (حکم حاکم مرگ

مفاجات) آخرکاریہ دونوں امام رضا کی خدمت میں مقام مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور انہوں نے بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت امام علی رضانے اس عرضداشت کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ میں اس امر کے لیے اپنے کو پیش کرنے سے معذور ہوں لیکن چونکہ بادشاہ کا حکم تھا کہ انہیں ضرور لاؤ اس لیے ان دونوں نے بے انتہا صبر اور کیا اور آپ کے ساتھ اس وقت تک لگے رہے جب تک آپ نے مشروط طور پر وعدہ نہیں کر لیا (نور الابصار ص ۴۱)۔

امام رضا علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ جب امین قتل ہوا تو مامون سلطنت عباسیہ کا مستقل بادشاہ بن گیا یہ ظاہر ہے کہ امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت مامون کے پائے نام ہو گئی مگر یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ امین ننہیال کی طرف سے عربی النسل تھا، اور مامون عجمی النسل تھا امین کے قتل ہونے سے عراق کی عرب قوم اور ارکان سلطنت کے دل مامون کی طرف سے صاف نہیں ہوسکتے تھے بلکہ وہ ایک غم و غصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرف دار تھی اس سے بھی مامون کو ہر طرح خطرہ لگا ہوا تھا۔ اولاد فاطمہ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے وہ خواہ قتل کر دیے گئے ہوں یا جلاوطن کئے گئے

ہوں یا قید رکھے گئے ہوں ان کے موافق جماعت تھی جو اگرچہ حکومت کا کچھ بگاڑ نہ سکتی تھی مگر دل ہی دل میں حکومت بن عباس سے بیزار ضرورتھی ایران میں ابو مسلم خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف جواشتعال پیدا کیا وہ ان مظالم ہی کو یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین علیہ السلام اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ کیے تھے اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا مگر اتنی مدت میں کچھ نہ کچھ تو ایرانیوں کی آنکھیں بھی کھل گئی ہوں گی کہ ہم سے کہا گیا تھا کیا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کر لیا، ممکن ہے ایرانی قوم کے ان رجحانات کا چرچا مامون کے کانوں تک بھی پہنچا ہوا ہو جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کا اندیشہ تھا، تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا لیا جائے، اور چونکہ طرز عمل میں خلوص سمجھانہیں جاسکتا اور وہ عام طبائع پر اثر نہیں ڈال سکتا اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ مامون مذہبی حیثیت سے اپنی شیعیت نوازی اور وائے اہلبیت کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلائے اور یہ دکھلائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی پر قائم ہے اب ”حق بہ حقدار رسید“ کے مقولہ کو سچا بنانا چاہتا ہے۔

اس سلسلہ میں جناب شیخ صدوق اعلیٰ اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کی حکایت بھی شائع کی کہ جب امین کا اور میرا مقابلہ تھا، اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہو گئی تھی اور خراسان میں بھی بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا اور اس سخت اور دشوار ماحول میں، میں نے خدا سے التجا کی اور منت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں بام خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصل حقدار یعنی اولاد فاطمہ میں سے جو اس کا اہل ہے اس تک پہنچا دوں گا اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے، اور آخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی۔

یقیناً یہ واقعہ مامون کی طرف سے اس لیے بیان کیا گیا کہ اس کا طرز عمل خلوص نیت اور حسن نیت پر بھی مبنی سمجھا جائے، یوں توجواہلبیت کے کھلے ہوئے دشمن سخت سے سخت تھے وہ بھی ان کی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے اور ان کی عظمت کو جانتے تھے مگر شیعیت کے معنی صرف یہ جاننا تو نہیں ہیں بلکہ محبت رکھنا اور اطاعت کرنا ہیں اور مامون کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوے شیعیت اور محبت اہل بیت کا ڈھنڈور اپیٹنے کے باوجود خود امام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ امام کو اپنے منشا کے مطابق چلانے کی کوشش تھی ولی عہد بننے کے بارے میں آپ کے اختیارات کو بالکل سلب کر دیا گیا اور آپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا اس سے

ظاہر ہے کہ یہ ولی عہدی کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے بھیس میں امام کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ امام رضا علیہ السلام کا ولی عہد کو قبول کرنا بالکل ویسا ہی تھا جیسا ہارون کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کا جیل خانہ میں چلا جانا اسی لیے جب امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ کے رنج و صدمہ اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی روضہ رسول سے رخصت کے وقت آپ کا وہی عالم تھا جو حضرت امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے روانگی کے وقت تھا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ بے تابانہ روضہ کے اندر جاتے ہیں اور نالہ و آہ کے ساتھ امت کی شکایت کرتے ہیں پھر باہر نکل کر گھر جانے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر دل نہیں مانتا پھر روضہ سے جا کر لپٹ جاتے ہیں یہ ہی صورت کئی مرتبہ ہوئی، راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت کے قریب گیا تو فرمایا اے محول! میں اپنے جد امجد کے روضے سے بہ جبر جدا کیا جا رہا ہوں اب مجھ کو یہاں آنا نصیب نہ ہوگا (سوانح امام رضا جلد ۳ ص (۷) -

محول شیبانی کا بیان ہے کہ جب وہ ناگوار وقت پہنچ گیا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے جد بزرگوار کے روضہ اقدس سے ہمیشہ کے لیے وداع ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ نے تابانہ اندر جاتے ہیں اور بانالہ و آہ باہر آتے ہیں اور ظلمہ امت کی شکایت کرتے ہیں یا باہر آکر گریہ و بکا فرماتے ہیں اور پھر اندر واپس چلے جاتے ہیں آپ نے چند بار ایسا ہی کیا اور مجھ سے نہ

رہا گیا اور میں نے حاضر ہو کر عرض کی مولا اضطراب کی کیا وجہ ہے ؟
 فرمایا اے محول ! میں اپنے نانا کے روضہ سے جبراً جدا کیا جا رہا ہوں مجھے
 اس کے بعد اب یہاں آننا صیب نہ ہو گا میں اسی مسافت اور غریب الوطنی میں
 شہید کر دیا جاؤں گا، اور ہارون رشید کے مقبرہ میں مدفون ہوں گا اس کے بعد آپ
 دولت سرا میں تشریف لائے اور سب کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تم سے ہمیشہ
 کے لیے رخصت ہو رہا ہوں یہ سن کر گھر میں ایک عظیم کہرام بپا ہو گیا اور سب
 چھوٹے بڑے رونے لگے ، آپ نے سب کو تسلی دی اور کچھ دینار اعزاز میں
 تقسیم کر کے راہ سفر اختیار فرمایا ایک روایت کی بنا پر آپ مدینہ سے روانہ
 ہو کر مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں طواف کر کے خانہ کعبہ کو رخصت فرمایا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کانیشاپور میں ورود مسعود

رجب ۲۰۰ ہجری میں حضرت مدینہ منورہ سے مرو ”خراسان“ کی جانب
 روانہ ہوئے اہل و عیال اور متعلقین سب کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑا اس وقت
 امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر پانچ برس کی تھی آپ مدینہ ہی میں رہے
 مدینہ سے روانگی کے وقت کوفہ اور قم کی سیدھی راہ چھوڑ کر بصرہ
 اور ابواز کا غیر متعارف راستہ اس خطرہ کے پیش نظر اختیار کیا گیا کہ
 عقیدت مندان امام مزاحمت نہ کریں غرض کہ قطع مراحل اور طے منازل
 کرتے ہوئے یہ لوگ نیشاپور کے نزدیک جا پہنچے۔
 مورخین لکھتے ہیں کہ جب آپ کی مقدس سواری نیشاپور کے قریب پہنچی

توجملہ علماء وفضلاء شہر نے بیرون شہر حاضر ہو کر آپ کی رسم استقبال ادا کی ، داخل شہر ہوئے تو تمام خورد و بزرگ شوق زیارت میں امنڈ پڑے، مرکب عالی جب مربعہ شہر (چوک) میں پہنچا تو خلاق سے زمین پرتل رکھنے کی جگہ نہ تھی اس وقت حضرت امام رضا قاطر نامی خچر پر سوار تھے جس کا تمام ساز و سامان نقرئی تھا خچر پر عماری تھی اور اس پر دونوں طرف پردہ پڑے ہوئے تھے اور بروایت چھتری لگی ہوئی تھی اس وقت امام المحدثین حافظ ابو زرعه رازی اور محمد بن اسلم طوسی آگے آگے اور ان کے پیچھے اہل علم و حدیث کی ایک عظیم جماعت حاضر خدمت ہوئی اور باین کلمات امام علیہ السلام کو مخاطب کیا ”اے جمیع سادات کے سردار، اے تمام مومنوں کے امام اور اے مرکز پاکیزگی ، آپ کو رسول اکرم کا واسطہ، آپ اپنے اجداد کے صدقہ میں اپنے دیدار کا موقع دیجئے اور کوئی حدیث اپنے جد نامدار کی بیان فرمائیے یہ کہہ کر محمد بن رافع ، احمد بن حارث، یحییٰ بن یحییٰ اور اسحاق بن راہویہ نے آپ کے خاطر کی باگ تھام لی۔ ان کی استدعا سن کر آپ نے سواری روک دئیے جانے کے لیے اشارہ فرمایا، اور اشارہ کیا کہ حجاب اٹھادئیے جائیں فوراً تعمیل کی گئی حاضرین نے جونہی وہ نورانی چہرہ اپنے پیارے رسول کے جگر گوشہ کا دیکھا سینوں میں دل بیتاب ہو گئے دوزلفین نور انور پر مانند گیسوئے مشک ہوئے جناب رسول خدا چھوٹی ہوئی تھیں کسی کو یارائے ضبط باقی نہ رہا وہ سب کے سب بے اختیار ڈھاریں مار کر رونے لگے بہتوں نے اپنے کپڑے پہاڑ ڈالے کچھ زمین پر گر کر لوٹنے

لگے بعض سواری کے گردوپیش گھومنے اور چکر لگانے لگے اور مرکب اقدس کی زین و لجام چومنے لگے اور عماری کا بوسہ دینے لگے آخر مرکب عالی کے قدم چومنے کے اشتیاق میں درانہ بڑھے چلے آتے تھے غرض کہ عجیب طرح کا ولولہ تھا کہ جمال باکمال کو دیکھنے سے کسی کو سیری نہیں ہوئی تھی ٹکٹکی لگائے رخ انور کی طرف نگران تھے یہاں تک دوپہر ہو گئی اور ان کے موجودہ اشتیاق و تمنا کی پرجوشیوں میں کوئی کمی نہیں آئی اس وقت علماء و فضلاء کی جماعت نے باواز بلندی کار کر کہا کہ مسلمانوں ذرا خاموش ہو جاؤ، اور فرزند رسول کے لیے آزار نہ بنو، ان کی استدعا پر قدرے شور و غل تھما تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

حدثني ابي موسى الكاظم عن ابيه جعفر الصادق عن ابيه محمد الباقر عن ابيه زين العابدين عن ابيه الحسين الشهيد بكرة بلا عن ابيه علي المرتضى قال حدثني حبيبي وقرة عيني رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال حدثني جبرئيل عليه السلام قال حدثني رب العزت سبحانه وتعالى قال لا اله الا الله حصني فمن قالها دخل حصني ومن دخل حصني امن من عذابي (مسند امام رضا عليه السلام ص ٧ طبع مصر ١٣٤١ هـ).

ترجمہ :

میرے پدربزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم نے مجھ سے بیان فرمایا اور ان سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے اور ان سے امام محمد باقر نے اور ان سے

امام زین العابدین نے اوران سے امام حسین نے اوران سے حضرت علی مرتضیٰ نے اوران سے حضرت رسول کریم جناب محمد مصطفیٰ صلعم نے اوران سے جناب جبرئیل امین نے اوران سے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ ”لا الہ الا اللہ“ میرا قلعہ ہے جو اسے زبان پر جاری کرے گا میرے قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوگا میرے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر آپ نے پردہ کھینچوا دیا، اور چند قدم بڑھنے کے بعد فرمایا بشرطہا و شروطہا و انامن شروطہا کہ لا الہ الا اللہ کہنے والی نجات ضرور پائے گا لیکن اس کے کہنے اور نجات پانے میں چند شرطیں ہیں جن میں سے ایک شرط میں بھی ہوں یعنی اگر آل محمد کی محبت دل میں نہ ہوگی تو لا الہ الا اللہ کہنا کافی نہ ہوگا علماء نے ”تاریخ نیشاپور“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حدیث کے لکھنے میں مفرد دواتوں کے علاوہ ۲۴ ہزار قلمدان استعمال کئے گئے احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ یہ حدیث جن اسناد اور اسماء کے ذریعہ سے بیان فرمائی گئی ہے اگر انہیں اسماء کو پڑھ کر مجنون پر دم کیا جائے تو ”لا فاق من جنونہ“ ضرور اس کا جنون جاتا رہے گا اور وہ اچھا ہو جائے گا علامہ شبلی نجی نور الابصار میں بحوالہ ابوالقاسم تضیری لکھتے ہیں کہ ساسانہ کے رہنے والے بعض رؤسا نے جب اس سلسلہ حدیث کو سنا تو اسے سونے کے پانی سے لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا اور مرتے وقت وصیت کی کہ اسے میرے کفن میں رکھ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مرنے کے بعد اس نے خواب میں بتایا کہ

خداوند عالم نے مجھے ان ناموں کی برکت سے بخش دیا ہے اور میں بہت آرام
کی جگہ ہوں ۔

مؤلف کہتا ہے کہ اسی فائدہ کے لیے شیعہ اپنے کفن میں خواب نامہ کے
طور پر ان اسماء کو لکھ کر رکھتے ہیں بعض کتابوں میں ہے کہ نیشاپور میں آپ
سے بہت سے کرامات نمودار ہوئے۔

شہر طوس میں آپ کا نزول و ورود

جب اس سفر میں چلتے چلتے شہر طوس پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ایک پہاڑ سے
لوگ پتھر تراش کر ہانڈی وغیرہ بناتے ہیں آپ اس سے ٹیک لگا کر کھڑے
ہو گئے اور آپ نے اس کے نرم ہونے کی دعا کی وہاں کے باشندوں کا کہنا ہے
کہ اس پہاڑ کا پتھر بالکل نرم ہو گیا اور بڑی آسانی سے برتن بننے لگے۔

امارضا کا دار الخلافہ مرو میں نزول

امام علیہ السلام طے مراحل اور قطع منازل کرنے کے بعد جب مرو پہنچے
جسے سکندر ذوالقرنین نے بروایت معجم البلدان آباد کیا تھا اور جو اس وقت
دار السلطنت تھا تو مامون نے چند روز ضیافت تکریم کے مراسم ادا کرنے کے
بعد قبول خلافت کا سوال پیش کیا حضرت نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس
طرح امیر المومنین چوتھے موقعہ پر خلافت پیش کئے جانے کے وقت
انکار فرما رہے تھے مامون کو خلافت سے دستبردار ہونا، درحقیقت منظور نہ تھا
ورنہ وہ امام کو اسی پر مجبور کرتا۔

چنانچہ جب حضرت نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، تو اس نے ولیعہدی کا سوال پیش کیا حضرت اس کے بھی انجام سے ناواقف نہ تھے نیز بخوشی جابر حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا آپ کے خاندانی اصول کے خلاف تھا حضرت نے اس سے بھی انکار فرمایا مگر اس پر مامون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ ”لابدمن قبولک“ اگر آپ اس کو منظور نہیں کر سکتے تو اس وقت آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا جان کا خطرہ قبول کیا جاسکتا ہے جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو ورنہ حفاظت جان شریعت اسلام کا بنیادی حکم ہے امام نے فرمایا، یہ ہے تو میں مجبوراً قبول کرتا ہوں مگر کاروبار سلطنت میں بالکل دخل نہ دوں گا ہاں اگر کسی بات میں مجھ سے مشورہ لیا جائے تو نیک مشورہ ضرور دوں گا -

اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنت وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل کر لی گئی ہو مگر امام کی حیثیت اپنے فرایض کے انجام دینے میں بالکل وہ تھی جو ان کے پیش رو حضرت علی مرتضیٰ اپنے زمانے کے بااقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کر چکے تھے جس طرح ان کا کبھی کبھی مشورہ دیدنا ان حکومتوں کو صحیح و ناجائز نہیں بنا سکتا ویسے ہی امام رضا علیہ السلام کا اس نوعیت سے ولیعہدی کا قبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیں ہو سکتا تھا صرف مامون کی ایک

راج ہٹ تھی جو سیاسی غرض کے پیش نظر اس طرح پوری ہو گئی مگر امام نے اپنے دامن کو سلطنت ظلم کے اقدامات اور نظم و نسق سے بالکل الگ رکھا۔ تواریخ میں ہے کہ مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ شرطیں قبول کر لیں اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کئے اور بارگاہ اہدیت میں عرض کی پروردگار تو جانتا ہے کہ اس امر کو میں نے بہ مجبور و ناچار اور خوف قتل کی وجہ سے قبول کر لیا ہے۔ خداونداتو میرے اس فعل پر مجھ سے اسی طرح مواخذہ نہ کرنا جس طرح جناب یوسف اور جناب دانیال سے باز پرس نہیں فرمائی اس کے بعد کہ میرے پالنے والے تیرے عہد کے سوا کوئی عہد نہیں اور تیری عطا کی ہوئی حیثیت کے سوا کوئی عزت نہیں خدایا تو مجھے اپنے دین پر قائم رہنے ک توفیق عنایت فرما، خواجہ محمد پیار سا کا کہنا ہے کہ ولیعہدی کے وقت آپ رو رہے تھے ملاحسین لکھتے ہیں کہ مامون کی طرف سے اصرار اور حضرت کی طرف سے انکار کا سلسلہ دو ماہ جاری رہا اس کے بعد ولی عہدی قبول کی گئی۔

جلسلہ ولیعہدی کا انعقاد

یکم رمضان ۲۰۱ ہجری بروز پنجشنبہ جلسہ ولیعہدی منعقد ہوا، بڑی شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میں لائی گئی سب سے پہلے مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بیعت کی، پھر اور لوگ بیعت سے شرفیاب ہوئے سونے اور چاندی کے سکے سر مبارک

پرنٹارہوئے اور تمام ارکان سلطنت اور ملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے مامون نے حکم دیا کہ حضرت کے نام کاسکہ تیار کیا جائے، چنانچہ درہم و دینار حضرت کے نام کانش ہوا، اور تمام قلمرو میں وہ سکے چلایا گیا جمعہ کے خطبہ میں حضرت کانام نامی داخل کیا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت کے نام مبارک کاسکہ عقیدت مندوں کے لیے تبرک اور ضمانت کی حیثیت رکھتا تھا اس سکہ کو سفر و حضر میں حرز جان کے لیے ساتھ رکھنا یقینی امر تھا صاحب جنات الخلود نے بحر و بر کے سفر میں تحفظ کے لیے آپ کے توسل کا ذکر کیا ہے اسی کی یادگار میں بطور ضمانت بعقیدہ تحفظ ہم اب بھی سفر میں بازو پر امام ضامن ٹامن کاپیسہ باندھتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ۳۳ ہزار عباسی مردوزن وغیرہ کی موجودگی میں آپ کو ولیعہد خلافت بنا دیا گیا اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت امام علی رضا کے لیے بیعت لی اور دربار کالباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا گیا جو سادات کا امتیازی لباس تھا فوج کی وردی بھی بدل دی گئی تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ مامون کے بعد علی رضاتخت و تاج کے مالک ہیں اور ان کا لقب ہے ”الرضامن آل محمد“ حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ ان کے لیے بیعت عام لی جائے اور عموماً اہل فوج و عمائد بنی ہاشم سبزرنگ کے پھرہرے اور سبزرنگ و قبائیں استعمال کریں۔ علامہ شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ قبول ولیعہدی کے متعلق جو تحریر حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کو لکھی اس کا مضمون

یہ تھا کہ ”چونکہ مامون نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کر لیا ہے جن کو ان کے اباؤ اجداد نے نہیں پہچانتا تھا لہذا میں نے اس کی درخواست ولی عہدی قبول کر لی اگرچہ جفرو جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا۔“ علامہ شبانجی لکھتے ہیں کہ قبول ولیعہدی کے سلسلہ میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا اس پر گواہ کی حیثیت سے فضل بن سہل، سہل بن فضل، یحییٰ بن اکثم، عبداللہ بن طاہر، ثمامہ بن اشرس، بشر بن معتمر، حماد بن نعمان وغیرہم کے دستخط تھے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام رضاعلیہ السلام نے اس جلسہ ولیعہدی میں اپنے مخصوص عقیدت مندوں کو قریب بلا کر کان میں فرمایا تھا کہ اس تقریب پر دل میں خوشی کو جگہ نہ دو ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص ۱۲۲ ، مطالب السؤل ص ۲۸۲ ، نور الابصار ص ۱۴۲ ، اعلام الوری ص ۱۹۳ ، کشف الغمہ ص ۱۱۲ ، جنات الخلود ص ۳۱ ، المامون ص ۸۲ ، وسیلة النجات ص ۳۷۹ ، ارجح المطالب ص ۴۵۴ ، مسند امام رضا ص ۷ ، تاریخ طبری ، شرح مواقف ، تاریخ آئمہ ص ۴۷۲ ، تاریخ احمدی ص ۳۵۴ ، شواہد النبوت ، ینابع المودة ، فصل الخطاب ، حلیة الاولیاء ، روضة الصفا ، عیون اخبار رضا ، دمعہ ساکبہ ، سوانح امام رضا۔

حضرت امام رضاعلیہ السلام کی ولیعہدی کا دشمنوں پر اثر

تاریخ اسلام میں ہے کہ امام رضاعلیہ السلام کی ولیعہدی کی خبر سن کر بغداد کے عباسی یہ خیال کر کے کہ خلافت ہمارے خاندان سے نکل چکی

ہے کمال دل سوختہ ہوئے اور انہوں نے ابراہیم بن مہدی کو بغداد کے تخت پر بٹھادیا اور محرم ۲۰۲ ہجری میں مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا بغداد اور اس کے نواح میں بالکل بد نظمی پھیل گئی لچے غنڈے دن دھاڑے لوٹ مار کرنے لگے جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی فضل وزیر اعظم سب خبروں کو بادشاہ سے پوشیدہ رکھتا تھا مگر امام رضا علیہ السلام نے اسے خبردار کر دیا بادشاہ وزیر کی طرف سے بدگمان ہو گیا مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا سرخس میں پہنچ کر اس نے فضل بن سہل وزیر سلطنت کو حمام میں قتل کر دیا (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۶۱)۔

شمس العلماء شبلی نعمانی حضرت امام رضا کی بیعت ولیعہدی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہلچل مچادی اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہو گیا بعضوں نے (سبز رنگ وغیرہ کے اختیار کرنے کے حکم کی بہ جبر تعمیل کی مگر عام صدایہی تھی کہ خلافت خاندان عباس کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتی (المامون ص ۸۲)۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام جب ولی عہد خلافت مقرر کئے جانے لگے مامون کے حاشیہ نشین سخت بدظن اور دل تنگ ہو گئے اور ان پر یہ خوف چھا گیا کہ اب خلافت بنی عباس سے نکل کر بنی فاطمہ کی طرف چلی جائے گی اور اسی تصور نے انہیں حضرت امام

رضاعلیہ السلام سے سخت متنفر کر دیا (نور الابصار ص ۱۴۳)۔

واقعہ حجاب

مورخین لکھتے ہیں کہ اس واقعہ ولیعہدی سے لوگوں میں اس درجہ بغض و حسداور کینہ پیدا ہو گیا کہ وہ لوگ معمولی معمولی باتوں پر اس کا مظاہرہ کر دیتے تھے علامہ شبلی نجی اور علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضاعلیہ السلام کا ولیعہدی کے بعد یہ اصول تھا کہ آپ مامون سے اکثر ملنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہوتا یہ تھا کہ جب آپ دہلیز کے قریب پہنچتے تھے تو تمام دربان اور خدام آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور سلام کر کے پردہ در اٹھایا کرتے تھے ایک دن سب نے مل کر طے کر لیا کہ کوئی پردہ نہ اٹھائے چنانچہ ایسا ہی ہوا جب امام علیہ السلام تشریف لائے تو حجاب نے پردہ نہیں اٹھایا مطلب یہ تھا کہ اس سے امام کی توہین ہوگی، لیکن اللہ کے ولی کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا جب ایسا واقعہ آیا تو ایک تندہوانے پردہ اٹھایا اور امام داخل دربار ہو گئے پھر جب آپ واپس تشریف لائے تو ہوانے بدستور پردہ اٹھانے میں سبقت کی اسی طرح کئی دن تک ہوتا رہا بالآخر وہ سب کے سب شرمندہ ہو گئے اور امام علیہ السلام کی خدمت مثل سابق کرنے لگے (نور الابصار ص ۱۴۳، مطالب السؤل ص ۲۸۲، شواہد النبوت ص ۱۹۷)۔

حضرت امام رضاعلیہ السلام اور نماز عید

ولی عہدی کو ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ عید کا موقع آگیا مامون نے
 حضرت سے کہلا بھیجا کہ آپ سواری پر جا کر لوگوں کو نماز عید پڑھائیں
 حضرت نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی تم سے شرط کر لی ہے کہ بادشاہت
 اور حکومت کے کسی کام میں حصہ نہیں لوں گا اور نہ اس کے قریب جاؤں گا
 اس وجہ سے تم مجھ کو اس نماز عید سے بھی معاف کر دو تو بہتر ہے ورنہ میں
 نماز عید کے لیے اسی طرح جاؤں گا جس طرح میرے جد امجد حضرت محمد
 رسول اللہ صلعم تشریف لے جایا کرتے تھے مامون نے کہا کہ آپ کو اختیار ہے
 جس طرح چاہیں جائیں اس کے بعد اس نے سواروں اور پیادوں کو حکم دیا کہ
 حضرت کے دروازے پہ حاضر ہوں۔
 جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو لوگ عید کے روز سڑکوں اور چھتوں
 پر حضرت کی سواری کی شان دیکھنے کو جمع ہو گئے، اکی بھیڑ لگ گئی
 عورتوں اور لڑکوں سب کو آرزو تھی کہ حضرت کی زیارت کریں اور آفتاب
 نکلنے کے بعد حضرت نے غسل کیا اور کپڑے بدلے، سفید عمامہ
 سر پر باندھا، عطر لگایا اور عصا ہاتھ میں لے کر عید گاہ جانے پر آمادہ ہو گئے اس
 کے بعد نوکروں اور غلاموں کو حکم دیا کہ تم بھی غسل کر کے کپڑے بدل
 لو اور اسی طرح پیدل چلو۔
 اس انتظام کے بعد حضرت گھر سے باہر نکلے پانچامہ آدھی پنڈلی تک اٹھالیا
 کپڑوں کو سمیٹ لیا، ننگے پاؤں ہو گئے اور پھر دو تین قدم چل کر کھڑے ہو گئے
 اور سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر، حضرت کے ساتھ

نوکروں، غلاموں اور فوج کے سپاہیوں نے بھی تکبر کہی راوی کابیان ہے کہ جب امام رضا علیہ السلام تکبر کہتے تھے تو ہم لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ درودیوار اور زمین آسمان سے حضرت کی تکبیر کا جواب سنائی دیتا ہے اس بیبت کو دیکھ کر یہ حالت ہوئی کہ سب لوگ اور خود لشکر والے زمین پر گر پڑے سب کی حالت بدل گئی لوگوں نے چھریوں سے اپنی جوتیوں کے کل تسمے کاٹ دیئے اور جلدی جلدی جوتیاں پھینک کر ننگے پاؤں ہو گئے شہر بھر کے لوگ چینخ چینخ کر رونے لگے ایک کھرام بپا ہو گیا۔ اس کی خبر مامون کو بھی ہو گئی اس کے وزیر فضل بن سہل نے اس سے کہا کہ اگر امام رضا اسی حالت سے عید گاہ تک پہنچ جائیں گے تو معلوم نہیں کیا فتنہ اور ہنگام برپا ہو جائے گا سب لوگ ان کی طرف ہو جائیں گے اور ہم نہیں جانتے کہ ہم لوگ کیسے بچیں گے وزیر کی اس تقریر پر متنبہ ہو کر مامون نے اپنے پاس سے ایک شخص کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر کہا کہ بھیا جا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو آپ سے عید گاہ جانے کے لیے کہا اس سے آپ کو زحمت ہو رہی ہے اور میں آپ کی مشقت کو پسند نہیں کرتا بہتر ہے کہ آپ واپس چلے آئیں اور عید گاہ جانے کی زحمت نہ فرمائیں پہلے جو شخص نماز پڑھاتا تھا وہ پڑھائے گا یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام واپس تشریف لائے اور نماز عید نہ پڑھا سکے (وسيلة النجات ص ۳۸۲ ، مطالب السؤل ص ۲۸۲ و اصول کافی)۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں، فرجع علی رضالی بیتہ و ركب المامون فصلی

بالناس “ کہ امام رضا علیہ السلام دولت سرا کو واپس تشریف لائے اور مامون نے جا کر نماز پڑھائی (نور الابصار ص ۱۴۳)۔

حضرت امام رضا کی مدح سرائی اور دعبل خزاعی اور ابونواس

عرب کے مشہور شاعر جناب دعبل خزاعی کانام ابوعلی دعبل ابن علی بن زرین ہے آپ ۱۴۸ ہجری میں پیدا کر ۲۴۵ ہجری میں بمقام شوش وفات پا گئے (رجال طوسی ۳۷۶)۔ اور ابونواس کا پورا نام ابوعلی حسن بن ہانی ابن عبدالاول ہوازی بصری بغدادی ہے یہ ۱۳۶ ہجری میں پیدا ہو کر ۱۹۶ ہجری میں فوت ہوئے دعبل آل محمد کے مدح خاص تھے اور ابونواس ہارون رشید امین و مامون کا ندیم تھا۔

دعبل خزاعی کے بے شمار اشعار مدح آل محمد میں موجود ہیں علامہ شبلی نجی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام ولی عہد سلطنت تھے دعبل خزاعی ایک دن دارالسلطنت مرو میں آپ سے ملے اور انہوں نے کہا کہ حضور میں نے آپ کی مدح میں ۱۲۰ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے میری تمنا ہے میں اسے سب سے پہلے حضور ہی کو سناؤں حضرت نے فرمایا بہتر ہے، پڑھو:

دعبل خزاعی نے اشعار پڑھنا شروع کیا قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

ذکرت محل الربع من عرفات

جب دعبل قصیدہ پڑھ چکے تو امام علیہ السلام نے ایک سواشرفی کی تھیلی انہیں عطا فرمائی دعبل نے شکریہ ادا کرنے کے بعد اسے واپس کرتے ہوئے کہا کہ مولا میں نے یہ قصیدہ قربۃ الی اللہ کہا ہے میں کوئی عطیہ نہیں چاہتا خدانے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے البتہ حضور اگر مجھے جسم سے اترے ہوئے کپڑے عنایت فرما دیں، تو وہ میری عین خواہش کے مطابق ہوگا آپ نے ایک جبہ عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ اس رقم کو بھی رکھ لو یہ تمہارے کام آئے گی دعبل نے اسے لے لیا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد دعبل مرو سے عراق جانے والے قافلے کے ساتھ ہو کر روانہ ہوئے راستہ میں چوروں نے اور ڈاکوں نے حملہ کر کے سب کچھ لوٹ لیا اور چند آدمیوں کو گرفتار بھی کر لیا جن میں دعبل بھی تھے ڈاکوؤں نے مالی تقسیم کرتے وقت دعبل کا ایک شعر پڑھا دعبل نے پوچھا یہ کس کا شعر ہے انہوں نے کسی کا ہوگا دعبل نے کہا کہ یہ میرا شعر ہے اس کے بعد انہوں نے سارا قصیدہ سنایا ان لوگوں نے دعبل کے صدقے میں سب کو چھوڑ دیا اور سب کامال واپس کر دیا یہاں تک کہ یہ نوبت آئی کہ ان لوگوں نے واقعہ سن کر امام رضا کا دیا ہوا جبہ خریدنا چاہا، اور اس کی قیمت ایک ہزار دینار لگائی دعبل نے جواب دیا کہ یہ میں نے بطور تبرک اپنے پاس رکھا ہے اسے فروخت نہ کروں گا بالآخر بار بار گرفتار ہونے کے بعد انہوں نے اسے ایک ہزار اشرفی

پرفروخت کردیا -
 علامہ شبانجی بحوالہ ابوصلت ہروی لکھتے ہیں کہ دعبل نے جب امام
 رضا کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا تھا تو آپ رو رہے تھے اور آپ نے دو بیتوں کے
 بارے میں فرمایا تھا کہ یہ اشعار الہامی ہیں (نور الابصار ص ۱۳۸) -
 علامہ عبدالرحمن لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے قصیدہ
 سنتے ہوئے نفس زکیہ کے تذکرہ پر فرمایا کہ اے دعبل اس جگہ ایک
 شعر کا اور اضافہ کرو، تاکہ تمہارا قصیدہ مکمل ہو جائے انہوں نے عرض کی
 مولا فرمائیے ارشاد ہوا:

وقبر بطوس	نالہا	من	مصیبة
الحت	علی	الاحشاء	بالزفرات

دعبل نے گھبرا کے پوچھا مولا، یہ کس کی قبر ہوگی، جس کا حضور نے حوالہ
 دیا ہے فرمایا اے دعبل یہ قبر میری ہوگی اور میں عنقریب اس عالم میں غربت
 میں جب کہ میرے اعزاء و اقرباء بال بچے مدینہ میں ہیں شہید کر دیا جاؤں گا
 اور میری قبر یہیں بنے گی اے دعبل جو میری زیارت کو آئے گا جنت میں
 میرے ہمراہ ہوگا (شواہد النبوت ص ۱۹۹) -
 دعبل کا یہ مشہور قصیدہ مجالس المومنین ص ۴۶۶ میں مکمل منقول ہے البتہ
 اس کا مطلع بدلا ہوا ہے علامہ شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ دعبل نے ایک

کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا ”طبقات الشعراء“ (سفینة البحار جلد ۱ ص ۲۴۱)

ابونواس کے متعلق علماء اسلام لکھتے ہیں کہ ایک دن اس کے دوستوں نے اس سے کہا کہ تم اکثر شعرا کہتے ہو اور پھر مدح بھی کیا کرتے ہو لیکن افسوس کی بات ہے کہ تم نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی مدح میں اب تک کوئی شعر نہیں کہا اس نے جواب دیا کہ حضرت کی جلالت قدر ہی نے مجھے مدح سرائی سے روکا ہے میری ہمت نہیں پڑتی کہ آپ کی مدح کروں یہ کہہ کر اس نے چند شعر پڑھے جس کا ترجمہ یہ ہے:

لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمدہ کلام کے ہر رنگ اور مذاق کے اشعار سب لوگوں سے سننے والوں کے سامنے موتی جھڑتے ہیں پھر تم نے حضرت کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں کہا؟ تو میں نے سب کے جواب میں کہہ دیا کہ بھائیوجن جلیل الشان امام کے آباء کرام کے خادم جبرئیل ایسے فرشتے ہوں ان کی مدح کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہے۔

اس کے بعد اس نے چند اشعار آپ کی مدح میں لکھے جس کا ترجمہ یہ ہے:

یہ حضرات آئمہ طاہرین خدا کے پاک و پاکیزہ کئے ہوئے ہیں اور ان کا لباس بھی طیب و طاہر ہے جہاں بھی ان کا ذکر ہوتا ہے وہاں ان پر درود کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے جب حسب و نسب بیان ہوتے وقت کوئی شخص علوی خاندان کا نہ نکلے تو اس کو ابتدائے زمانہ سے کوئی فخر کی بات نہیں ملے گی جب خدانے سب سے زیادہ شریف بھی قرار دیا اور سب پر فضیلت بھی دی، میں سچ کہتا ہوں

کہ آپ حضرات ہی ملا علی ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید کا علم اور سوروں کے مطالب و مفاہیم ہیں“ (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۳۲۲، نور الابصار ص ۱۳۸ طبع مصر)۔

مذہب عالم کے علماء سے حضرت امام رضا کے علمی مناظرے

مامون رشید کو خود بھی علمی ذوق تھا اس نے ولی عہدی کے مرحلہ کو طے کرنے کے بعد حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کافی استفادہ کیا پھر اپنے ذوق کے تقاضے پر اس نے مذاہب عالم کے علماء کو دعوت مناظرہ دی اور ہر طرف سے علماء کو طلب کر کے حضرت امام رضا علیہ السلام سے مقابلہ کرایا عہد مامون میں امام علیہ السلام سے جس قدر مناظرے ہوئے ہیں ان کی تفصیل اکثر کتب میں موجود ہے اس سلسلہ میں احتجاجی طبرسی، بحار، دمعہ ساکبہ، وغیرہ جیسی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں، میں اختصار کے پیش نظر صرف دو چار مناظرے لکھتا ہوں۔

عالم نصاریٰ سے مناظرہ

مامون رشید کے عہد میں نصاریٰ کا ایک بہت بڑا عالم و مناظر شہرت عامہ رکھتا تھا جس کا نام ”جاثلیق“ تھا اس کی عادت تھی کہ متکلمین اسلام سے کہا کرتا تھا کہ ہم تم دونوں نبوت عیسیٰ اور ان کی کتاب پر متفق ہیں اور اس بات پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اختلاف ہے تو صرف نبوت محمد مصطفیٰ صلعم میں ہے تم ان کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہو اور ہمیں

انکار ہے پھر ہم تم ان کی وفات پر متفق ہو گئے ہیں اب ایسی صورت میں
کونسی دلیل تمہارے پاس باقی ہے جو ہمارے لیے حجت قرار پائے یہ کلام سن
کر اکثر مناظر خاموش ہو جایا کرتے تھے ۔

مامون رشید کے اشارے پر ایک دن وہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھی
ہم کلام ہو ا موقع مناظرہ میں اس نے مذکورہ سوال دہراتے ہوئے کہا کہ پہلے
آپ یہ فرمائیں کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت اور ان کی کتاب دونوں پر آپ
کا ایمان و اعتقاد ہے یا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا، میں اس عیسیٰ کی نبوت کا یقینا
اعتقاد رکھتا ہوں جس نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی نبوت
کی اپنے حواریں کو بشارت دی ہے اور اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جس میں
یہ بشارت درج ہے جو عیسائی اس کے معترف نہیں اور جو کتاب اس کی شارح
اور مصدق نہیں اس پر میرا ایمان نہیں ہے یہ جواب سن کر جاثلیق خاموش ہو گیا۔
پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے جاثلیق ہم اس عیسیٰ کو جس نے حضرت محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی، نبی برحق جانتے
ہیں مگر تم ان کی تنقیص کرتے ہو، اور کہتے ہو کہ وہ نماز روزہ کے پابند نہ
تھے جاثلیق نے کہا کہ ہم تو یہ نہیں کہتے وہ تو ہمیشہ قائم اللیل اور صائم
النہار رہا کرتے تھے آپ نے فرمایا عیسیٰ تو بنا براعتقاد نصاریٰ خود معاذ اللہ
خدا تھے تو یہ روزہ اور نماز کس کے لیے کرتے تھے یہ سن کر جاثلیق مبہوت
ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

البتہ یہ کہنے لگا کہ جو مردوں کو زندہ کرے جذامی کو شفا دے نابینا کو بینا کر دے

اورپانی پرچلے کیاوہ اس کاسزاوارنہیں کہ اس کی پرستش کی جائے اوراسے معبود سمجھا جائے آپ نے فرمایاالیسع بھی پانی پرچلتے تھے اندھے کوڑی کوشفادیتے تھے اسی طرح حزقیل پیغمبرنے ۳۵ ہزار انسانوں کوساٹھ برس کے بعدزندہ کیا تھا قوم اسرائیل کے بہت سے لوگ طاعون کے خوف سے اپنے گھرچھوڑکرباہرچلے گئے تھے حق تعالیٰ نے ایک ساعت میں سب کوماردیا بہت دنوں کے بعدایک نبی استخوان ہائے بوسیدہ پرگزرے تو خداوندتعالیٰ نے ان پروحی نازل کی کہ انہیں آواز دوانہوں نے کہا کہ ائے استخوان بالیہ ”استخوان مردہ) اٹھ کھڑے ہووہ سب بحکم خداٹھ کھڑے ہوئے اسی طرح حضرت ابراہیم کے پرندوں کو زندہ کرنے اورحضرت موسیٰ کے کوہ طورپرلے جانے اوررسول خداکے احياء اموات فرمانے کاحوالہ دے کر فرمایا کہ ان چیزوں پرتورات انجیل اورقرآن مجیدکی شہادت موجودہے اگر مردوں کوزندہ کرنے سے انسان خداہوسکتا ہے تو یہ سب انبیاء بھی خداہونے کے مستحق ہیں یہ سن کر وہ چپ ہو گیا اور اس نے اسلام قبول کرنے کے سوا اورکوئی چارہ نہ دیکھا۔

عالم یہود سے مناظرہ

عالم یہود میں سے ایک عالم جس کانام ”راس الجالوت“ تھا کواپنے علم پر بڑا غرور اور تکبر و ناز تھا وہ کسی کوبھی اپنی نظر میں نہ لاتا تھا ایک دن اس کامناظرہ اور مباحثہ فرزندرسول حضرت امام رضا علیہ السلام سے ہو گیا آپ

سے گفتگو کے بعد اس نے اپنے علم کی حقیقت جانی اور سمجھا کہ میں خود فریبی میں مبتلا ہوں۔

امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اس نے اپنے خیال کے مطابق بہت سخت سوالات کئے جن کے تسلی بخش اور اطمینان آفرین جوابات سے بہرہ ور ہوا جب وہ سوالات کر چکا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے راس الجالوت ! تم تورات کی اس عبارت کا کیا مطلب سمجھتے ہو کہ ”آیانور سیناسے روشن ہوا جبل ساعیر سے اور ظاہر ہوا کوہ فاران سے“ اس نے کہا کہ اسے ہم نے پڑھا ضرور ہے لیکن اس کی تشریح سے واقف نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ نور سے وحی مراد ہے طور سیناسے وہ پہاڑ مراد ہے جس پر حضرت موسیٰ خدا سے کلام کرتے تھے جبل ساعیر سے محل و مقام عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے کوہ فاران سے جبل مکہ مراد ہے جو شہر سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے پھر فرمایا تم نے حضرت موسیٰ کی یہ وصیت دیکھی ہے کہ تمہارے پاس بنی اخوان سے ایک نبی آئے گا اس کی بات ماننا اور اس کے قول کی تصدیق کرنا اس نے کہا ہاں دیکھی ہے آپ نے پوچھا کہ بنی اخوان سے کون مراد ہے اس نے کہا معلوم نہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ اولاد اسماعیل ہیں، کیوں کہ وہ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے ہیں اور بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت اسحاق بن ابراہیم کے بھائی ہیں اور انہیں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد جبل فاران والی بشارت کی تشریح فرما کر کہا کہ شعیانی کا قول

توریت میں مذکور ہے کہ میں نے دوسواری دیکھے کہ جن کے پرتوسے
دنیا روشن ہوگئی، ان میں ایک گدھے پر سواری کئے تھا اور ایک اونٹ پر، اے
راس الجالوت تم بتلا سکتے ہو کہ اس سے کون مراد ہیں؟ اس نے انکار کیا، آپ
نے فرمایا کہ راکب الحمار سے حضرت عیسیٰ اور راکب الجمل سے
مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلعم ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ تم حضرت حقوق نبی کے اس قول سے واقف ہو کہ
خدا اپنا بیان جبل فاران سے لایا اور تمام آسمان حمد الہی کی (آوازوں) سے
بھر گئے اسکی امت اور اس کے لشکر کے سوار خشکی اور تری میں جنگ
کرینگے ان پر ایک کتاب آئے گی اور سب کچھ بیت المقدس کی خرابی کے
بعد ہوگا اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس حضرت موسیٰ علیہ
السلام کی نبوت کی کیا دلیل ہے اس نے کہا کہ ان سے وہ امور ظاہر ہوئے
، جو ان سے پہلے کے انبیاء پر نہیں ہوئے تھے مثلاً دریائے نیل کا شگافتہ
ہونا، عصا کا سانپ بن جانا، ایک پتھر سے بارہ چشمہ جاری
ہونا اور ید بیضا وغیرہ

آپ نے فرمایا کہ جو بھی اس قسم کے معجزات کو ظاہر کرے اور نبوت کا مدعی
ہو، اس کی تصدیق کرنی چاہیے اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کیوں؟ کہا اس
لیے کہ موسیٰ کو جو قربت یا منزلت حق تعالیٰ کے نزدیک تھی وہ کسی کو نہیں
ہوئی لہذا ہم پر واجب ہے کہ جب تک کوئی شخص بعینہ وہی معجزات
و کرامات نہ دکھلائے ہم اس کی نبوت کا اقرار نہ کریں، ارشاد فرمایا کہ تم موسیٰ

سے پہلے انبیاء مرسلین کی نبوت کاکس طرح اقرار کرتے ہو حالانکہ انہوں نے نہ کوئی دریا شگافتہ کیا، نہ کسی پتھر سے چشمے نکالے نہ ان کا ہاتھ روشن ہوا، اور نہ ان کا عصا ڈھابنا، راس الجالوت نے کہا کہ جب ایسے امور و علامات خاص طور سے ان سے ظاہر ہوں جن کے اظہار سے عموماً تمام خلائق عاجز ہو، تو وہ اگرچہ بعینہ ایسے معجزات ہوں یا نہ ہوں ان کی تصدیق ہم پر واجب ہو جائے گی حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بھی مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مادر نوزاد کو بینا بناتے تھے مبروص کو شفا دیتے تھے مٹی کی چڑیا بنا کر ہوا میں اڑاتے تھے وہ یہ امور ہیں جن سے عام لوگ عاجز ہیں پھر تم ان کو پیغمبر کیوں نہیں مانتے؟ راس الجالوت نے کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں، مگر ہم نے ان کو ایسا کرتے دیکھا نہیں ہے فرمایا تو کیا آیات و معجزات موسیٰ کو تم نے بچشم خود دیکھا ہے آخر وہ بھی تو معتبر لوگوں کی زبانی سنایا ہو گا ویسا ہی اگر عیسیٰ کے معجزات ثقہ اور معتبر لوگوں سے سنو، تو تم کو ان کی نبوت پر ایمان لانا چاہئے اور بالکل اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت و رسالت کا اقرار آیات و معجزات کی روشنی میں کرنا چاہیئے سنو ان کا عظیم معجزہ قرآن مجید ہے جس کی فصاحت و بلاغت کا جواب قیامت تک نہیں دیا جاسکے گا یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

عالم مجوسی سے مناظرہ

مجوسی یعنی آتش پرست کا ایک مشہور عالم ہر بذاکبر حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی گفتگو کرنے لگا آپ نے اس کے سوالات کے مکمل جوابات عنایت فرمائے اس کے بعد اس سے سوال کیا کہ تمہارے پاس زرتشت کی نبوت کی کیا دلیل ہے اس نے کہا کہ انہوں نے ہماری ایسی چیزوں کی طرف رہبری فرمائی ہے جس کی طرف پہلے کسی نے رہنمائی نہیں کی تھی ہمارے اسلاف کہا کرتے تھے کہ زرتشت نے ہمارے لیے وہ امور مباح کئے ہیں کہ ان سے پہلے کسی نے نہیں کئے تھے آپ نے فرمایا کہ تم کو اس امر میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی نبی اور رسول کے فضائل و کمالات تم پر روشن کرے اور تم اس کے ماننے میں پس و پیش کرو، مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم نے معتبر لوگوں سے سن کر زرتشت کی نبوت مان لی اسی طرح معتبر لوگوں سے سن کر انبیاء اور رسول کی نبوت کے ماننے میں تمہیں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

آپ کی تصانیف

علماء نے آپ کی تصانیف میں صحیفۃ الرضا، صحیفۃ الرضویہ، طب الرضا اور مسند امام رضا کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ آپ کی تصانیف ہیں صحیفۃ الرضا کا ذکر علامہ مجلسی علامہ طبرسی اور علامہ زمخشری نے کیا ہے اس کا اردو ترجمہ حکیم اکرام الرضا لکھنوی نے طبع کرایا تھا اب جو تقریباً ناپید ہے۔ صحیفۃ الرضویہ کا ترجمہ مولوی شریف حسین صاحب بریلوی نے کیا ہے طب

الرضا کا ذکر علامہ مجلسی شیخ منتخب الدین نے کیا ہے اس کی شرح فضل اللہ بن علی الراوندی نے لکھی ہے اسی کو رسالہ ذہیبہ بھی کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ مولانا حکیم مقبول احمد صاحب قبلہ مرحوم نے بھی کیا ہے اس کا تذکرہ شمس العلماء شبلی نعمانی نے المامون ص ۹۲ میں کیا ہے مسند امام رضا کا ذکر علامہ چلیبی نے کتاب کشف الظنون میں کیا ہے جس کو علامہ عبد اللہ امرت سری نے کتاب ارجح المطالب کے ص ۴۵۴ پر نقل کیا ہے ناچیز مؤلف کے پاس یہ کتاب مصر کی مطبوعہ موجود ہے یہ کتاب ۱۳۲۱ ہجری میں چھپی ہے اور اس کے مرتب علامہ شیخ عبدالواسع مصری اور محشی علامہ محمدابن احمد ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے ماء اللحم بنانے اور موسمیات کے متعلق جو افادہ فرمایا ہے اس کا ذکر کتابوں میں موجود ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (دمعہ ساکبہ وغیرہ)۔

مامون رشید عباسی اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غیر معصوم ارباب اقتدار ہوس حکمرانی میں کسی قسم کا صرفہ نہیں کرتے اگر حصول حکومت یا تحفظ حکمرانی میں باپ بیٹے، ماں بیٹی یا مقدس سے مقدس ترین ہستیوں کو بھینٹ چڑھادے، تو وہ اس کی پرواہ نہیں کیا کرتے اسی بناء پر عرب میں مثل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ الملک عقیم، علامہ وحید الزمان حیدرآبادی لکھتے ہیں کہ الملک عقیم بادشاہت

بانجھ ہے یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لیے باپ بیٹے کی پرواہ نہیں کرتا بیٹا باپ کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بیٹا باپ کو مار کر خود بادشاہ بن جاتا ہے (انوار اللغۃ پارہ ۸ ص ۱۷۳)۔

اب اس ہوس حکمرانی میں کسی مذہب اور عقیدہ کا سوال نہیں ہر وہ شخص جو اقتدار کا بھوکا ہو گا وہ اس قسم کی حرکتیں کرے گا۔

مثال کے لیے اسلامی تواریخ کی روشنی میں حضور رسول کریم کی وفات کے فوراً بعد کے واقعات کو دیکھیے جناب سیدہ کے مصائب و آلام اور وجہ شہادت پر غور کیجیے امام حسن کے ساتھ برتاؤ پر غور فرمائیے، واقعہ کربلا اور شہادت کے واقعات کو ملاحظہ کیجیے ان امور سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حکمرانی کے لیے کیا کیا مظالم کیے جاسکتے ہیں اور کیسی کیسی ہستیوں کی جانیں لی جاسکتی ہیں اور کیا کچھ کیا جاسکتا ہے تواریخ میں موجود ہے کہ مامون رشید عباسی کی دادی نے اپنے بیٹے خلیفہ ہادی کو ۲۶ سال کی عمر میں زہر دلو کر مار دیا مامون رشید کے باپ ہارون رشید نے اپنے وزیروں کے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا (المامون ص ۲۰)۔

مروان کی بیوی نے اپنے خاوند کو بستر خواب پر دو تکیوں سے گلا گھٹوا کر مروادیا ولید بن عبدالملک نے فرزند رسول امام زین العابدین کو زہر سے شہید کیا ہشام بن عبدالملک نے امام محمد باقر کو زہر سے شہید کیا امام جعفر صادق کو منصور دوانقی نے زہر سے شہید کیا امام موسیٰ کاظم کو ہارون رشید نے زہر سے شہید کیا امام علی رضا علیہ السلام کو مامون عباسی نے

زہر دیے کر شہید کیا امام محمد تقی کو معتصم باللہ نے ام الفضل بنت مامون کے ذریعہ سے زہر دلوا یا امام علی نقی کو معتصم عباسی نے زہر سے شہید کیا اسی طرح امام حسن عسکری کو بھی زہر سے شہید کیا گیا غرضیکہ حکومت کے سلسلے میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے اور نگ زیب کو دیکھیے اس نے اپنے بھائی کو قتل کراد اور اپنے باپ کو سلطنت سے محروم کر کے قید کر دیا تھا اسی نے شہید ثالث حضرت نور اللہ شوشتری (آگرہ) کی زبان گدی سے کھچوائی تھی بہر حال جس طرح سب کے ساتھ ہوتا رہا حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا۔

تاریخ شہادت

حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت ۲۳ / ذی قعدہ ۲۰۳ ہجری مطابق ۸۱۸ ء یوم جمعہ کو بمقام طوس واقع ہوئی ہے (جلاء العیون ص ۲۸۰ ، انور النعمانیہ ص ۱۲۷ ، جنات الخلود ص ۳۱) ۔ آپ کے پاس اس وقت عزاء واقربا اولاد وغیرہ میں سے کوئی نہ تھا ایک تو آپ خود مدینہ سے غریب الوطن ہو کر آئے دوسرے یہ کہ دار السلطنت مرو میں بھی آپ نے وفات پائی بلکہ آپ سفر کی حالت میں بعالم غربت فوت ہوئے اسی لیے آپ کو غریب ا لغرباء کہتے ہیں۔ واقعہ شہادت کے متعلق مورخین نے لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ”فما یقتلنی واللہ غیرہ“ خدا کی قسم مجھے مامون کے

سواء کوئی اور قتل نہیں کرے گا اور میں صبر کرنے پر مجبور ہوں (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۷۱)۔ علامہ شبانجی لکھتے ہیں کہ ہرثمہ بن اعین سے آپ نے اپنی وفات کی تفصیل بتلائی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ انگور اور انار میں مجھے زہر دیا جائے گا (نور الابصار ص ۱۴۴)۔

علامہ معاصر لکھتے ہیں کہ ایک روز مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنے گلے سے لگایا اور پاس بٹھا کر ان کی خدمت میں بہترین انگوروں کا ایک طبق رکھا اور اس میں سے ایک خوشاٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا بن رسول اللہ یہ انگور نہایت ہی عمدہ ہیں تناول فرمائیے آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار فرمایا کہ جنت کے انگور اس سے بہتر ہیں اس نے شدید اصرار کیا اور آپ نے اس میں سے تین دانے کھالیے یہ انگور کے دانے زہر آلود تھے انگور کھانے کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے، مامون نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا جہاں تو نے بھیجا ہے وہاں جا رہا ہوں قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد آپ تین دن تک تڑپتے رہے بالآخر انتقال فرما گئے (تاریخ ائمہ ص ۴۷۶)۔

انتقال کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام باعجاز تشریف لائے اور نماز جنازہ پڑھائی اور آپ واپس چلے گئے بادشاہ نے بڑی کوشش کی کہ آپ سے ملے مگر نہ مل سکا (مطالب السؤل ص ۲۸۸) اس کے بعد آپ کو بمقام طوس محلہ سناباد میں دفن کر دیا گیا جو آج کل مشہد مقدس کے نام سے

مشہور ہے اور اطراف عالم کے عقیدت مندوں کے حوائج کامرکز ہے۔

شہادت امام رضا کے موقع پر امام محمد تقی کا خراسان پہنچنا

ابومخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت امام رضا علیہ السلام کو خراسان میں زہر دیدیا اور آپ بستر علالت پر کروٹیں لینے لگے، تو خداوند عالم نے امام محمد تقی کو وہاں بھیجنے کا بندوبست کیا چنانچہ امام محمد تقی جب کہ مسجد مدینہ میں مشغول عبادت تھے ایک ہاتف غیبی نے آواز دی کہ ”اگر می خواہی پدر خود را زندہ دریابی قدم در راہ نہ“ اگر آپ اپنے والد بزرگوار سے ان کی زندگی میں ملنا چاہتے ہیں تو فوراً خراسان کے لیے روانہ ہو جائیں یہ آواز سننا تھا کہ آپ مسجد سے برآمد ہو کر داخل خانہ ہوئے اور آپ نے اپنے اعزاء و اقربا کو شہادت پدر سے آگاہ کیا، گھر میں کہرام برپا ہو گیا اس کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہو کر ایک ساعت میں خراسان پہنچے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ دربان نے دروازہ بند کر رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو میں اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں آپ کی آواز سنتے ہی امام علیہ السلام خود اپنے بستر سے اٹھے اور دروازہ کھول کر امام محمد تقی کو اپنے گلے سے لگالیا اور بے پناہ گریہ کیا امام محمد تقی پدر بزرگوار کی بے بسی، بے کسی اور غربت پر آنسو بہانے لگے پھر امام علیہ السلام تبرکات امامت فرزند کے سپرد کر کے راہی ملک بقا ہو گئے ”انا لله وانا الیہ راجعون“۔ (کنز الانساب ص

علامہ شیخ عباس قمی بحوالہ اعلام الوری تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمدتقی علیہ السلام کوجونہی خبر شہادت ملی ،خراسان تشریف لے گئے اور اپنے والدبزرگوار کو دفن کر کے ایک ساعت میں واپس آئے اور یہاں پہنچ کر لوگوں کو حکم دیا کہ امام علیہ السلام کاماتم کریں (منتہی الآمال جلد ۲ ص ۳۱۲)۔

چودہ ستارے

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

ولادت باسعادت

علماء کا بیان ہے کہ امام المتقین حضرت امام محمدتقی علیہ السلام بتاریخ ۱۰ / رجب المرجب ۱۹۵ ھ بمطابق ۸۱۱ ھ یوم جمعہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے تھے (روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۶ ، شواہد النبوت ص ۲۰۴ ، انور النعمانیہ ص ۱۲۷)۔

علامہ یگانہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمة فرماتے ہیں چونکہ حضرت امام علی رضاعیہ السلام کے کوئی اولاد آپ کی ولادت سے قبل نہ تھی اس لئے لوگ طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ شیعوں کے امام منقطع النسل ہیں یہ سن کر حضرت امام رضاعیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اولاد کا ہونا خدا کی عنایت سے متعلق ہے اس نے مجھے صاحب اولاد کیا ہے اور عنقریب میرے یہاں

مسند امامت کا وارث پیدا ہوگا چنانچہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی (ارشاد ص
۴۷۳)

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا
کہ میرے یہاں جو بچہ عنقریب پیدا ہوگا وہ عظیم برکتوں کا حامل ہوگا (اعلام
الوری ص ۲۰۰)

واقعہ ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی بہن جناب حکیمہ
خاتون فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے بھائی نے مجھے بلا کر کہا کہ آج تم
میرے گھر میں قیام کرو، کیونکہ خیزران کے بطن سے آج رات کو خدا مجھے
ایک فرزند عطا فرمائے گا، میں نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی
جب رات آئی تو ہمسایہ کی اور چند عورتیں بھی بلائی گئیں، نصف شب سے
زیادہ گزرنے پر یکایک وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے یہ حال دیکھ کر میں
خیزران کو حجرہ میں لے گئی، اور میں نے چراغ روشن کر دیا تھوڑی دیر میں
امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ مختون اور ناف بریدہ
ہیں ولادت کے بعد میں نے انہیں نہلانے کے لیے طشت میں بٹھایا، اس وقت
جو چراغ روشن تھا وہ گل ہو گیا مگر پھر بھی اس حجرہ میں روشنی بدستور رہی
، اور اتنی روشنی رہی کہ میں نے آسانی سے بچہ کو نہلا دیا،
تھوڑی دیر میں میرے بھائی امام رضا علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے آئے
میں نے نہایت عجلت کے ساتھ صاحبزادے کو کپڑے میں لپیٹ کر حضرت کی
آغوش میں دیدیا آپ نے سر اور آنکھوں پر بوسہ دے کر پھر مجھے واپس کر دیا،

دو دن تک امام محمد تقی علیہ السلام کی آنکھیں بند رہیں تیسرے دن جب آنکھیں کھلیں تو آپ نے سب سے پہلے آسمان کی طرف نظر کی پھر داہنے بائیں دیکھ کر کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا میں یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئی اور میں نے سارا ماجرا اپنے بھائی سے بیان کیا، آپ نے فرمایا تعجب نہ کرو، یہ میرا فرزند حجت خدا اور وصی رسول ہدی ہے اس سے جو عجائبات ظہور پذیر ہوں، ان میں تعجب کیا؟ محمد بن علی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان اسی طرح مہر امامت تھی جس طرح دیگر آئمہ علیہم السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرین ہوا کرتی تھیں (مناقب)۔

نام کنیت اور القاب

آپ کا اسم گرمی، لوح محفوظ کے مطابق ان کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام نے ”محمد“ رکھا آپ کی کنیت ”ابو جعفر“ اور آپ کے القاب جواد، قانع، مرتضیٰ تھے اور مشہور ترین لقب تقی تھا (روضۃ الصفاح جلد ۳ ص ۱۶، شواہد النبوت ص ۲۰۲، اعلام الوری ص ۱۹۹)۔

بادشاہان وقت

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت ۱۹۵ ھ میں ہوئی اس وقت بادشاہ وقت، امین ابن ہارون رشید عباسی تھا (وفیات الاعیان)۔ ۱۹۸ ہجری میں مامون رشید بادشاہ وقت ہوا (تاریخ خمیس و ابوالفداء) ۲۱۸ ہجری میں معتصم عباسی خلیفہ وقت مقرر ہوا (ابوالفداء)۔

اسی معتصم نے ۲۲۰ ہجری میں آپ کو زہر سے شہید کرادیا (وسيلة النجات)۔

امام محمدتقی کی نشوونما اور تربیت

یہ ایک حسرتناک واقعہ ہے کہ امام محمدتقی علیہ السلام کو نہایت کمسنی ہی کے زمانہ میں مصائب اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوجانا پڑا انہیں بہت ہی کم اطمینان اور سکون کے لمحات میں ماں باپ کی محبت اور شفقت و تربیت کے سایہ میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکا آپ کو صرف پانچ برس تھا، جب حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے امام محمدتقی علیہ السلام اس وقت سے جو اپنے باپ سے جدا ہوئے تو پھر زندگی میں ملاقات کا موقع نہ ملا، امام محمدتقی علیہ السلام سے جدا ہونے کے تیسرے سال امام رضا علیہ السلام کی وفات ہو گئی، دنیا سمجھتی ہوگی کہ امام محمدتقی کے لیے علمی اور عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، اس لیے اب امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خالق خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جس سے اس کمسن بچے کو تھوڑے دن بعد ماموں کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء سے فقہ و حدیث و تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور ان سب کو قائل ہوجاتے دیکھا ان کی حیرت اس وقت تک دور ہونا ممکن نہ تھی جب تک وہ مادی اسباب کے آگے ایک مخصوص خداوندی مدرسہ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے جس کے بغیر یہ معمہ نہ حل ہوا، اور نہ کبھی حل ہو سکتا ہے (سوانح امام

مقصود یہ ہے کہ امام کو علم لدنی ہوتا ہے یہ انبیاء کی طرح پڑھے لکھے اور تمام صلاحیتوں سے بھرپور پیدا ہوتے ہیں انہوں نے سرور کائنات کی طرح کبھی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں کیا اور نہ کر سکتے تھے، یہ اس کے بھی محتاج نہیں ہوتے تھے کہ آباؤ اجداد انہیں تعلیم دیں، یہ اور بات ہے کہ از دیاد علم و شرف کے لیے ایسا کر دیا جائے، یا علوم مخصوصہ کی تعلیم دیدی جائے۔

والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محرومی

یوں تو عمومی طور پر کسی کے باپ کے مرنے سے سایہ عاطفت سے محرومی ہوا کرتی ہے لیکن حضرت امام محمدتقی علیہ السلام اپنے والد ماجد کے سایہ عاطفت سے ان کی زندگی ہی میں محروم ہو گئے تھے، ابھی آپ کی عمر ۶ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کی شفقت و عطوفت سے محروم کر دیئے گئے اور مامون رشید عباسی نے آپ کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنی سیاسی غرض کے ماتحت مدینہ سے خراسان طلب کر لیا۔

اور ساتھ ہی یہ شق بھی لگادی کہ آپ کے بال بچے مدینہ ہی میں رہیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سب کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر خراسان تشریف لے گئے اور وہیں عالم غربت میں سب سے جدا مامون رشید کے ہاتھوں ہی

شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپ کے مدینہ سے تشریف لے جانے کا اثر خاندان پر یہ پڑا کہ سب کے دل کا سکون جاتا رہا اور سب کے سب اپنے کوزندہ درگور سمجھتے رہے بالآخر وہ نوبت پہنچی ، کہ آپ کی ہمشیرہ جناب فاطمہ جو بعد میں ”معصومہ قم“ کے نام سے ملقب ہوئیں ، انتہائی بے چینی کی حالت میں گھر سے نکل کر خراسان کی طرف روانہ ہوئیں ، ان کے دل میں جذبات یہ تھے کہ کسی طرح اپنے بھائی علی رضا علیہ السلام سے ملیں ، لیکن ایک روایت کی بناء پر آپ مدینہ سے روانہ ہو کر جب مقام ساوہ میں پہنچیں تو علیل ہو گئیں ، آپ نے پوچھا کہ یہاں سے قم کتنی دور ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ یہاں سے قم کی مسافت دس فرسخ ہے ، آپ نے خواہش کی کہ کسی صورت سے وہاں پہنچادی جائیں ، چنانچہ آپ آل سعد کے رئیس موسیٰ بن خزرج کی کوششوں سے وہاں پہنچیں اور اسی کے مکان میں ۱۷ / یوم بیمار رہ کر اپنے بھائی کوروتی پیٹتی دنیا سے رخصت ہو گئیں اور مقام ”بابلان“ قم میں دفن ہوئیں یہ واقعہ ۲۰۱ ہجری کا ہے (انوار الحسینیہ جلد ۴ ص ۵۳)۔

اور ایک روایت کی بنا پر آپ اس وقت خراسان پہنچیں جب بھائی شہید ہو چکا تھا اور لوگ دفن کے لیے کالے کالے علموں کے سایہ میں لیے جا رہے تھے آپ قم آکر وفات پا گئیں۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لیے حضرت امام رضا علیہ السلام کی جدائی ہی کیا کم تھی کہ اس پر مستزاد اپنی پھوپھی کے سایہ سے بھی محروم

ہوگئے ہمارے امام کے لیے کمسنی میں یہ دونوں صدمے انتہائی تکلیف دہ اور رنج رساں تھے لیکن مشیت ایزدی میں چارہ نہیں آخراپ کو تمام مراحل کا مقابلہ کرنا پڑا اور آپ صبر و ضبط کے ساتھ ہر مصیبت کو جھیلنے رہے۔

مامون رشید عباسی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا پہلا سفر عراق

عباسی خلیفہ مامون رشید حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت سے فراغت کے بعد یاس لیے کہ اس پر امام رضا کے قتل کا الزام ثابت نہ ہو سکے یا اس لیے کہ وہ امام رضا کی ولی عہدی کے موقع پر اپنی لڑکی ام حبیب کی شادی کا اعلان بھی کر چکا تھا کہ ولی عہد کے فرزند امام محمد تقی کے ساتھ کرے گا اسے نبھانے کے لیے یاس لیے کہ ابھی اس کی سیاسی ضرورت اسے امام محمد تقی کی طرف توجہ کی دعوت دے رہی تھی، بہر حال جو بات بھی ہو، اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے دعوت نامہ ارسال کیا اور انہیں اسی طرح مجبور کر کے بلا یاجس طرح امام رضا علیہ السلام کو بلوایا تھا ”حکم حاکم مرگ مفاجات“ بالآخر امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد آنا پڑا۔

بازار اور مچلی کا واقعہ

امام محمد تقی علیہ السلام جن کی عمر اس وقت تقریباً ۹ سال کی تھی ایک دن بغداد کے کسی گزرگاہ میں کھڑے ہوئے تھے اور چند لڑکے وہاں کھیل رہے تھے کہ ناگہاں خلیفہ مامون کی سواری دکھائی دی، سب لڑکے ڈر کر بھاگ

گئے مگر حضرت امام محمدتقی علیہ السلام اپنی جگہ پر کھڑے رہے جب مامون کی سواری وہاں پہنچی تو اس نے حضرت امام محمدتقی سے مخاطب ہو کر کہا کہ صاحبزادے جب سب لڑکے بھاگ گئے تھے تو تم کیوں نہیں بھاگے انہوں نے بے ساختہ جواب دیا کہ میرے کھڑے رہنے سے راستہ تنگ نہ تھا جو بٹ جانے سے وسیع ہو جاتا اور میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا کہ ڈرتا نیز میرا حسن ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہنچاتے مامون کو حضرت امام محمدتقی کا انداز بیان بہت پسند آیا۔

اس کے بعد مامون وہاں سے آگے بڑھا، اس کے ساتھ شکاری باز بھی تھے جب آبادی سے باہر نکل گیا تو اس نے ایک باز کو ایک چکور پر چھوڑا باز نظروں سے اوجھل ہو گیا اور جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون بہت متعجب ہوا تھوڑی دیر میں جب وہ اسی طرف لوٹا تو اس نے حضرت امام محمدتقی علیہ السلام کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہیں دیکھا جہاں وہ پہلے تھے لڑکے مامون کی سواری دیکھ کر پھر بھاگے لیکن حضرت امام محمدتقی علیہ السلام بدستور سابق وہیں کھڑے رہے جب مامون ان کے قریب آیا تو مٹھی بند کر کے کہنے لگا کہ صاحبزادے بتاؤ، میرے ہاتھ میں کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے باز سے ان مچھلیوں کا شکار کر کے اہلبیت رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں یہ سن کر مامون بولا! بے شک تم علی بن موسیٰ رضا کے فرزند ہو، پھر ان کو اپنے ساتھ لیتا گیا

(صواعق محرقہ ص ۱۲۳، مطالب السؤل ص ۲۹۰، شواہد النبوت ص ۲۰۴، نورالابصار ص ۱۴۵، ارجح المطالب ص ۴۵۹)۔
 یہ واقعہ ہماری بھی بعض کتابوں میں ہے اس واقعہ کے سلسلہ میں میں نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان میں ”ان اللہ خلق فی بحر قدرتہ سمکا صغارا“ مندرج ہے البتہ بعض کتب میں ”بین السماء والہواء“ لکھا ہے، اول الذکر کے متعلق توتاویل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہر دریا خدائے کی قدرت سے جاری ہے اور مذکورہ واقعہ میں امکان قوی ہے کہ بازاسی زمین پر جو دریا ہیں انہیں کے کسی ایک سے شکار کر کے لایا ہوگا البتہ آخر الذکر کے متعلق کہا جاسکتا ہے:

- ۱۔ جہاں تک مجھے علم ہے ہر گہرے سے گہرے دریا کی انتہا کسی سطح ارضی پر ہے۔
- ۲۔ بقول علامہ مجلسی بعض دریا ایسے ہیں جن سے ابر چھوٹی مچھلیوں کو اڑا کر اوپر لے جاتے ہیں۔
- ۳۔ ۱۹۲۳ء کے اخبار میں یہ شائع ہو چکا ہے کہ امریکہ کی نہر پاناما میں جو سڈوبول بندرگاہ کے قریب ہے مچھلیوں کی بارش ہوئی ہے۔
- ۴۔ آسمان اور ہوا کے درمیان بحر متلاطم سے مراد فضا کی وہ کیفیات ہوں جو دریا کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔
- ۵۔ کہا جاتا ہے کہ علم حیوان میں یہ ثابت ہے کہ مچھلی دریا سے ایک سوچاس گز تک بعض حالات میں بلند ہو جاتی ہے بہر حال انہیں گہرائیوں کی

روشنی میں فرزند رسول نے مامون سے فرمایا کہ بادشاہ بحر قدرت خداوندی سے شکار کر کے لایا ہے اور آل محمد کا امتحان لیتا ہے۔

ام الفضل کی رخصتی ، امام محمد تقی علی السلام کی مدینہ کو واپسی اور حضرت کے اخلاق و اوصاف عادات و خصائل

اس شادی کا پس منظر جو بھی ہو ، لیکن مامون نے نہایت اچھوتے انداز سے اپنی لخت جگرام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حوالہ نکاح میں دیدیا تقریباً ایک سال تک امام علیہ السلام بغداد میں مقیم رہے ، مامون نے دوران قیام بغداد میں آپ کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہیں کی ”الی ان توجه بزوجته ام الفضل الی المدینة المشرفة“۔ یہاں تک آپ اپنی زوجہ ام الفضل سمیت مدینہ مشرفہ تشریف لے آئے (نور الابصار ص ۱۴۶) ۔ مامون نے بہت ہی انتظام و اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

علامہ شیخ مفید، علامہ طبرسی، علامہ شبلی نجی، علامہ جامی علیہم ا لرحمة تحریر فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لئے ہوئے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے ، آپ کے ہمراہ بہت سے حضرات بھی تھے چلتے چلتے شام کے وقت آپ وارد کوفہ ہوئے وہاں پہنچ کر آپ نے جناب مسیب کے مکان پر قیام فرمایا اور نماز مغرب پڑھنے کے لیے وہاں کی ایک نہایت ہی قدیم مسجد میں تشریف لے گئے آپ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا، پانی آنے پر ایک

ایسے درخت کے تھالے میں وضو کرنے لگے جو بالکل خشک تھا اور مدتوں سے سرسبزی اور شادابی سے محروم تھا امام علیہ السلام نے اس جگہ وضو کیا، پھر آپ نماز مغرب پڑھ کر وہاں سے واپس ہوئے اور اپنے پروگرام کے مطابق وہاں سے روانہ ہو گئے۔ امام علیہ السلام تو تشریف لے گئے لیکن ایک عظیم نشانی چھوڑ گئے اور وہ یہ تھی کہ جس خشک درخت کے تھالے میں آپ نے وضو فرمایا تھا وہ سرسبز و شاداب ہو گیا، اور رات ہی بھر میں وہ تیار پھلوں سے لد گیا لوگوں نے اسے دیکھ کر بے انتہا تعجب کیا (ارشاد ص ۴۷۹ ، اعلام الوری ص ۲۰۵ ، نور الابصار ص ۱۴۷ ، شواہد النبوت ص ۲۰۵)۔

کوفہ سے روانہ ہو کر طے مراحل و قطع منازل کرتے ہوئے آپ مدینہ منورہ پہنچے وہاں پہنچ کر آپ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں منہمک و مشغول ہو گئے پند و نصائح، تبلیغ و ہدایت کے علاوہ آپ نے اخلاق کا عملی درس شروع کر دیا خاندانی طرہ امتیاز کے بموجب ہر ایک سے جھک کر ملنا ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا مساوات اور سادگی کو بر حال میں پیش نظر رکھنا، غرباء کی پوشیدہ طور پر خبر لینا، دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا مہمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور علمی و مذہبی پیاسوں کیے لیے فیض کے چشموں کو جاری رکھنا، آپ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا اہل دنیا جو آپ کی بلندی نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے انہیں یہ تصور ضروری ہوتا تھا کہ ایک کمسن بچے کا عظیم الشان مسلمان

سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہوجانا یقیناً اس کے چال ڈھال، طور طریقے کو بدل دے گا اور اس کی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہو سکتا ہے جو مامون کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا بنی امیہ یا بنی عباس کے بادشاہوں کو آل رسول کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا، جتنا ان کی صفات سے تھا وہ ہمیشہ اس کے درپے رہتے تھے کہ بلندی اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ منورہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابلہ میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے، یہ کسی طرح ٹوٹ جائے اسی کے لیے گھبرا گھبرا کر وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے۔

امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلب کرنا، اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضا کو ولی کو عہد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ تھا فقط ظاہری شکل و صورت میں ایک کا انداز معاندانہ اور دوسرے کا طریقہ ارادت مندی کے روپ میں تھا، مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں کی ایک تھی، جس طرح امام حسین نے بیعت نہ کی، تو وہ شہید کر ڈالے گئے، اسی طرح امام رضا علیہ السلام ولی عہد ہونے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چلے تو آپ کو زہر کے ذریعہ سے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا۔ اب مامون کے نقطہ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضا کا جانشین ایک اٹھ، نو، برس کا بچہ ہے، جو تین چار برس پہلے ہی باپ سے چھڑا لیا جا چکا تھا حکومت وقت کی سیاسی سوجھ بوجھ کہہ رہی تھی کہ اس بچہ

کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومت وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

مامون رشید عباسی، امام رضا علیہ السلام کے ولی عہدی کی مہم میں اپنی ناکامی کو مایوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا اس لیے کہ امام رضا کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی، اس میں تبدیلی نہیں ہوئی تو یہ ضروری نہیں کہ امام محمد تقی جو آٹھ، نو برس کے سن سے قصر حکومت میں نشوونما پا کر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصول زندگی پر برقرار ہیں۔

سوائے ان لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خداداد کمالات کو جانتے تھے اس وقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا، مگر حکومت کو حیرت ہوگئی جب یہ دیکھا کہ وہ نو برس کا بچہ جسے شہنشاہ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے اس عمر میں اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد محل شاہی میں قیام سے انکار کر دیتا ہے، اور اس وقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رہتا ہے تو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتے ہیں اس سے بھی امام کی مستحکم قوت ارادی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے عموماً مالی اعتبار سے لڑکی والے جو کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہیں وہیں داماد بھی رہے اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام رہے، مگر امام محمد تقی نے شادی کے ایک

سال بعدہی مامون کو حجاز واپس جانے کی اجازت پر مجبور کر دیا یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے باقتدار کے لیے انتہائی ناگوار تھا مگر اسے لڑکی کی جدائی گوارا کرنا پڑی اور امام مع ام الفضل کے مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی عالم رہا جو اس کے پہلے تھا، نہ پہرہ دار نہ کوئی خاص روک ٹوک، نہ تزک و احتشام نہ اوقات ملاقات، نہ ملاقاتیوں کے ساتھ برتاؤ میں کوئی تفریق زیادہ تر نشست مسجد نبوی میں رہتی تھی جہاں مسلمان حضرت کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے راویان حدیث، اخبار و احادیث دریافت کرتے تھے طالب علم مسائل پوچھتے تھے، صاف ظاہر تھا کہ جعفر صادق ہی کا جانشین اور امام رضا کافر زندہ جو اسی مسند علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے۔ امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا ہوا تھا انہیں حدود میں آپ نے ام الفضل کو بھی رکھا، آپ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ آپ کی بیوی ایک شہنشاہ وقت کی بیٹی ہے چنانچہ ام الفضل کے ہوتے ہوئے آپ نے حضرت عمار یاسر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی فرمایا اور قدرت کو نسل امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھی، یہی امام علی نقی کی ماں ہوئیں ام الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی، مامون کے دل کے لیے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا، مگر اسے اب اپنے کئے کو نباہنا تھا اس نے ام الفضل

کو جواب میں لکھا کہ میں نے تمہارا عقدا ابو جعفر سے ساتھ اس لیے نہیں کیا کہ ان پر کسی حلال خدا کو حرام کر دوں خبردار! مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔

یہ جواب دے کر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے ہمارے سامنے اس کی نظریں موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی بالاحترام خاتون ہوئی ہے تو اس کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا، جیسے پیغمبر اسلام کے لیے جناب خدیجہ اور حضرت علی المرتضیٰ کے لیے جناب فاطمہ الزہراء، مگر شہنشاہ دنیا کی بیٹی کو یہ امتیاز دینا صرف اس لیے کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی ہے اسلام کی اس روح کے خلاف تھا جس کے آل محمد محافظ تھے اس لیے امام محمد تقی علیہ السلام نے اس کے خلاف طرز عمل اختیار کرنا اپنا فریضہ سمجھا (سوانح محمد تقی جلد ۲ ص ۱۱)۔

امام محمد تقی علیہ السلام اور طی الارض

امام محمد تقی علیہ السلام اگرچہ مدینہ میں قیام فرماتے لیکن فرائض کی وسعت نے آپ کو مدینہ ہی کے لیے محدود نہیں رکھتا آپ مدینہ میں رہ کر اطراف عالم کے عقیدت مندوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے یہ ضروری نہیں کہ جس کے ساتھ کرم گستری کی جائے وہ آپ کے کوائف و حالات سے بھی آگاہ ہو عقیدہ کا تعلق دل کی گہرائی سے ہے کہ زمین و آسمان ہی نہیں ساری کائنات ان کے تابع ہوتی ہے انہیں اس کی ضرورت نہیں پڑتی کہ وہ

کسی سفر میں طے مراحل کے لیے زمین اپنے قدموں سے ناپا کریں، ان کے لیے یہی بس ہے کہ جب اور جہاں چاہیں چشم زدن میں پہنچ جائیں اور یہ عقلا محال بھی نہیں ہے ایسے خاصان خدا کے اس قسم کے واقعات قرآن مجید میں بھی ملتے ہیں۔

آصف بن برخیا وصی جناب سلیمان علیہ السلام کے لیے علماء نے اس قسم کے واقعات کا حوالہ دیا ہے ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر شام پہنچے، وہاں ایک شخص کو اس مقام پر عبادت میں مصروف و مشغول پایا جس جگہ امام حسین کا سر مبارک لٹکایا گیا تھا آپ نے اس سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو وہ روانہ ہوا، ابھی چند قدم نہ چلاتا تھا، کہ کوفہ کی مسجد میں جا پہنچا وہاں نماز ادا کرنے کے بعد جو روانگی ہوئی، تو صرف چند منٹوں میں مدینہ منورہ جا پہنچے اور زیارت و نماز سے فراغت کی گئی، پھر وہاں سے چل کر لمحوں میں مکہ معظمہ رسیدگی ہوئی، طواف و دیگر عبادت سے فراغت کے بعد آپ نے چشم زدن میں اسے شام کی مسجد میں پہنچا دیا۔

اور خود نظروں سے اوچل ہو کر مدینہ منورہ جا پہنچے پھر جب دوسرا سال آیا تو آپ بدستور شام کی مسجد میں تشریف لے گئے اور اس عابد سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو، چنانچہ وہ چل پڑا آپ نے چند لمحوں میں اسے سال گزشتہ کی طرح تمام مقدس مقامات کی زیارت کرادی پہلے ہی سال کے واقعہ سے وہ شخص بے انتہا متاثر تھا ہی، کہ دوسرے سال بھی ایسا ہی واقعہ ہو گیا اب کی مرتبہ اس

نے مسجد شام واپس پہنچتے ہی ان کا دامن تھام لیا اور قسم دے کر پوچھا کہ فرمائیے آپ اس عظیم کرامت کے مالک کون ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن علی (امام محمد تقی ہوں) اس نے بڑی عقیدت اور تعظیم و تکریم کے مراسم

آپ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد یہ خبر بجلی کی طرح تمام پھیل گئی جب والی شام محمد بن عبدالملک کو اس کی اطلاع ملی اور یہ بھی پتہ چلا کہ لوگ اس واقعہ سے بے انتہا متاثر ہو گئے ہیں تو اس نے اس عابد پر ”مدعی نبوت“ ہونے کا الزام لگا کر اسے قید کر دیا اور پھر شام سے منتقل کرا کے عراق بھجوا دیا اس نے والی کو قید خانہ سے ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ میں بے خطا ہوں، مجھے رہا کیا جائے، تو اس نے خط کی پشت پر لکھا کہ جو شخص تجھے شام سے کوفہ اور کوفہ سے مدینہ اور وہاں سے مکہ اور پھر وہاں سے شام پہنچا سکتا ہے اپنی رہائی میں اسی کی طرف رجوع کر۔ اس جواب کے دوسرے دن یہ شخص مکمل سختی کے باوجود، سخت ترین پہرہ کے ہوتے ہوئے قید خانہ سے غائب ہو گیا، علی بن خالد راوی کا بیان ہے کہ جب میں قید خانہ کے پھاٹک پر پہنچا تو دیکھا کہ تمام ذمہ داران حیران و پریشان ہیں، اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ عابد شامی زمین میں سما گیا یا آسمان پر اٹھا لیا گیا، علامہ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے علی بن خالد جو دوسرے مذہب کا پیرو تھا، امامیہ مسلک کا معتقد ہو گیا (شواہد النبوت ص

۲۰۵، نورالابصار ص ۱۴۶، اعلام الوری ص ۷۳۱، ارشاد مفید ص (۴۸۱)۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے بعض کرامات

صاحب تفسیر علامہ حسین واعظ کاشفی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے کرامات بے شمار ہیں (روضۃ الشہدا ص ۴۳۸) میں بعض

کاتذکرہ مختلف کتب سے کرتا ہوں۔

علامہ عبدالرحمن جامی تحریر کرتے ہیں کہ :

۱۔ مامون رشید کے انتقال کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے

ارشاد فرمایا کہ اب تیس ماہ بعد میرا بھی انتقال ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۲۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک مسماۃ (ام

الحسن) نے آپ سے درخواست کی ہے کہ اپنا کوئی جامہ کہنے دیجیے تاکہ میں

اسے اپنے کفن میں رکھوں آپ نے فرمایا کہ اب جامہ کہنے کی ضرورت نہیں

ہے روای کا بیان ہے کہ میں وہ جواب لے کر جب واپس ہوا تو معلوم ہوا کہ ۱۳۔

۱۴ دن ہو گئے ہیں کہ وہ انتقال کر چکی ہے۔

۳۔ ایک شخص (امیہ بن علی) کہتا ہے کہ میں اور حماد بن عیسیٰ ایک سفر میں

جاتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ سے رخصت ہولیں،

آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم آج اپنا سفر ملتوی کر دو، چنانچہ میں حسب الحکم

ٹہر گیا، لیکن میرا ساتھی حماد بن عیسیٰ نے کہا کہ میں نے سارا سامان

سفر گھر سے نکال رکھا ہے اب اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سفر ملتوی کر دوں، یہ

کہہ کر وہ روانہ ہو گیا اور چلتے چلتے رات کو ایک وادی میں جا پہنچا اور وہیں قیام کیا، رات کے کسی حصہ میں عظیم الشان سیلاب آگیا، اور وہ تمام لوگوں کے ساتھ حماد کو بھی بہا کر لے گیا (شواہد النبوت ص ۲۰۲)۔

۴۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ معمر بن خالد کا بیان ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ میں جب کہ آپ بہت کمسن تھے مجھ سے فرمایا کہ چلو میرے ہمراہ چلو! چنانچہ میں ساتھ ہو گیا حضرت نے مدینہ سے باہر نکل کرے ایک وادی میں جا کر مجھ سے فرمایا کہ تم ٹھہر جاؤ میں ابھی آتا ہوں چنانچہ آپ نظروں سے غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس ہوئے واپسی پر آپ بے انتہاء ملول اور رنجیدہ تھے، میں نے پوچھا: فرزند رسول! آپ کے چہرہ مبارک سے آثار حزن و ملال کیوں ہو رہے ہیں ارشاد فرمایا کہ اسی وقت بغداد سے واپس آ رہا ہوں وہاں میرے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام زہر سے شہید کر دیئے گئے ہیں میں ان پر نماز وغیرہ ادا کرنے گیا تھا۔

۵۔ قاسم بن عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میں بغداد میں تھا میں نے دیکھا کہ کسی شخص کے پاس تمام لوگ برابر آتے جاتے ہیں میں نے دریافت کیا کہ جس کے پاس آنے جانے کا تانتا بندھا ہوا ہے یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ابو جعفر محمد بن علی علیہ السلام ہیں ابھی یہ باتیں ہوئی رہی تھیں کہ آپ ناقہ پر سوار اس طرف سے گذرے، قاسم کہتا ہے کہ انہیں دیکھ کر میں نے دل میں کہا کہ وہ لوگ بڑے بیوقوف ہیں جو آپ کی امامت کے قائل ہیں اور آپ کی عزت و توقیر کرتے ہیں، یہ تو بچے ہیں اور میرے دل میں ان کی کوئی وقعت

محسوس نہیں ہوتی، میں اپنے دل میں یہی سوچ رہا تھا کہ اپنے قریب آکر فرمایا کہ ایسے قاسم بن عبدالرحمن جو شخص ہماری اطاعت سے گریزاں ہے وہ جہنم میں جائے گا آپ کے اس فرمانے پر میں نے خیال کیا کہ یہ جادو گر ہیں کہ انہوں نے میرے دل کے ارادے کو معلوم کر لیا ہے جیسے ہی یہ خیال میرے دل میں آیا آپ نے فرمایا کہ تمہارے خیال بالکل غلط ہیں تم اپنے عقیدے کی اصلاح کرو یہ سن کر میں نے آپ کی امامت کا اقرار کیا اور مجھے ماننا پڑا کہ آپ حجت اللہ ہیں۔

۶۔ قاسم بن الحسن کا بیان ہے کہ میں ایک سفر میں تھا، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مفلوج الحال شخص نے مجھ سے سوال کیا، میں نے اسے روٹی کا ایک ٹکڑا دیدیا ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک زبردست آندھی آئی اور وہ میری پگڑی اڑا کر لے گئی میں نے بڑی تلاش کی لیکن وہ دستیاب نہ ہو سکی جب میں مدینہ پہنچا اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے ملنے گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے قاسم تمہاری پگڑی ہوا اڑا لے گئی میں نے عرض کی جی حضور! آپ نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ ان کی پگڑی لے آؤ غلام نے پگڑی حاضر کی میں نے بڑے تعجب سے دریافت کیا کہ مولا! یہ پگڑی یہاں کیسے پہنچی ہے آپ نے فرمایا کہ تم نے جو وہ خدام میں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا، اسے خدانے قبول فرمایا ہے، ایسے قاسم خداوند عالم یہ نہیں چاہتا جو اس کی راہ میں صدقہ دے وہ اسے نقصان پہنچنے دے۔

۷۔ ام الفضل نے حضرت امام محمد تقی کی شکایت اپنے والد امامون رشید

عباسی کولکھ کر بھیجی کہ ابو جعفر میرے ہوتے ہوئے دوسری شادی بھی کر رہے ہیں اس نے جواب دیا کہ میں نے تیری شادی ان کے ساتھ اس نہیں کی حلال خدا کو حرام کر دوں انہیں قانون خداوندی اجازت دیتا ہے کہ وہ دوسری شادی کریں، اس میں تیرا کیا دخل ہے دیکھ اُنندہ سے اس قسم کی کوئی شکایت نہ کرنا اور سن تیرا فریضہ ہے کہ تو اپنے شوہر ابو جعفر کو جس طرح ہوراضی رکھ اس تمام خط و کتابت کی اطلاع حضرت کو ہو گئی (کشف الغمہ ص ۱۲۰)

علامہ شیخ حسین بن عبدالوہاب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن ام الفضل نے حضرت کی ایک بیوی کو جو عمار یاسر کی نسل سے تھی دیکھا تو مامون رشید کو کچھ اس طرح سے کہا کہ وہ حضرت کے قتل پر آمادہ ہو گیا، مگر قتل نہ کر سکا (عیون المعجزات ص ۱۵۴ طبع ملتان)۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ہدایات و ارشادات

یہ ایک مسلہ حقیقت ہے کہ بہت سے بزرگ مرتبہ علماء نے آپ سے علوم اہل بیت کی تعلیم حاصل کی آپ کے لیے مختصر حکیمانہ مقولوں کا بھی ایک ذخیرہ ہے، جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے کثرت سے پائے جاتے ہیں جناب امیر علیہ السلام کے بعد امام محمد تقی علیہ السلام کے مقولوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے بعض علماء نے آپ کے مقولوں کو تعداد کئی ہزار بتائی ہے علامہ شبلی نجی بحوالہ فصول المہمہ

- تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ :
- ۱ - خداوند عالم جسے جو نعمت دیتا ہے بہ ارادہ دوام دیتا ہے ، لیکن اس سے وہ اس وقت زائل ہو جاتی ہے جب وہ لوگوں یعنی مستحقین کو دینا بند کر دیتا ہے ۔
 - ۲ - ہر نعمت خداوندی میں مخلوق کا حصہ ہے جب کسی کو عظیم نعمتیں دیتا ہے تو لوگوں کی حاجتیں بھی کثیر ہو جاتی ہیں اس موقع پر اگر صاحب نعمت (مالدار) عہدہ برآہوسکتا تو خیر ورنہ نعمت کا زوال لازمی ہے۔
 - ۳ - جو کسی کو بڑا سمجھتا ہے اس سے ڈرتا ہے۔
 - ۴ - جس کی خواہشات زیادہ ہوں گی اس کا جسم موٹا ہوگا۔ ۵ - صحیفہ حیات مسلم کا سرنامہ ”حسن خلق“ ہے۔
 - ۶ - جو خدا کے بھروسے پر لوگوں سے بے نیاز ہو جائے گا، لوگ اس کے محتاج ہوں گے۔ ۷ - جو خدا سے ڈرے گا تو لوگ اسے دوست رکھیں گے۔
 - ۸ - انسان کی تمام خوبیوں کا مرکز زبان ہے۔ ۹ - انسان کے کمالات کا دار و مدار عقل کے کمال پر ہے ۔
 - ۱۰ - انسان کے لیے فقر کی زینت ”عفت“ ہے خدائی امتحان کی زینت شکر ہے حسب کی زینت تواضع اور فررتی ہے کلام کی زینت ”فصاحت“ ہے روایات کی زینت ”حافظہ“ ہے علم کی زینت انکساری ہے ورع و تقویٰ کی زینت ”حسن ادب“ ہے قناعت کی زینت ”خندہ پیشانی“ ہے ورع و پرہیزگاری کی زینت تمام مہملات سے کنارہ کشی ہے۔
 - ۱۱ - ظالم اور ظالم کا مددگار اور ظالم کے فعل کے سراہانے والے ایک ہی

زمر میں ہیں یعنی سب کادرجہ برابر ہے۔

۱۲ - جو زندہ رہنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ برداشت کرنے کے لیے اپنے دل کو صبر آزمائے۔

۱۳ - خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے تین چیزیں ہونی چاہئیں اول استغفار دوم نرمی اور فرحتی سوم کثرت صدقہ۔

۱۴ - جو جلب بازی سے پرہیز کرے گا لوگوں سے مشورہ لے گا، اللہ پر بھروسہ کرے گا وہ کبھی شرمندہ نہیں ہوگا۔ ۱۵ - اگر جاہل زبان بند رکھے تو اختلافات نہ

ہوں گے ۱۶ - تین باتوں سے دل موہ لیے جاتے ہیں ۱ - معاشرہ انصاف ۲ -

مصیبت میں ہمدردی ۳ - پریشان خاطری میں تسلی -

۱۷ - جو کسی بری بات کو اچھی نگاہ سے دیکھے گا، وہ اس میں شریک

سمجھا جائے گا۔ ۱۸ - کفران نعمت کرنے والا خدا کی ناراضگی کو دعوت دیا ہے۔

۱۹ - جو تمہارے کسی عطیہ پر شکریہ ادا کرے، گویا اس نے تمہیں اس سے زیادہ

۲۰ - جو اپنے بھائی کو پوشیدہ طور پر نصیحت کرے وہ اس کا حسن ہے،

اور جو علانیہ نصیحت کرے، گویا اس نے اس کے ساتھ برائی کی۔

۲۱ - عقلمندی اور حماقت جوانی کے قریب تک ایک دوسرے پر انسان پر غلبہ

کرتے رہتے ہیں اور جب ۱۸ سال پورے ہو جاتے ہیں تو استقلال پیدا ہو جاتا ہے

اور راہ معین ہو جاتی ہے -

- ۲۲ - جب کسی بندہ پر نعمت کانزول ہو اور وہ اس نعمت سے متاثر ہو کر یہ سمجھے کہ یہ خدا کی عنایت و مہربانی ہے تو خداوند عالم کا شکر کرنے سے پہلے اس کا نام شاکرین میں لکھ لیتا ہے اور جب کوئی گناہ کرنے کے ساتھ یہ محسوس کرے کہ میں خدا کے ہاتھ میں ہوں، وہ جب اور جس طرح چاہے عذاب کر سکتا ہے تو خداوند عالم اسے استغفار سے قبل بخش دیتا ہے۔
- ۲۳ - شریف وہ ہے جو عالم ہے اور عقلمند وہ ہے جو متقی ہے۔ ۲۴ - جلدبازی کر کے کسی امر کو شہرت نہ دو، جب تک تکمیل نہ ہو جائے۔
- ۲۵ - اپنی خواہشات کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ دل تنگ ہو جائے۔ ۲۶ - اپنے ضعیفوں پر رحم کرو اور ان پر رحم کے ذریعہ سے اپنے لیے خدا سے رحم کی درخواست کرو۔
- ۲۷ - عام موت سے بری موت وہ ہے جو گناہ کے ذریعہ سے ہو اور عام زندگی سے خیر و برکت کے ساتھ والی زندگی بہتر ہے۔
- ۲۸ - جو خدا کے لیے اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچائے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اپنے لیے جنت میں گھر بنالیا۔
- ۲۹ - جو خدا پر اعتماد رکھے اور اس پر توکل اور بھروسہ کرے خدا سے ہر برائی سے بچاتا ہے اور اس کی ہر قسم کے دشمن سے حفاظت کرتا ہے۔
- ۳۰ - دین عزت ہے، علم خزانہ ہے اور خاموشی نور ہے۔ ۳۱ - زہد کی انتہا اور عفت و تقویٰ ہے۔ ۳۲ - دین کوتاہ کر دینے والی چیز بدعت ہے۔
- ۳۳ - انسان کو برباد کرنے والی چیز ”لالچ“ ہے۔ ۳۴ - حاکم کی صلاحیت

رعایا کی خوشحالی کا دار و مدار ہے۔ ۳۵۔ دعا کے ذریعہ سے ہر بلا ٹل جاتی ہے

۳۶۔ جو صبر و ضبط کے ساتھ میدان میں آجائے وہ کامیاب ہوگا۔ ۳۷۔
جو دنیا میں تقویٰ کا بیج بوئے گا آخرت میں دلی مرادوں کا پہل پائے
گا۔ (نور الابصار ص ۱۴۸ طبع مصر)۔

امام محمد تقی کی نظر بندی، قید اور شہادت

مدینہ رسول سے فرزند رسول کو طلب کرنے کی غرض چونکہ نیک نیتی پر مبنی نہ تھی، اس لیے عظیم شرف کے باوجود آپ حکومت وقت کی کسی رعایت کے قابل نہیں متصور ہوئے معتصم نے بغداد بلوا کر آپ کو قید کر دیا، علامہ اربلی لکھتے ہیں، کہ چون معتصم بخلافت بہ نشست آنحضرت را از مدینہ طیبہ بدار الخلافہ بغداد آورد و حبس نمود (کشف الغمہ ص ۱۲۱)۔ ایک سال تک آپ نے قید کی سختیاں صرف اس جرم میں برداشت کیں کہ آپ کمالات امامت کے حامل کیوں ہیں اور آپ کو خدانے یہ شرف کیوں عطا فرمایا ہے بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ پر اس قدر سختیاں تھیں اور اتنی کڑی نگرانی اور نظر بندی تھی کہ آپ اکثر اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتے تھے بہر حال وہ وقت آگیا کہ آپ صرف ۲۵ / سال ۳ ماہ ۱۲ / یوم کی عمر میں قید خانہ کے اندر آخری ذی قعدہ (بتاریخ ۲۹ / ذی قعدہ ۲۲۰ ہجری یوم سہ شنبہ) معتصم کے زہر سے شہید ہو گئے (کشف الغمہ ص ۱۲۱، صواعق محرقہ ص

۱۲۳ ، روضة الصفا جلد ۳ ص ۱۶ ، اعلام الوری ص ۲۰۵ ، ارشاد ص ۴۸۰ ، انوار النعمانیہ ص ۱۲۷ ، انوار الحسینیہ ص ۵۴) ۔

آپ کی شہادت کے متعلق ملامبین کہتے ہیں کہ معتصم عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا (وسيلة النجات ص ۲۹۷) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ کو امام رضا کی طرح زہر سے شہید کیا گیا (صواعق محرقة ص ۱۲۳) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ ”گویندہ زہر شہیدشہ“ کہتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے (روضۃ الشهداء ص ۴۳۸) ۔ ملا جامی کی کتاب میں ہے ”قیل مات مسموما“ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی ہے (شواہد النبوت ص ۲۰۴) ۔ علامہ نعمت اللہ جزائری لکھتے ہیں کہ ”مات مسموما قد سمم المعتصم“ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں اور یقیناً معتصم نے آپ کو زہر دیا ہے، انوار النعمانیہ ص ۱۹۵)

علامہ شبلی نجی لکھتے ہیں کہ انہ مات مسموما آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں ”یقال ان ام الفضل بنت المامون سقتہ ، بامر ابیہا“ کہا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی ام الفضل نے اپنے باپ مامون کے حکم کے مطابق (معتصم کی مدد سے) زہر دے کر شہید کیا (نور الابصار ص ۱۴۷ ، ارجح المطالب ص ۴۶۰) ۔

مطالب یہ ہوا کہ مامون رشید نے امام محمد تقی کے والد ماجد امام رضا کو اور اس کی بیٹی نے امام محمد تقی کو بقبول امام شبلی نجی شہید کر کے اپنے وطیرہ مستمرۃ اور اصول خاندانی کو فروغ بخشا ہے ، علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ ”دخلت امراتہ ام الفضل الی قصر المعتصم“ کہ امام محمد تقی کو شہید کر کے ان

کی بیوی ام الفضل معتصم کے پاس چلی گئی بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے شہادت کے وقت ام الفضل کے بدترین مستقبل کا ذکر فرمایا تھا جس کے نتیجہ میں اس کے ناسور ہو گیا تھا اور وہ آخر میں دیوانی ہو کر مری۔

مختصر یہ کہ شہادت کے بعد امام علی نقی علیہ السلام نے آپ کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی اور نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد آپ مقابر قریش اپنے جد نامدار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کئے گئے چونکہ آپ کے دادا کا لقب کاظم اور آپ کا لقب جو ادبھی تھا اس لیے اس شہرت کو آپ کی شرکت سے ”کاظمین“ اور وہاں کے اسٹیشن کو آپ کے دادا کی شرکت کی رعایت سے ”جو ادین“ کہا جاتا ہے۔ اس مقبرہ قریش میں جسے کاظمین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۳۵۶ ہجری میں مطابق ۹۹۸ء میں معز الدولہ اور ۴۵۲ ہجری مطابق ۱۰۴۴ء میں جلال الدولہ شاہان آل بویہ کے جنازے اعتقاد مندی سے دفن کئے گئے کاظمین میں جو شاندار روضہ بنا ہوا ہے اس پر بہت سے تعمیری دور گزرے لیکن اس کی تعمیر تکمیل شاہ اسماعیل صفوی نے ۹۶۶ ہجری مطابق ۱۵۲۰ء میں کرائی ۱۲۵۵ ہجری مطابق ۱۸۵۶ء میں محمد شاہ قاچار نے اسے جو اہرات سے مرصع کیا۔

آپ کی ازواج اور اولاد

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امام محمدتقی علیہ السلام کے چند بیویاں تھیں جن ام الفضل بنت مامون رشید عباسی اور سمانہ خاتون یاسری نمایاں حیثیت رکھتی تھیں جناب سمانہ خاتون جو کہ حضرت عمار یاسر کی نسل سے تھیں، کے علاوہ کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، آپ کو اولاد کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ دونرینہ اور دو غیر نرینہ تھیں، جن کے اسماء یہ ہیں ۱۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام، ۲۔ جناب موسیٰ مبرقع علیہ الرحمة، ۳۔ جناب فاطمہ، ۴۔ جناب امامہ، (ارشاد مفید ص ۴۹۳، صواعق محرقة ص ۱۲۳، روضة الشهداء ص ۴۳۸، نور الابصار ص ۱۴۷، انوار النعمانیہ ص ۱۲۷، کشف الغمہ ص ۱۱۶، اعلام الوری ص ۲۰۵ وغیرہ)۔

چودہ ستارے

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۵/ رجب المرجب ۲۱۴ ہجری یوم سہ شنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے (نور الابصار ص ۱۴۹، دمعہ ساکبہ ص ۱۲۰)۔
 شیخ مفید کا کہنا ہے کہ مدینہ کے قریب ایک قریہ ہے جس کا نام صریا ہے آپ وہاں پیدا ہوئے ہیں (ارشاد ص ۴۹۴)۔

اسم گرامی، کنیت، اور القاب

آپ کا اسم گرامی علی، آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد تقی نے رکھا، اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ سرور کائنات نے جو اپنے بارہ جانشین اپنی ظاہری حیات کے زمانہ میں معین فرمائے تھے، ان میں سے ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی آپ کے والد ماجد نے اسی معین اسم سے موسوم کر دیا علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ چہارہ معصومین کے اسماء لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں سرور کائنات نے اسی کے مطابق سب کے نام معین فرمائے ہیں اور ہر ایک کے والد نے اسی کی روشنی میں اپنے فرزند کو موسوم کیا ہے (اعلام الوری ص ۲۲۵) -

کتاب کشف الغطاء ص ۴ میں ہے کہ آنحضرت نے سب کے نام حضرت عائشہ کو لکھو ادئیے تھے آپ کی کنیت ابوالحسن تھی ... آپ کے القاب بہت کثیر ہیں جن میں نقی، ناصح، متوکل مرتضیٰ اور عسکری زیادہ مشہور ہیں (کشف الغمہ ص ۱۲۲، نور الابصار ۱۴۹، مطالب السؤل ص ۲۹۱)۔

آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت

آپ جب ۲۱۴ ہجری میں پیدا ہوئے تو اس وقت بادشاہ وقت مامون رشید عباسی تھا ۲۱۸ ہجری میں مامون رشید نے انتقال کیا اور معتصم خلیفہ ہوا (ابوالفداء) ۲۷۲ ہجری میں واثق بن معتصم خلیفہ بنایا گیا (ابوالفداء) ۲۳۲ ہجری میں واثق کا انتقال ہوا اور متوکل عباسی خلیفہ مقرر کیا گیا (ابوالفداء)۔

پھر ۲۴۷ ہجری میں منتصر بن متوکل اور ۲۴۸ ہجری میں مستعین اور ۲۵۲ ہجری میں زبیر ابن متوکل المکنی بہ متزبالہ علی الترتیب خلیفہ بنائے گئے (ابوالفداء، دمعه ساکبہ ۱۲۱) ۲۵۴ ہجری میں معتز کے زہر دینے سے امام علی نقی علیہ السلام شہید ہوئے (تذکرۃ المعصومین)۔

حضرت امام محمد تقی کا سفر بغداد اور حضرت امام علی نقی کی ولی عہدی

مامون رشید کے انتقال کے بعد معتصم باللہ خلیفہ ہوا تو اس نے بھی اپنے آبائی کردار کو سراہا اور خاندانی رویہ کا اتباع کیا اس کے دل میں بھی آل محمد کی طرف سے وہ جذبات ابھرے جو اس کے آباؤ اجداد کے دلوں میں ابھر چکے تھے، اس نے بھی چاہا کہ آل محمد کو کوئی فرد سطح ارض پر باقی نہ رہے، چنانچہ اس نے تخت نشین ہوتے ہی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد طلب کر کے نظر بند کر دیا امام محمد تقی علیہ السلام نے جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح قیامت تک کے حالات سے واقف تھے مدینہ سے چلتے وقت اپنے فرزند کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور وہ تمام تبرکات جو امام کے پاس ہوا کرتے ہیں آپ نے امام علی نقی علیہ السلام کے سپرد کر دیئے مدینہ منورہ سے رونہ ہو کر آپ ۹ / محرم الحرام ۲۲۰ ہجری کو وارد بغداد ہوئے بغداد میں آپ کو ایک سال بھی نہ گزرتا تھا کہ معتصم عباسی نے آپ کو بتاریخ ۲۰ / ذی قعدہ زہر سے شہید کر دیا (نور الابصار ص ۱۴۷)۔

اصول کافی میں ہے کہ جب امام محمد تقی علیہ السلام کو پہلی بار مدینہ سے

بغداد طلب کیا گیا تو راوی خبر اسماعیل بن مہران نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی مولا، آپ کو بلانے والے دشمن آل محمد ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بے امام ہو جائیں آپ نے فرمایا کہ ہم کو علم ہے تم گھبراؤ نہیں اس سفر میں ایسا نہ ہوگا اسماعیل کا بیان ہے کہ جب دوبارہ آپ کو معتصم نے بلا یا تو پھر میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ مولا یہ سفر کیسا رہے گا اس سوال کا جواب آپ نے آنسوؤں کے تار سے دیا اور باچشم نم کہا کہ اے اسماعیل میرے بعد علی نقی کو اپنا امام جاننا اور صبر و ضبط سے کام لینا۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا علم لدنی

بچپن کا واقعہ

یہ ہمارے مسلمات سے ہے کہ ہمارے آئمہ کو علم لدنی ہوتا ہے یہ خدا کی بارگاہ سے علم و حکمت لے کر کامل اور مکمل دنیا میں تشریف لاتے رہے ہیں انہیں کسی سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اور انہوں نے کسی دنیا والے کے سامنے زانوئے ادب نہ نہیں فرمایا ”ذاتی علم و حکمت کے علاوہ مزید شرف کمال کی تحصیل اپنے آباؤ اجداد سے کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ انتہائی کمسنی میں بھی یہ دنیا کے بڑے بڑے عالموں کو علمی شکست دینے میں ہمیشہ کامیاب رہے اور جب کسی نے اپنے کوان کی کسی فرد سے مافوق سمجھا تو وہ ذلیل ہو کر رہ گیا، یا پھر سرتسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا۔

علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے بعد امام علی نقی علیہ السلام جن کی اس وقت عمر ۷ - ۶ سال کی تھی مدینہ میں مرجع خلائق بن گئے تھے، یہ دیکھ کر وہ لوگ جو آل محمد سے دلی دشمنی رکھتے تھے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کسی طرح ان کی مرکزیت کو ختم کیا جائے اور کوئی ایسا معلم ان کے ساتھ لگا دیا جائے جو انہیں تعلیم بھی دے اور ان کی اپنے اصول پر تربیت کرنے کے ساتھ ان کے پاس لوگوں کے پہنچنے کا سدباب کرے، یہ لوگ اسی خیال میں تھے کہ عمر بن فرج رجی فراغت حج کے بعد مدینہ پہنچا لوگوں نے اس سے عرض مدعا کی بالآخر حکومت کے دباؤ سے ایسا انتظام ہو گیا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو تعلیم دینے کے لیے عراق کا سب سے بڑا عالم، ادیب عبید اللہ جنیدی معقول مشاہرہ پر لگایا گیا یہ جنیدی آل محمد کی دشمنی میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ الغرض جنیدی کے پاس حکومت نے امام علی نقی علیہ السلام کو رکھ دیا اور جنیدی کو خاص طور پر اس امر کی ہدایت کردی کہ ان کے پاس روافض نہ پہنچنے پائیں جنیدی نے آپ کو قصر صربا میں اپنے پاس رکھا ہوتا یہ تھا کہ جب رات ہوتی تھی تو دروازہ بند کر دیا جاتا تھا اور دن میں بھی شیعوں کے ملنے کی اجازت نہ تھی اس طرح آپ کے ماننے والوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ کا فیض جاری بند ہو گیا لوگ آپ کی زیارت اور آپ سے استفادہ سے محروم ہو گئے ۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن جنیدی سے کہا غلام ہاشمی کا کیا حال ہے

اس نے نہایت بری صورت بنا کر کہا انہیں غلام ہاشمی نہ کہو، وہ رئیس ہاشمی ہیں، خدا کی قسم وہ اس کمسنی میں مجھ سے کہیں زیادہ علم رکھتے ہیں سنو میں اپنی پوری کوشش کے بعد جب ادب کاکوئی باب ان کے سامنے پیش کرتا ہوں تو وہ اس کے متعلق ایسے ابواب کھول دیتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں ”یظن الناس اتی اعلمہ وانا والله اتعلم مہ“ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں انہیں تعلیم دے رہا ہوں لیکن خدا کی قسم میں ان سے تعلیم حاصل کر رہا ہوں میرے بس میں یہ نہیں کہ میں انہیں پڑھا سکوں ”ہذا والله خیر اہل الارض و افضل من بقاء الله“ خدا کی قسم وہ حافظ قرآن ہی نہیں وہ اس کی تاویل و تنزیل کو بھی جانتے ہیں اور مختصر یہ ہے کہ وہ زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر اور کائنات میں سب سے افضل ہیں (اثبات الوصیت ودمعہ ساکبہ ص ۱۲۱)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے کرامات اور آپ کا علم باطن

امام علی نقی علیہ السلام تقریباً ۲۹ / سال مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اپنے اس مدت عمر میں کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا تقریباً ہر ایک نے آپ کی طرف رخ کرنے سے احتراز کیا یہی وجہ ہے کہ آپ امور امامت کو انجام دینے میں کامیاب رہے یعنی تبلیغ دین اور تحفظ بنائے مذہب اور رہبری ہوا خواہاں میں فائز المرام رہے آپ چونکہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح علم باطن اور علم غیب بھی رکھتے تھے اسی لیے آپ اپنے ماننے والوں کو ہونے والے واقعات سے

باخبر فرمادیا کرتے تھے اور سعی فرماتے تھے کہ حتی الوسع مقدمات کے علاوہ کوئی گزند نہ پہنچنے پائے اس سلسلہ میں آپ کے کرامات بے شمار ہیں جن میں سے ہم اس مقام پر کتاب کشف الغمہ سے چند کرامات تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ محمد بن فرج رجی کا بیان ہے کہ حضرت امام علی نقی نے مجھے تحریر فرمایا کہ تم اپنے تمام امور و معاملات کو راست اور نظام خانہ کو درست کر لو اور اپنے اسلحوں کو سنبھال لو، میں نے ان کے حکم کے بموجب تمام درست کر لیا لیکن یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ حکم آپ نے کیوں دیا ہے لیکن چند دنوں کے بعد مصر کی پولیس میرے یہاں آئی اور مجھے گرفتار کر کے لے گئی اور میرے پاس جو کچھ تھا سب لے لیا اور مجھے قیدخانہ میں بند کر دیا میں آٹھ سال اس قیدخانہ میں پڑا رہا، ایک دن امام علیہ السلام کا خط پہنچا، جس میں مرقوم تھا کہ اے محمد بن فرج تم اس ناحیہ کی طرف نہ جانا جو مغرب کی طرف واقع ہے خط پاتے ہی میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی میں سوچتا رہا کہ میں تو قیدخانہ میں ہوں میرا تو ادھر جانا ممکن ہی نہیں پھر امام نے کیوں یہ کچھ تحریر فرمایا آپ کے خط آنے کو ابھی دو چار یوم ہی گزرے تھے کہ میری رہائی کا حکم آگیا اور میں ان کے حسب الحکم مقام ممنوع کی طرف نہیں گیا قیدخانہ سے رہائی کے بعد میں نے امام علیہ السلام کو لکھا کہ حضور میں قید سے چھوٹ کر گھرا گیا ہوں، اب آپ خدا سے دعاء فرمائیں کہ میرا مال مغصوبہ واپس کرادے آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ عنقریب تمہارا سامان واپس مل جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۲ - ایک دن امام علی نقی علیہ السلام اور علی بن حصیب نامی شخص دونوں ساتھ ہی راستہ چل رہے تھے علی بن حصیب آپ سے چندگام آگے بڑھ کر لوے آپ بھی قدم بڑھا کر جلد آجائے حضرت نے فرمایا کہ اے ابن حصیب ”تمہیں پہلے جانابے“ تم جاؤ اس واقعہ کے چار یوم بعد ابن حصیب فوت ہو گئے۔

۳ - ایک شخص محمد بن فضل بغدادی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو لکھا کہ میرے پاس ایک دکان ہے میں اسے بیچنا چاہتا ہوں آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا جواب نہ ملنے پر مجھے افسوس ہوا لیکن جب میں بغداد واپس پہنچا تو وہ آگ لگ جانے کی وجہ سے جل چکی تھی۔

۴ - ایک شخص ابو ایوب نامی نے امام علیہ السلام کو لکھا کہ میری زوجہ حاملہ ہے، آپ دعا فرمائیے کہ لڑکا پیدا ہو، آپ نے فرمایا انشاء اللہ اس کے لڑکا ہی پیدا ہوگا اور جب پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا چنانچہ لڑکا ہی پیدا ہوا، اور اس کا نام محمد رکھا گیا۔

۵ - یحییٰ بن زکریا کا بیان ہے کہ میں نے امام علی نقی علیہ السلام کو لکھا کہ میری بیوی حاملہ ہے آپ دعا فرمائیں کہ لڑکا پیدا ہو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا، کہ بعض لڑکیاں لڑکوں سے بہتر ہوتی ہیں، چنانچہ لڑکی پیدا ہوئی۔

عہد و ائق کا ایک واقعہ

۶ - ابوہاشم کابیان ہے کہ میں ۲۲۷ ہجری میں ایک دن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی نے آکر کہا کہ ترکوں کی فوج گذر رہی ہے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوہاشم چلو ان سے ملاقات کریں مینحضرت کے ہمراہ ہو کر لشکریوں تک پہنچا حضرت نے ایک غلام ترکی سے اس کی زبان میں گفتگو شروع فرمائی اور دیر تک باتیں کرتے رہے اس ترکی سپاہی نے آپ کے قدموں کا بوسہ دیا میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کونسی چیز ہے جس نے تجھے امام کا گرویدہ بنا دیا ہے اس نے کہا امام نے مجھے اس نام سے پکارا جس کا جاننے والا میرے باپ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

تہتر زبانوں کی تعلیم

۷ - ابوہاشم کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے ہندی زبان میں گفتگو کی جس کامیں جواب نہ دے سکا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ابھی ابھی تمام زبانوں کا جاننے والا بتائے دیتا ہوں یہ کہہ کر آپ نے ایک سنگریزہ اٹھایا اور اسے اپنے منہ میں رکھ لیا اس کے بعد اس سنگریزہ کو مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے چوسو، میں نے منہ میں رکھ کر اسے اچھی طرح چوسا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں تہتر زبانوں کا عالم بن گیا جن میں ہندی بھی شامل تھی اس کے بعد سے پھر مجھے کسی زبان کے سمجھنے اور بولنے میں دقت نہ ہوئی ص ۱۲۲ تا ۱۲۵

امام علی نقی کے ہاتھوں میں ریت کی قلب ماہیت

۸۔ آئمہ طاہرین کے اولوالامر ہونے پر قرآن مجید کی نص صریح موجود ہے ان کے ہاتھوں اور زبان میں خداوند جوارادہ کریں اس کی تکمیل ہو جائے جو حکم دیں اس کی تعمیل ہو جائے ابوہاشم کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں اپنی تنگ دستی کی شکایت کی آپ نے فرمایا بڑی معمولی بات ہے تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی اس کے بعد آپ نے رمل یعنی ریت کی ایک مٹھی زمین سے اٹھا کر میرے دامن میں ڈال دی اور فرمایا اسے غور سے دیکھو اور اسے فروخت کر کے کام نکالو ابوہاشم کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب میں نے اسے دیکھا تو وہ بہترین سونا تھا، میں نے اسے بازار لے جا کر فروخت کر دیا (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۹)۔

امام علی نقی اور اسم اعظم

۹۔ حضرت ثقہ الاسلام علامہ کلینی اصول کافی میں لکھتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا اسم اللہ الاعظم ۷۳/ حروف میں ان میں سے صرف ایک حرف آصف برخیا وصی سلیمان کو دیا گیا تھا جس کے ذریعہ سے انہوں نے چشم ردن میں ملک سب سے تخت بلقیس منگوا لیا تھا اور اس منگوانے میں ہوا یہ تھا کہ زمین سمٹ کر تخت کو قریب لے آئی تھی، اے نوفلی (راوی) خداوند عالم نے ہمیں اسم اعظم کے بہتر حروف دئیے ہیں اور اپنے لیے صرف ایک حرف محفوظ رکھا ہے جو علم غیب سے متعلق ہے مسعودی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد امام نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنی قدرت اور اپنے اذن و علم

سے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں جو حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں مطلب یہ ہے کہ امام جو چاہیں کر سکتے ہیں ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی (اصول کافی، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۸ ، دمعہ ساکبہ ص ۱۲۶)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور صحیفہ کاملہ کی ایک دعا

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے ایک صحابی سبع بن حمزہ قمی نے آپ کو تحریر کیا کہ مولا مجھے خلیفہ معتصم کے وزیر سے بہت دکھ پہنچ رہا ہے مجھے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ میری جان نہ لے لے حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں اور دعائے ”صحیفہ کاملہ“ یا من تحل بہ عقدا لمارہ الخ پڑھو مصیبت سے نجات پاؤ گے۔

یسع بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں نے امام کے حسب الحکم نماز صبح کے بعد اس دعا کی تلاوت کی جس کا پہلے ہی دن یہ نتیجہ نکلا کہ وزیر خود میرے پاس آیا مجھے اپنے ہمراہ لے گیا اور لباس فاخرہ پہنا کر مجھے بادشاہ کے پہلو میں بٹھادیا۔

حکومت کی طرف سے امام علی نقی کی مدینہ سے سامرہ میں طلبی اور راستہ کا ایک اہم واقعہ

متوکل ۲۳۲ ہجری میں خلیفہ ہوا اور اس نے ۲۳۶ ہجری میں امام حسین علیہ السلام کی قبر کے ساتھ پہلی بار بے ادبی کی، لیکن اس میں پوری کامیابی نہ حاصل ہونے پر اپنے فطری بغض کی وجہ سے جو آل محمد کے ساتھ تھا وہ

حضرت علی نقی علیہ السلام کے طرف متوجہ ہوا متوکل ۲۴۳ ہجری میں امام علی نقی کوستانے کی طرف متوجہ ہوا، اور اس نے حاکم مدینہ عبداللہ بن محمد کوخفیہ حکم دے کر بھیجا کہ فرزند رسول امام علی نقی کوستانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے چنانچہ اس نے حکومت کے منشاء کے مطابق پوری توجہ اور پورے انہماک کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا خود جس قدر ستاسکا اس نے ستایا اور آپ کے خلاف ریکارڈ کے لیے متوکل کو شکایات بھیجی شروع کیں۔

علامہ شبانجی لکھتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ حاکم مدینہ نے آپ کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دی ہیں اور اس سلسلہ میں اس نے متوکل کو آپ کی شکایات بھیجی شروع کر دی ہیں تو آپ نے بھی ایک تفصیلی خط لکھا جس میں حاکم مدینہ کی بے اعتدالی اور ظلم آفرینی کا خاص طور سے ذکر کیا متوکل نے آپ کا خط پڑھ کر آپ کو اس کے جواب میں لکھا کہ آپ ہمارے پاس چلے آئیے اس میں حاکم مدینہ کے عمل کی معذرت بھی تھی، یعنی جو کچھ وہ کر رہا ہے اچھا نہیں کرتا ہم اس کی طرف سے معذرت خواہ ہیں مطلب یہ تھا کہ اسی بہانہ سے انہیں سامرہ بلالے خط میں اس نے اتنا نرم لہجہ اختیار کیا تھا جو ایک بادشاہ کی طرف سے نہیں ہوا کرتا یہ سب حیلہ سازی تھی اور غرض محض یہ تھی کہ آپ مدینہ چھوڑ کر سامرہ پہنچ جائیں (نور الابصار ص ۱۴۹)۔

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ متوکل نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں آپ کی

خاطر سے عبداللہ ابن محمد کو معزول کر کے اس کی جگہ پر محمد بن فضل کو مقرر کر رہا ہوں (جلاء العیون ص ۲۹۲) -

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ متوکل نے صرف یہ نہیں کیا کہ علی نقی علیہ السلام کو خط لکھا ہو کہ آپ سامرہ چلے آئیے بلکہ اس نے تین سو کا لشکر یحییٰ بن برثمہ کی قیادت میں مدینہ بھیج کر انہیں بلانا چاہا، یحییٰ بن برثمہ کا بیان ہے کہ میں حکم متوکل پاکر امام علیہ السلام کو لانے کے لیے بہ ارادہ مدینہ منورہ روانہ ہو گیا میرے ہمراہ تین سو کا لشکر تھا اور اس میں ایک کاتب بھی تھا جو امامیہ مذہب رکھتا تھا ہم لوگ اپنے راستہ پر جا رہے تھے اور اس سعی میں تھے کہ کسی طرح جلد سے جلد مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام کو ملے آئیں اور متوکل کے سامنے پیش کریں ہمارے ہمراہ جو ایک شیعہ کاتب تھا اس سے ایک لشکر کے افسر سے راستہ بھر مذہبی مناظرہ ہوتا رہا۔

یہاں تک کہ ہم لوگ ایک عظیم الشان وادی میں پہنچے جس کے اردگرد میلوں کوئی آبادی نہ تھی اور وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے انسان کا مشکل سے گزر ہوتا تھا بالکل جنگل اور بے آب و گیاه صحراتھا جب ہمارے لشکر وہاں پہنچا تو اس افسر نے جس کا نام ”شادی“ تھا، اور جو کاتب سے مناظرہ کرتا چلا رہا تھا کہنے لگا اے کاتب تمہارے امام حضرت علی کا یہ قول ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی وادی نہ ہوگی جس میں قبر نہ ہو یا عنقریب قبر نہ بن جائے کاتب نے کہا ہے شک ہمارے امام علیہ السلام غالب کل غالب کا یہی ارشاد ہے اس نے کہا بتاؤ اس زمین پر کس کی قبر ہے یا کس کی قبر بن سکتی ہے تمہارے

امام یونہی کہہ دیا کرتے ہیں ابن ہرثمہ کا کہنا ہے کہ میں چونکہ حشوی خیال کاتھا لہذا جب یہ باتیں ہم نے سنیں تو ہم سب ہنس پڑے اور کاتب شرمندہ ہو گیا غرض کہ لشکر بڑھتا رہا اور اسی دن مدینہ پہنچ گیا واردمدینہ ہونے کے بعد میں نے متوکل کا خط امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا امام علیہ السلام نے اسے ملاحظہ فرما کر لشکر پر نظر ڈالی اور سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے آپ نے فرمایا اے ابن ہرثمہ چلنے کو تیار ہوں لیکن ایک دوروز کی مہلت ضروری ہے میں نے عرض کی حضور ”خوشی سے“ جب حکم فرمائیں میں حاضر ہو جاؤں اور روانگی ہو جائے ۔

ابن ہرثمہ کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام نے میرے سامنے ملازمین سے کہا کہ درزی بلا دو اور اس سے کہو کہ مجھے سامرہ جانا ہے لہذا راستے کے لیے گرم کپڑے اور گرم ٹوپیاں جلد سے جلد تیار کر دے میں وہاں سے رخصت ہو کر اپنے قیام گاہ پر پہنچا اور راستے بھر یہ سوچتا رہا کہ امامیہ کیسے بیوقوف ہیں کہ ایک شخص کو امام مانتے ہیں جسے (معاذ اللہ) یہ تک تمیز نہیں ہے کہ یہ گرمی کا زمانہ ہے یا جاڑے کا، اتنی شدید گرمی میں جاڑے کے کپڑے سلوار ہے ہیں اور اسے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں الغرض میں دوسرے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ جاڑے کے بہت سے کپڑے سلے ہوئے رکھے ہیں اور آپ سامان سفر درست فرما رہے ہیں اور اپنے ملازمین سے کہتے جاتے ہیں دیکھو کلاہ بارانی اور برساتی وغیرہ رہنے نہ پائے سب ساتھ میں باندھ دو، اس کے بعد مجھے کہا اے یحییٰ بن ہرثمہ جاؤ تم بھی اپنا سامان درست کرو تاکہ

مناسب وقت میں روانگی ہو جائے میں وہاں سے نہایت بددل واپس آیا دل میں سوچتا تھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اس شدید گرمی کے زمانہ میں سردی اور برسات کا سامان ہمراہ لے رہے ہیں اور مجھے بھی حکم دیتے ہیں کہ تم بھی اس قسم کے سامان ہمراہ لے لو۔ مختصر یہ کہ سامان سفر درست ہو گیا اور روانگی ہو گئی میرا لشکر امام علیہ السلام کو گھیرے میں لیے ہوئے جا رہا تھا کہ ناگاہ اسی وادی میں جا پہنچے، جس کے متعلق کاتب امامیہ اور افسر شادی میں یہ گفتگو ہوئی تھی کہ یہاں پر کس کی قبر ہے یا ہوگی اس وادی میں پہنچتا تھا کہ قیامت آگئی، بادل گرجنے لگے، بجلی چمکنے لگی اور دوپہر کے وقت اس قدر تاریکی چھائی کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتا تھا، یہاں تک کہ بارش ہوئی اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ عمر بھر نہ دیکھی تھی امام علیہ السلام نے آثار پیدا ہوتے ہی ملازمین کو حکم دیا کہ برساتی اور بارانی ٹوپیاں پہن لو اور ایک برساتی یحییٰ بن ہرثمہ اور ایک کاتب کو دیدو غرض کہ خوب بارش ہوئی اور ہوا اتنی ٹھنڈی چلی کہ جان کے لالے پڑ گئے جب بارش تھمی اور بادل چھٹے تو میں نے دیکھا کہ ۸۰ / افراد میری فوج کے ہلاک ہو گئے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ بن ہرثمہ اپنے مردوں کو دفن کر دو اور یہ جان لو کہ ”خدائے تعالیٰ ہم چنیں پرمی گرواند بقاع راز قبور“ اس طرح خداوند عالم نے ہر بقعہ ارض کو قبروں سے پر کرتا ہے اسی لیے میرے جد نامدار حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہ ہوگا

جس میں قبر نہ بنی ہو

”یہ سن کر میں اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور امام علیہ السلام کے قریب جا کر پابوس ہوا، اور ان کی خدمت میں عرض کی مولا میں آج آپ کے سامنے مسلمان ہوتا ہوں، یہ کہہ کر میں نے اس طرح کلمہ پڑھا ”اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبده ورسوله وانکم خلفاء اللہ فی ارضہ“ اور یقین کر لیا کہ یہی حضرت خدا کی زمین پر خلیفہ ہیں اور دل میں سوچنے لگا کہ اگر امام علیہ السلام نے جاڑے اور برسات کا سامان نہ لیا ہوتا اور اگر مجھے نہ دیا ہوتا تو میرا کیا حشر ہوتا پھر وہاں سے روانہ ہو کر ”عسکر“ پہنچا اور آپ کی امامت کا قائل رہ کر زندہ رہا اور تاحیات آپ کے جد نامدار کا کلمہ پڑھتا رہا (کشف الغمہ ص ۱۲۴)

علامہ جامی اور علامہ شبلی نجی لکھتے ہیں کہ دو سو سے زائد افراد آپ کے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے سامرہ پہنچے وہاں آپ کے قیام کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا اور حکم تھا متوکل کا کہ انہیں فقیروں کے ٹہرانے کی جگہ اتار جائے چنانچہ آپ کو خان الصعالیق میں اتار گیا وہ جگہ بدترین تھی وہاں شرفاء نہیں جایا کرتے تھے ایک دن صالح بن سعید نامی ایک شخص جو آپ کے ماننے والے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے مولا یہ لوگ آپ کی قدر و منزلت پر پردہ ڈالنے اور نور خدا کو چھپانے کی کس قدر کوشش کرتے ہیں کجا حضور کی ذات اقدس اور کجا یہ قیام گاہ حضرت نے فرمایا اے صالح تم دل تنگ نہ ہو۔ میں اس کی عزت افزائی کا خواہاں اور ان کی کرم گستری کا جویاں

نہیں ہوں خداوند عالم نے آل محمد کو جو درجہ دیا ہے اور جو مقام عطا فرمایا ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا اے صالح بن سعید میں تمہیں خوش کرنے کے لیے بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھے اس مقام پر دیکھ کر پریشان نہ ہو خداوند عالم نے یہاں بھی میرے لیے بہشت جیسا بندوبست فرمایا ہے یہ کہہ کر آپ نے انگلی سے اشارہ کیا اور صالح کی نظر میں بہترین باغ بہترین قصور اور بہترین نہریں وغیرہ نظر آنے لگیں صالح کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر مجھے قدرے تسلی ہو گئی (شواہد النبوت ص ۲۰۸ ، نور الابصار ص ۱۵۰)۔

امام علی نقی علیہ السلام کی نظر بندی

امام علی نقی علیہ السلام کو دھوکہ سے بلانے کے بعد پہلے تو خان الصعاليك میں پھر اس کے بعد ایک دوسرے مقام میں آپ کو نظر بند کر دیا اور تاحیات اسی میں قید رکھا امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ متوکل آپ کے ساتھ ظاہر داری ضرور کرتا تھا، لیکن آپ کا سخت دشمن تھا اس نے حیلہ سازی اور دھوکہ بازی سے آپ کو بلایا اور در پردہ ستانے اور تباہ کرنے اور مصیبتوں میں مبتلا کرنے کے درپے رہا (نور الابصار ص ۱۵۰)۔

علامہ ابن حرمکی لکھتے ہیں کہ متوکل نے آپ کو جبرا بلا کر سامرہ میں نظر بند کر دیا اور تازندگی باہر نہ نکلنے دیا (صواعق محرقة ص ۱۲۴)۔

امام علی نقی علیہ السلام کا جذبہ ہمدردی

مدینہ سے سامرہ پہنچنے کے بعد بھی آپ کے پاس لوگوں کی آمدکاتانتا

بندھا رہا لوگ آپ سے فائدے اٹھاتے اور دینی اور دنیاوی امور میں آپ سے مدد چاہتے رہے اور آپ حل مشکل میں ان کے کام آتے رہے علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ سامرہ پہنچنے کے بعد جب آپ کی نظر بندی میں سختی اور شدت نہ تھی ایک دن آپ سامرہ کے ایک قریہ میں تشریف لے گئے آپ کے جانے کے بعد ایک سائل آپ کے مکان پر آیا، اسے یہ معلوم ہوا کہ آپ فلاں گاؤں میں تشریف لے گئے ہیں، وہ وہاں چلا گیا اور جا کر آپ سے ملا، آپ نے پوچھا کہ تم کیسے آئے ہو تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے عرض کی مولا میں غریب آدمی ہوں، مجھ پر دس ہزار درہم قرض ہو گیا ہے اور اس کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہیں، مولا خدا کے لیے مجھے اس بلا سے نجات دلائیے حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ تمہارا قرضہ کی ادائیگی کا بندوبست ہو جائے گا وہ سائل رات کو آپ کے ہمراہ مقیم رہا صبح کے وقت آپ نے اس سے کہا کہ مینتمہیں جو کہوں اس کی تعمیل کرنا اور دیکھو اس امر میں ذرا بھی مخالفت نہ کرنا اس نے تعمیل ارشاد کا وعدہ کیا آپ نے اسے ایک خط لکھ کر دیا جس میں یہ مرقوم تھا کہ ”میں دس ہزار درہم اس کے ادا کر دوں گا“ اور فرمایا کہ کل میں سامرہ پہنچ جاؤں گا جس وقت میں وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوں تو تم مجھ سے روپے کا تقاضا کرنا اس نے عرض کی حضور یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں لوگوں میں آپ کی توہین کروں حضرت نے فرمایا کوئی حرج نہیں، میں تم سے جو کہوں وہ کرو غرض کہ سائل چلا گیا اور جب آپ سامرہ واپس ہوئے

اور لوگوں کو آپ کی واپسی کی اطلاع ملی تو اعیان شہر آپ سے ملنے آئے جس وقت آپ لوگوں سے محوملاقات تھے سائل مذکور بھی پہنچ گیا سائل نے ہدایت کے مطابق آپ سے رقم کاتقاضہ کیا آپ نے بہت نرمی سے اسے ٹالنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ ٹلا اور بدستور رقم مانگتا رہا بالآخر حضرت نے اس سے تین میں ادائیگی کا وعدہ فرمایا اور وہ چلا گیا یہ خبر جب بادشاہ وقت کو پہنچی تو اس نے مبلغ تیس ہزار درہم آپ کی خدمت میں بھیج دیئے، تیسرے دن جب سائل آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تیس ہزار درہم لے لے اور اپنی راہ لگ اس نے عرض کی مولا میرا قرضہ تو صرف دس ہزار ہے آپ تیس ہزار دے رہے ہیں آپ نے فرمایا جو قرضہ کی ادائیگی سے بچے اسے اپنے بچوں پر صرف کرنا وہ بہت خوش ہوا اور یہ پڑھتا ہوا ”اللہ يعلم حیث یجعل رسالتہ“ خدایٰ خوب جانتا ہے کہ رسالت و امامت کاکون اہل ہے) اپنے گھر چلا گیا (نور الابصار ص ۱۴۹ ، صواعق محرکہ، ۱۲۳ ، شواہد النبوت ص ۲۰۷ ، ارجح المطالب ص ۴۶۱)۔

امام علی نقی کی حالت سامرہ پہنچنے کے بعد

متوکل کی نیت خراب تھی ہی امام علیہ السلام کے سامرہ پہنچنے کے بعد اس نے اپنی نیت کا مظاہر عمل سے شروع کیا اور آپ کے ساتھ نامناسب طریقہ سے دل کا بخار نکالنے کی طرف متوجہ ہوا لیکن اللہ جس کی لاٹھی میں آواز نہیں اس نے اسے کیفر کردار تک پہنچادیا مگر اس کی زندگی میں بھی

ایسے آثار اور اثرات ظاہر کئے جس سے وہ یہ بھی جان لے کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا خداوند اسے پسند نہیں کرتا مورخ اعظم لکھتے ہیں کہ متوکل کے زمانے میں بڑی آفتیں نازل ہوئیں بہت سے علاقوں میں زلزلے آئے زمینیں دھنس گئیں آگیں لگیں، آسمان سے ہولناک آوازیں سنائی دیں، بادِ سموم سے بہت سے جانور اور آدمی ہلاک ہوئے ، آسمان سے مثل ٹڈی کے کثرت سے ستارے ٹوٹے دس دس رطل کے پتھر آسمان سے برسے، رمضان ۲۴۳ ہجری میں حلب میں ایک پرندہ کوے سے بڑا آکر بیٹھا اور یہ شور مچایا ”یا ایہا الناس اتقوا اللہ اللہ اللہ“ چالیس دفعہ یہ آواز لگا کر اڑ گیا دودن ایسا ہی ہوا (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۶۵)۔

حضرت امام علی نقی اور سواری کی برق رفتاری

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مدینہ سے سامرہ تشریف لے جانے کے بعد ایک دن ابوہاشم نے کہا مولامیرا دل نہیں مانتا کہ میں ایک دن بھی آپ کی زیارت سے محروم رہوں ، بلکہ جی چاہتا ہے کہ ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں حضرت نے پوچھا اس کے لیے تمہیں کونسی رکاوٹ ہے انہوں نے عرض کی میرا قیام بغداد ہے اور میری سواری کمزور ہے حضرت نے فرمایا ”جاو“ اب تمہاری سواری کا جانور طاقتور ہو جائے گا اور اس کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی ابوہاشم کا بیان ہے کہ حضرت کے اس ارشاد کے بعد سے ایسا ہو گیا کہ میں روزانہ نماز صبح بغداد میں

نماز پھر سامرہ عسکر میں اور نماز مغرب بغداد میں پڑھنے لگا (اعلام الوری ص ۲۰۸)۔

دوماہ قبل عزل قاضی کی خبر

علامہ جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سے آپ کے ایک ماننے والے نے اپنی تکلیف بیان کرتے ہوئے بغداد کے قاضی شہر کی شکایت کی اور کہا کہ مولا وہ بڑا ظالم ہے ہم لوگوں کو بے حد ستاتا ہے آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں دوماہ بعد بغداد میں نہ رہے گا راوی کا بیان ہے کہ جونہی دوماہ پورے ہوئے قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر اپنے گھر بیٹھ گیا (شواہد النبوت)۔

آپ کا احترام جانوروں کی نظر میں

علامہ موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ متوکل کے مکان میں بہت سی بطخیں پلی ہوئی تھیں جب کوئی وہاں جاتا تو وہ اتنا شور مچا کرتی تھیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی لیکن جب امام علیہ السلام تشریف لے جاتے تھے تو وہ سب خاموش ہو جاتی تھیں اور جب تک آپ وہاں تشریف رکھتے تھے وہ چپ رہتی تھیں (شواہد النبوت)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور خواب کی عملی تعبیر

احمد بن عیسیٰ الکاتب کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں اور میں ان کی

خدمت میں حاضر ہوں، حضرت نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور اپنے دست مبارک سے ایک مٹھی خرمہ اس طشت سے عطا فرمایا جو آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا میں نے انہیں گنا تو وہ پچس تھے اس خواب کو ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام سامرہ سے تشریف لائے ہیں میں ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک طشت رکھا ہے جس میں خرمے ہیں میں نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو سلام کیا حضرت نے جواب سلام دینے کے بعد ایک مٹھی خرمہ مجھے عطا فرمایا ، میں نے ان خرموں کو شمار کیا تو وہ پچیس تھے میں نے عرض کی مولا کیا کچھ خرمہ اور مل سکتا ہے جواب میں فرمایا! اگر خواب میں تمہیں رسول خدانے اس سے زیادہ دیا ہوتا تو میں بھی اضافہ کر دیتا (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۲۴) -

اسی قسم کا واقعہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام علی رضاعیہ السلام کے لیے بھی گزرا ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور فقہائے مسلمین

یہ تومانی ہوئی بات ہے کہ آل محمودہ ہیں جن کے گھر میں قرآن مجید نازل ہوا ان سے بہتر نہ قرآن کا سمجھنے والا ہے، نہ اس کی تفسیر جاننے والا، علماء کابیان ہے کہ جب متوکل کو زبردیا گیا تو اس نے یہ نذرمانی کہ ”اگر میں اچھا ہو گیا تو راہ خدام میں مال کثیر دوں گا“ پھر صحت پانے کے بعد اس نے اپنے

علماء اسلام کو جمع کیا اور ان سے واقعہ بیان کر کے مال کثیر کی تفصیل معلوم کرنا چاہی اس کے جواب میں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ بیان دیا ایک فقیہ نے کہا مال کثیر سے ایک ہزار درہم دوسرے فقیہ نے کہا دس ہزار درہم، تیسرے نے کہا ایک لاکھ درہم مراد لینا چاہئے متوکل ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دربان سامنے آیا جس کا نام ”حسن“ تھا عرض کرنے لگا کہ حضور اگر مجھے حکم ہو تو میں اس کا صحیح جواب لادوں متوکل نے کہا بہتر ہے جواب لاؤ اگر تم صحیح جواب لائے تو دس ہزار درہم تم کو انعام دوں گا اور اگر تسلی بخش جواب نہ لاسکے تو سو کوڑے ماروں گا اس نے کہا مجھے منظور ہے اس کے بعد دربان حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں گیا امام علیہ السلام جو نظر بندی کی زندگی بسر کر رہے تھے دربان کو دیکھ کر بولے اچھا مال کثیر کی تفصیل پوچھنے آیا ہے جا اور متوکل سے کہہ دے مال کثیر سے اسی درہم مراد ہے دربان نے متوکل سے یہی کہہ دیا متوکل نے کہا جا کر دلیل معلوم کر، وہ واپس آیا حضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید میں آنحضرت علیہ السلام کے لیے آیا ہے ہ ”لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرة“ اے رسول اللہ نے تمہاری مدد مواطن کثیرہ یعنی بہت سے مقامات پر کی ہے جب ہم نے ان مقامات کا شمار کیا جن میں خدانے آپ کی مدد فرمائی ہے تو وہ حساب سے اسی ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ لفظ کثیر کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے یہ سن کر متوکل خوش ہو گیا اور اس نے اسی درہم صدقہ نکال کر دس ہزار درہم دربان کو انعام دیا (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۶) -

اسی قسم کا ایک واقعہ یہ ہے کہ متوکل کے دربار میں ایک نصرانی پیش کیا گیا جو مسلمان عورت سے زنا کرتا ہوا پکڑا گیا جب وہ دربار میں آیا تو کہنے لگا مجھ پر حد جاری نہ کی جائے میں اس وقت مسلمان ہوتا ہوں یہ سن کر قاضی یحیٰ بن اکثم نے کہا کہ اسے چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ یہ مسلمان ہو گیا ایک فقیہ نے کہا کہ نہیں حد جاری ہونا چاہئے غرض کہ فقہائے مسلمین میں اختلاف ہو گیا متوکل نے جب یہ دیکھا کہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا تو حکم دیا کہ امام علی نقی کو خط لکھ کر ان سے جواب منگایا جائے۔ چنانچہ مسئلہ لکھا گیا حضرت امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا ”یضرب حتی یموت“ کہ اسے اتنا مارا جائے کہ مر جائے جب یہ جواب متوکل کے دربار میں پہنچا تو یحیٰ بن اکثم قاضی شہر اور فقیہ سلطنت نیز دیگر فقہانے کہا اس کا کوئی ثبوت قرآن مجید میں نہیں ہے براہ مہربانی اس کی وضاحت فرمائیے آپ نے خط ملاحظہ فرما کر یہ آیت تحریر فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے (جب کافروں نے ہماری سختی دیکھی تو کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں یہ ان کا کہنا ان کے لیے مفید نہ ہوا، اور نہ ایمان لانا کام آیا)

آیت پڑھنے کے بعد متوکل نے تمام فقہاء کے اقوال کو مسترد کر دیا اور نصرانی کے لیے حکم دیدیا کہ اسے اس قدر مارا جائے کہ ”مر جائے“ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۴۰)۔

شاہ روم کو حضرت امام علی نقی کا جواب

علامہ محمد باقر نجفی لکھتے ہیں کہ بادشاہ روم نے خلیفہ وقت کو لکھا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا جس میں یہ سات لفظ نہ ہوں ث، ج، ح، ز، ش، ظ، ف، وہ جنت میں جائے گا اسے دیکھنے کے بعد میں نے توریت و زبور کا اچھی طرح مطالعہ کیا لیکن اس قسم کا کوئی سورہ اس میں نہیں ملا آپ ذرا اپنے علماء سے تحقیق کر کے لکھیے کہ شاید یہ بات آپ کے قرآن مجید میں ہو بادشاہ وقت نے بہت سے علماء جمع کئے اور ان کے سامنے یہ چیز پیش کی سب نے بہت دیر تک غور کیا لیکن کوئی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکا کہ تسلی بخش جواب دے سکے جب خلیفہ وقت تمام علماء سے مایوس ہو گیا تو امام علی نقی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا جب آپ دربار میں تشریف لائے اور آپ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ نے بلا تاخیر فرمایا وہ سورہ حمد ہے اب جو غور کیا گیا تو بالکل ٹھیک پایا گیا ، بادشاہ اسلام خلیفہ وقت نے عرض کی، ابن رسول اللہ کیا چاہتا اگر آپ اس کی وجہ بھی بتا دیتے کہ یہ حروف اس سورہ میں کیوں نہیں لائے گئے کہ آپ نے فرمایا یہ سورہ رحمت و برکت ہے اس میں یہ حروف اس لئے نہیں لائے گئے کہ (ث) سے ثبور ہلاکت تباہی، بربادی کی طرف، ج سے جہیم جہنم کی طرف، خ۔ خبیث یعنی خسران کی طرف، ز۔ سے زقوم یعنی تھوہڑکی طرف، ش۔ سے شقاوت کی طرف، ظ سے ظلمت کی طرف، ف۔ سے فرقت کی طرف تبادر ذہنی ہوتا ہے اور یہ تمام چیزیں رحمت و برکت کے معافی ہیں۔

خليفة وقت نے آپ کاتفصیلی بیان شاہ روم کوبھیج دیا بادشاہ روم نے جونہی اسے پڑھا وہ مسرور ہو گیا اور اسی وقت اسلام لایا اور تاحیات مسلمان رہا (معہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۴۰ بحوالہ شرح شافیہ ابو فراس)۔

متوکل کے کہنے سے ابن سکیت و ابن اکثم کا امام علی نقی سے سوال

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا دیگر کاموں سے فراغت کے بعد ابن سکیت کی طرف متوجہ ہو کر بولا ابو الحسن سے ذرا سخت سخت سوال کرو ابن سکیت نے اپنی قابلیت بھر سوال کئے امام علیہ السلام نے تمام سوالات کے مفصل اور مکمل جواب دیئے یہ دیکھ کر یحیٰ ابن اکثم قاضی سلطنت نے کہا اے ابن سکیت تم نحو، شعر، لغت کے عالم ہو، تمہیں مناظرہ سے کیا دلچسپی، ٹھہرو میں سوال کرتا ہوں یہ کہہ کر اس نے ایک سوالنامہ نکالا جو پہلے سے لکھ کر اپنے ہمراہ رکھے ہوئے تھا اور حضرت کو دیدیا حضرت نے اس کا اسی وقت جواب لکھنا شروع کر دیا اور ایسا مکمل جواب دیا کہ قاضی شہر کو متوکل سے کہنا پڑا کہ ان جوابات کو پوشیدہ رکھا جائے ، ورنہ شیعوں کی حوصلہ افزائی ہوگی ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قرآن مجید میں ”سبعة البحر“ اور نفدت کلمات اللہ“ جو ہے اس میں کن سات دریاؤں کی طرف اشارہ ہے اور کلمات اللہ سے مراد کیا ہے آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ وہ سات دریاہ ہیں عین الکبریت، عین الیمن ، عین البرہوت، عین الطبریہ، عین السیدان، عین الافریقہ، عین الیا حوران، اور کلمات

سے ہم محمود آل محمد مراد ہیں جن کے فضائل کا احصا ناممکن ہے (مناقب جلد ۵ ص ۱۱۷)۔

قضا و قدر کے متعلق امام علی نقی علیہ السلام کی رببری و رہنمائی

قضا و قدر کے بارے میں تقریباً تمام فرقے جادہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں، اس کی وضاحت میں کوئی جبر کا قائل نظر آتا ہے کوئی مطلقاً تفویض پر ایمان رکھتا ہوا دکھائی دیتا ہے ہمارے امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح قضا و قدر کی وضاحت ان لفظوں میں فرمائی ہے ”لا جبر ولا تفویض بل امر بین امرین“ نہ انسان بالکل مجبور ہے نہ بالکل آزاد ہے بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان ہے (معہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۳۴)۔

میں حضرت کا مطلب یہ سمجھتا ہوں کہ انسان اسباب و اعمال میں بالکل آزاد ہے اور نتیجہ کی برآمدگی میں خدا کا محتاج ہے۔ علماء امامیہ کی ذمہ داریوں کے متعلق امام علی نقی علیہ السلام کا ارشاد حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے علماء، غیبت قائم آل محمد کے زمانے میں محافظ دین اور رہبر علم و یقین ہوں گے ان کی مثال شیعوں کے لیے بالکل ویسی ہی ہوگی جیسی کشتی کے لیے نا خدا کی ہوتی ہے وہ ہمارے ضیعفوں کے دلوں کو تسلی دیں گے وہ افضل ناس اور قائم ملت ہوں گے (معہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۳۷)۔

حضرت امام علی نقی اور عبدالرحمن مصری کا ذہنی انقلاب

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ ایک دن متوکل نے برسردربار امام علی نقی کو قتل کردینے کا فیصلہ کر کے آپ کو دربار میں طلب کیا آپ سواری پر تشریف لائے عبدالرحمن مصری کا بیان ہے کہ میں سامرہ گیا ہوا تھا اور متوکل کے دربار کا یہ حال سنا کہ ایک علوی کے قتل کا حکم دیا گیا ہے تو میں دروازے پر اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ دیکھوں وہ کون شخص ہے جس کے قتل کے انتظامات ہو رہے ہیں اتنے میں دیکھا کہ امام علی نقی علیہ السلام تشریف لارہے ہیں مجھے کسی نے بتایا کہ اسی علوی کے قتل کا بندوبست ہوا ہے میری نظر جونہی ان کے چہرہ پر پڑی میرے دل میں ان کی محبت سرایت کر گئی اور میں دعا کرنے لگا خدایا متوکل کے شرسے اس شریف علوی کو بچانا میں دل میں دعا کر رہی رہا تھا کہ آپ نزدیک آپہنچے اور مجھ سے بلا جانے پہچانے فرمایا کہ اے عبدالرحمن تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے اور میں انشاء اللہ محفوظ رہوں گا چنانچہ دربار میں آپ پر کوئی ہاتھ نہ اٹھاسکا اور آپ محفوظ رہے پھر آپ نے مجھے دعادی اور میں مالا مال ہو گیا اور صاحب اولاد ہو گیا عبدالرحمن کہتا ہے کہ میں اسی وقت آپ کی امامت کا قائل ہو کر شیعہ ہو گیا (کشف الغمہ ص ۱۲۳ ، دمعه ساکبہ جلد ۳ ص ۱۲۵)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور برکتہ السباع

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل کے دربار میں ایک عورت جوان اور خوبصورت آئی اور اس نے آکر کہا کہ میں زینب بنت علی وفاطمہ ہوں

متوکل نے کہا کہ تو جوان ہے اور زینب کو پیدا ہوئے اور وفات پائے عرصہ گذر گیا اگر تجھے زینب تسلیم کر لیا جائے تو یہ کیسے مانا جائے، کہ زینب اتنی عمر تک جوان رہ سکتی ہے اس نے کہا کہ مجھے رسول خدانے یہ دعویٰ تھی کہ میں ہر چالیس اور پچاس سال کے بعد جوان ہو جاؤں اسی لیے میں جوان ہوں متوکل نے علماء دربار کو جمع کر کے ان کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا سب نے کہا یہ جھوٹی ہے زینب کے انتقال کو عرصہ ہو گیا ہے متوکل نے کہا کوئی ایسی دلیل دو کہ میں اسے جھٹلا سکوں سب نے اپنے عجز کا حوالہ دیا۔

فتح ابن خاقان وزیر متوکل نے کہا کہ اس مسئلہ کو ”ابن الرضا“ علی نقی کے سوا کوئی حل نہیں کر سکتا لہذا انہیں بلا لیا جائے متوکل نے حضرت کو زحمت تشریف آوری دی جب آپ دربار میں پہنچے متوکل نے صورت مسئلہ پیش کی امام نے فرمایا جھوٹی ہے، متوکل نے کہا کوئی ایسی دلیل دیجئیے کہ میں اسے جھوٹی ثابت کر سکوں، آپ نے فرمایا میرے جد نامدار کا ارشاد ہے کہ ”حرم لحم اولادی علی السباع“ درندوں پر میری اولاد کا گوشت حرام ہے اے بادشاہ تو اس عورت کو درندوں میں ڈال دے، اگر یہ سچی ہوگی اس کا زینب ہونا تو درکنار اگر یہ سیدہ بھی ہوگی تو جانور اسے نہ چھیڑیں گے اور اگر سادات سے بھی بے بہرہ اور خالی ہوگی تو درندے اسے پہاڑ کھائیں گے ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ دربار میں اشارہ بازی ہونے لگی اور دشمنوں نے مل جل کر متوکل سے کہا کہ اس کا امتحان امام علی نقی ہی کے ذریعہ سے کیوں

نہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ آیا درندے سیدوں کو کھاتے ہیں یا نہیں ۔
 مطلب یہ تھا کہ اگر انہیں جانوروں نے پھاڑ کھایا تو متوکل کا منشاء پورا ہو جائے
 گا اور اگر یہ بچ گئے تو متوکل کی وہ الجھن دور ہو جائے گی جو زینب کذاب نے
 ڈال رکھی ہے غرض کی متوکل نے امام علیہ السلام سے کہا ”اے ابن
 الرضا“ کیا اچھا ہوتا کہ آپ خود برکتہ السباع میں جا کر اسے ثابت کر دیجئے کہ
 آل رسول کا گوشت درندوں پر حرام ہے امام علیہ السلام تیار ہو گئے متوکل نے
 اپنے بنائے ہوئے برکت السباع شیرخانہ میں آپ کو ڈلو کر پھاٹک بند کروادیا،
 اور خود مکان کے بالاخانہ پر چلا گیا تاکہ وہاں سے امام کے حالات کا مطالعہ
 کرے۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی
 آواز سنی تو خاموش ہو گئے جب آپ صحن میں پہنچ کر سیڑھی پر چڑھنے لگے
 تو درندے آپ کی طرف بڑھے (جن میں تین شیر اور بروایت دمعہ ساکبہ چھ
 شیر بھی تھے) اور ٹہر گئے اور آپ کو چھو کر آپ کے گرد پھرنے لگے، آپ نے
 اپنی آستین ان پر ملتی تھی پھر درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے متوکل امام
 علیہ السلام کے متعلق چہت پرسے یہ باتیں دیکھتا رہا اور اتر آیا، پھر جناب
 صحن سے باہر تشریف لے آئے متوکل نے آپ کے پاس گراں بہا صلہ بھیجا
 لوگوں نے متوکل سے کہا تو بھی ایسا کر کے دکھلا دے اس نے کہا شاید تم میری
 جان لینا چاہتے ہو ۔

علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ زینب کذابہ نے جب ان حالات کو بچشم

خود دیکھا تو فوراً اپنی کذب بیانی کا اعتراف کر لیا، ایک روایت کی بنا پر اسے توبہ کی ہدایت کر کے چھوڑ دیا گیا دوسری روایت کی بنا پر متوکل نے اسے درندوں میں ڈلو کر پھڑوا ڈالا (صواعق محرقہ ص ۱۲۴ ، ارجح المطالب ص ۴۶۱ ، دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۴۵ ، جلاء العیون ص ۳۹۳ ، روضة الصفاء ،) فصل الخطاب، علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ اسی قسم کا واقعہ عہدِ رشید عباسی میں جناب یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ ابن امام حسن علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور متوکل کا علاج

علامہ عبدالرحمن جامی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام نظر بندی کی زندگی بسر کر رہے تھے متوکل کے بیٹے کی جگہ یعنی کمر کے نیچے جسم کے پچھلے حصہ میں ایک زبردست زہریلا پھوڑا نکل آیا، ہر چند کوشش کی گئی مگر کسی صورت سے شفاء کی امید نہ ہوئی جب جان خطرہ میں پڑ گئی تو متوکل کی ماں نے منت مانی کہ اگر متوکل اچھا ہو گیا تو میں ابن الرضا کی خدمت میں مال کثیر نذر کروں گی اور فتح بن خاقان نے متوکل سے درخواست کی کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں مرض کی کیفیت ابو الحسن سے بیان کر کے کوئی دواء تجویز کراؤں۔ متوکل نے اجازت دی اور ابن خاقان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے سارا واقعہ بیان کر کے دوا کی تجویز چاہی، امام علیہ السلام نے فرمایا

”کسب غنم“ (بکری کی مینگنیاں) لے کر گلاب کے عرق میں حل کر کے لگاؤ، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا وزیرفتح ابن خاقان نے دربار میں امام علیہ السلام کی تجویز پیش کی، لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ امام ہو کر کیا دو تجویز فرمائی ہے وزیر نے کہا اے خلیفہ تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے اگر حکم ہو تو میں انتظام کروں خلیفہ نے حکم دیا، دو الگائی گئی، پھوڑا پھوٹا، متوکل کی آنکھ کھل گئی اور رات بھر پورا سویا تین یوم کے اندر شفاء کامل ہو جانے کے بعد متوکل کی ماں نے دس ہزار اشرفی کی سربمہر تھیلی امام علیہ السلام کی خدمت میں بھجوا دی (شواہد النبوت ص ۲۰۷ ، اعلام الوری ص ۲۰۸)۔

امام علی نقی علیہ السلام کے تصور حکومت پر خوفِ خوفِ خدا غالب تھا

حضرت کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلہ عصمت کی ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہتے تھے قید خانہ اور نظر بندی کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ ہر وقت ہر حال میں یاد الہی، عبادت ، خلق خدا سے استغناء، ثبات قدم، صبر و استقلال، مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن کا نہ ہونا ، دشمنوں کے ساتھ حلم و مروت سے کام لینا، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا، یہی وہ اوصاف ہیں جو امام علی نقی کی سیرت زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ قید کے زمانہ میں جہاں بھی آپ رہے آپ کے مصلے کے سامنے ایک

قبر کھدی تیار رہتی تھی دیکھنے والوں نے جب اس پر حیرت اور دہشت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے دل میں موت کا خیال رکھنے کے لیے یہ قبر اپنی نگاہوں کے سامنے تیار رکھتا ہوں حقیقت میں یہ ظالم طاقت کو اس کے باطل مطالبہ اطاعت اور اسلام کے حقیقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے ترک کر دینے کی خواہش کا ایک عملی جواب تھا یعنی زیادہ سے زیادہ سلاطین وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ جان کالے لینا مگر جو شخص موت کے لیے اتنا تیار ہوہ ہر وقت کھدی ہوئی قبر اپنے سامنے رکھے وہ ظالم حکومت سے ڈر کر سرتسلیم خم کرنے پر کیسے مجبور کیا جاسکتا ہے مگر اس کے ساتھ دنیاوی سازشوں میں شرکت یا حکومت وقت کے خلاف کسی بے محل اقدام کی تیاری سے آپ کا دامن اس طرح بری رہا کہ باوجود دارالسلطنت کے اندر مستقل قیام اور حکومت کے سخت ترین جاسوسی انتظام کے کبھی آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی نہ مل سکی باوجودیکہ سلطنت عباسیہ کی بنیادیں اس وقت اتنی کھوکھلی ہو رہی تھیں کہ دارالسلطنت میں ہر روز ایک نئی سازش کا فتنہ کھڑا ہوتا تھا۔

متوکل سے خود اس کے بیٹے کی مخالفت اور اس کے انتہائی عزیز غلام باغر رومی کی اس سے دشمنی منتصر کے بعد امراءے حکومت کا انتشار اور آخر متوکل کے بیٹوں کو خلافت سے محروم کرنے کا فیصلہ مستعین کے دور حکومت میں یحیٰ بن عمر بن یحیٰ بن حسین بن زید علوی کا کوفہ میں خروج اور حسن بن زید الملقب بہ داعی الحق کا علاقہ طبرستان پر قبضہ کر لینا

اور مستقل سلطنت قائم کر لینا پھر دارالسلطنت میں ترکی غلاموں کی بغاوت، مستعین کاسمرہ کوچھوڑ کر بغداد کی طرف بھاگنا اور قلعہ بند ہوجانا آخر کو حکومت سے دست برداری پر مجبور ہونا اور کچھ عرصہ کے بعد معتز باللہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترنا، پھر معتز باللہ کے دور میں رومیوں کا مخالفت پر تیار رہنا، معتز باللہ کو خود اپنے بھائیوں سے خطرہ محسوس ہونا اور مویدی زندگی کا خاتمہ اور موفق کا بصرہ میں قید کیا جانا، ان تمام ہنگامی حالات، ان تمام شورشوں، ان تمام بے چینیوں اور جھگڑوں میں سے کسی میں بھی امام علی نقی کی شرکت کاشبہ تک نہ پیدا ہونا، کیا اس طرز عمل کے خلاف نہیں ہے؟۔

جو ایسے موقعوں پر جذبات سے کام لینے والوں کا ہوا کرتا ہے ایک ایسے اقتدار کے مقابلہ میں جسے نہ صرف وہ حق و انصاف کے روسے ناجائز سمجھتے ہیں بلکہ ان کے ہاتھوں انہیں جلاوطنی قید اور اہانتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے مگر جذبات سے بلند اور عظمت نفس کے کامل مظہر دنیاوی ہنگاموں اور وقت کے اتفاقی موقعوں سے کسی طرح کافائدہ اٹھانا اپنی بے لوٹ حقانیت اور کوہ سے بھی گراں صداقت کے خلاف سمجھتا ہے اور مخالفت پر پست پشت حملہ کرنے کو اپنے بلند نقطہ نگاہ اور معیار عمل کے خلاف جانتے ہوئے ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہے (دسویں امام ص ۱۶)۔

امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت

متوکل کے بعد اس کا بیٹا مستنصر پھر مستعین پھر ۲۵۲ ہجری میں معتز باللہ خلیفہ ہوا معتز ابن متوکل نے بھی اپنے باپ کی سنت کو نہیں چھوڑا اور حضرت کے ساتھ سختی ہی کرتا رہا یہاں تک کہ اسی نے آپ کو زہر دیدیا ۔

”سمعہ المعتز، انوار الحسینیہ جلد ۲ ص ۵۵، اور آپ بتاریخ ۳ / رجب ۲۵۴ ہجری یوم دوشنبہ انتقال فرما گئے (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۴۹) ۔

علامہ ابن جوزی تذکرۃ خواص الامۃ میں لکھتے ہیں کہ آپ معتز باللہ کے زمانہ خلافت میں شہید کئے گئے ہیں اور آپ کی شہادت زہر سے واقع ہوئی ہے، علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے شہید کیا گیا ہے (انوار الابصار ص ۱۵۰) ۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں، صواعق محرقہ ص ۱۲۴، دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۴۸ میں ہے کہ آپ نے انتقال سے قبل امام حسن عسکری علیہ السلام کو مواریث انبیاء وغیرہ سپرد فرمائے تھے وفات کے بعد جب امام حسن عسکری علیہ السلام نے گریبان چاک کیا تو لوگ معترض ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ سنت انبیاء ہے حضرت موسیٰ نے وفات حضرت ہارون پر اپنا گریبان پہاڑا تھا (دمعہ ساکبہ ص ۱۴۸، جلاء العیون ص ۲۹۴) ۔

آپ پر امام حسن عسکری نے نماز پڑھی اور آپ سامرہ ہی میں دفن کئے گئے ”اناللہ وانا الیہ راجعون“، علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات انتہائی کس مپرسی کی حالت میں ہوئی انتقال کے وقت آپ کے پاس کوئی بھی

نہ تھا (جلاء العیون ص ۲۹۲)۔

آپ کی ازواج و اولاد

آپ کی کئی بیویاں تھیں، ان سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں جن کے اسماء یہ ہیں امام حسن عسکری، حسین بن علی، محمد بن علی، جعفر بن علی، دختر موسومہ عائشہ بن علی (ارشاد مفید ص ۵۰۲، صواعق محرقہ ص ۱۲۶ طبع مصر)۔

چودہ ستارے

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

امام حسن عسکری کی ولادت اور بچپن کے بعض حالات

علماء فریقین کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ آپ بتاریخ ۱۰ / ربیع الثانی ۲۳۲ ہجری یوم جمعہ بوقت صبح بطن جناب حدیثہ خاتون سے بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے ہیں ملاحظہ ہو شوہد النبوت ص ۲۱۰، صواعق محرقہ ص ۱۲۴، نور الابصار ص ۱۱۰، جلاء العیون ص ۲۹۵، ارشاد مفید ص ۵۰۲، دمعہ ساکبہ ص ۱۶۳۔

آپ کی ولادت کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے رکھے ہوئے ”نام حسن بن علی“ سے موسوم کیا (ینابع المودة)۔

آپ کی کنیت اور آپ کے القاب

آپ کی کنیت ”ابومحمد“ تھی اور آپ کے القاب بے شمار تھے جن میں عسکری، ہادی، زکی خالص، سراج اور ابن الرضا زیادہ مشہور ہیں (نور الابصار ص ۱۵۰، شواہد النبوت ص ۲۱۰، دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۲۲، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۲۵)۔

آپ کا لقب عسکری اس لئے زیادہ مشہور ہوا کہ آپ جس محلہ میں بمقام ”سرم رانے“ رہتے تھے اسے عسکر کہا جاتا تھا اور بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ جب خلیفہ معتصم باللہ نے اس مقام پر لشکر جمع کیا تھا اور خو دب ہی قیام پذیر تھا تو اسے ”عسکر“ کہنے لگے تھے، اور خلیفہ متوکل نے امام علی نقی علیہ السلام کو مدینہ سے بلوا کر یہیں مقیم رہنے پر مجبور کیا تھا نیز یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے امام زمانہ کو اسی مقام پر نوے ہزار لشکر کا معائنہ کرایا تھا اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان سے اسے اپنے خدائی لشکر کا مطالعہ کرایا تھا انہیں وجوہ کی بنا پر اس مقام کا نام عسکر ہو گیا تھا جہاں امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام مدتوں مقیم رہ کر عسکری مشہور ہو گئے (بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۵۴، وفيات الاعیان جلد ۱ ص ۱۳۵، مجمع البحرين ص ۳۲۲، دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۶۳، تذکرۃ ۱ لمعصومین ص ۲۲۲)۔

آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت

آپ کی ولادت ۲۳۲ ہجری میں اس وقت ہوئی جبکہ واثق باللہ بن معصم بادشاہ وقت تھا جو ۲۲۷ ہجری میں خلیفہ بناتھا (تاریخ ابوالفداء) پھر ۲۳۳ ہجری میں متوکل خلیفہ ہوا (تاریخ ابن الوردی) جو حضرت علی اور ان کی اولاد سے سخت بغض و عناد رکھتاتھا، اور ان کی منقصدت کیا کرتا تھا (حیوۃ الحیوان و تاریخ کامل) اسی نے ۲۳۶ ہجری میں امام حسین کی زیارت جرم قرار دی اور ان کے مزار کو ختم کرنے کی سعی کی (تاریخ کامل) اور اسی نے امام علی نقی علیہ السلام کو جبرامدینہ سے رمن رائے میں طلب کرالیا، (صواعق محرقہ) اور آپ کو گرفتار کر کے آپ کے مکان کی تلاشی کرائی (وفیات الاعیان) پھر ۲۴۷ ہجری میں مستنصر بن متوکل خلیفہ وقت ہوا۔ (تاریخ ابوالفداء) پھر ۲۴۸ ہجری میں مستعین خلیفہ بنا (ابوالفداء) پھر ۲۵۲ ہجری میں معتز باللہ خلیفہ ہوا (ابوالفداء) اسی زمانے میں امام علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دیا گیا (نور الابصار) پھر ۲۵۵ ہجری میں مہدی باللہ خلیفہ بنا (تاریخ ابن الوردی) پھر ۲۵۶ ہجری میں معتمد علی اللہ خلیفہ ہوا (تاریخ ابوالفداء) اسی زمانہ میں ۲۶۰ ہجری میں امام علیہ السلام زہر سے شہید ہوئے (تاریخ کامل) ان تمام خلفاء نے آپ کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو آل محمد کے ساتھ برتاؤ کئے جانے کا دستور چلا آ رہا تھا۔

چار ماہ کی عمر اور منصب امامت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی عمر جب چار ماہ کے قریب ہوئی

تو آپ کے والد امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے بعد کے لیے منصب امامت کی وصیت کی اور فرمایا کہ میرے بعد یہی میرے جانشین ہوں گے اور اس پر بہت سے لوگوں کو گواہ کر دیا (ارشاد مفید ۵۰۲ ، دمعه ساکبہ جلد ۳ ص ۱۶۳ بحوالہ اصول کافی)۔

علامہ ابن حجر مکی کا کہنا ہے کہ امام حسن عسکری ، امام علی نقی کی اولاد میں سب سے زیادہ اجل و ارفع اعلیٰ و افضل تھے۔

چار سال کی عمر میں آپ کا سفر عراق

متوکل عباسی جو آل محمد کا ہمیشہ سے دشمن تھا اس نے امام حسن عسکری کے والد بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام کو جبراً ۲۳۶ ہجری میں مدینہ سے ”سرم رائے“ بلالیا آپ ہی کے ہمراہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھی جانا پڑا اس وقت آپ کی عمر چار سال چند ماہ کی تھی (دمعه ساکبہ جلد ۳ ص ۱۶۲)۔

یوسف آل محمد کنوئیں میں

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نہ جانے کس طرح اپنے گھر کے کنوئیں میں گر گئے ، آپ کے گرنے سے عورتوں میں کہرام عظیم برپا ہو گیا سب چیخنے اور چلانے لگیں ، مگر امام علی نقی علیہ السلام جو محو نماز تھے ، مطلق متاثر نہ ہوئے اور اطمینان سے نماز کا اختتام کیا ، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں حجت خدا کو کوئی گزند نہ پہنچے گی ، اسی دوران

میندیکھا کہ پانی بلند ہو رہا ہے اور امام حسن عسکری پانی میں کھیل رہے ہیں (معہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۷۹)۔

امام حسن عسکری اور کمسنی میں عروج فکر

آل محمد جو تدبر قرآنی اور عروج فکر میں خاص مقام رکھتے ہیں ان میں سے ایک بلند مقام بزرگ حضرت امام حسن عسکری ہیں، علماء فریقین نے لکھا ہے کہ ایک دن آپ ایک ایسی جگہ کھڑے رہے جس جگہ کچھ بچے کھیل میں مصروف تھے اتفاقاً ادھر سے عارف آل محمد جناب بہلول دانا گزرے، انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سب بچے کھیل رہے ہیں اور ایک خوبصورت سرخ و سفید بچہ کھڑا رو رہا ہے ادھر متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے نونہال مجھے بڑا افسوس ہے کہ تم اس لیے رو رہے ہو کہ تمہارے پاس وہ کھلونے نہیں ہیں جو ان بچوں کے پاس ہیں سنو! میں ابھی ابھی تمہارے لیے کھلونے لے کر آتا ہوں یہ کہناتھا کہ اس کمسنی کے باوجود بولے، انانہ سمجھ ہم کھیلنے کے لیے نہیں پیدا کئے گئے ہم علم و عبادت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں انہوں نے پوچھا کہ تمہیں یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ غرض خلقت علم و عبادت ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کی طرف قرآن مجید رہبری کرتا ہے، کیا تم نے نہیں پڑھا کہ خدا فرماتا ہے ”افحسبتم انما خلقتناکم عبثاً“ الخ (پ ۱۸ رکوع ۶)۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث (کھیل و کود) کے لیے پیدا کیا ہے؟ اور کیا تم ہماری طرف پلٹ کر نہ آؤ گے یہ سن کر بہلول حیران رہ گئے،

اور کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اے فرزند تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تم رو رہے تھے گناہ کا تصور تو ہونہیں سکتا کیونکہ تم بہت کم سن ہو، آپ نے فرمایا کہ کمسنی سے کیا ہوتا ہے میں نے اپنی والدہ کو دیکھا ہے کہ بڑی لکڑیوں کو جلانے کے لیے چھوٹی لکڑیاں استعمال کرتی ہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں جہنم کے بڑے ایندھن کے لیے ہم چھوٹے اور کمسن لوگ استعمال نہ کئے جائیں (صواعق محرقہ ص ۱۲۴، نور الابصار ص ۱۵۰، تذکرۃ المعصومین ص ۲۳۰)۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ بادشاہان وقت کا سلوک اور طرز عمل

جس طرح آپ کے آباؤ اجداد کے وجود کو ان کے عہد کے بادشاہ اپنی سلطنت اور حکمرانی کی راہ میں روڑا سمجھتے رہے ان کا یہ خیال رہا کہ دنیا کے قلوب ان کی طرف مائل ہیں کیونکہ یہ فرند رسول اور اعمال صالح کے تاجدار ہیں لہذا ان کو انظار عامہ سے دور رکھا جائے ورنہ امکان قوی ہے کہ لوگ انہیں اپنا بادشاہ وقت تسلیم کر لیں گے اس کے علاوہ یہ بغض و حسد بھی تھا کہ ان کی عزت بادشاہ وقت کے مقابلہ میں زیادہ کی جاتی ہے اور یہ کہ امام مہدی انہیں کی نسل سے ہوں گے جو سلطنتوں کا انقلاب لائیں گے انہیں تصورات نے جس طرح آپ کے بزرگوں کو چین نہ لینے دیا اور ہمیشہ مصائب کی آماجگاہ بنائے رکھا اسی طرح آپ کے عہد کے بادشاہوں نے بھی آپ کے ساتھ کیا عہدو ائق میں آپ کی ولادت ہوئی اور عہد متوکل کے کچھ ایام میں بچپنا گزرا، متوکل جو آل محمد کا جانی دشمن تھا اس نے صرف اس جرم

میں کہ آل محمد کی تعریف کی ہے ابن سکیت شاعر کی زبان گدی سے
 کھنچوالی (ابوالفداء جلد ۲ ص ۱۴) -
 اس نے سب سے پہلے تو آپ پر یہ ظلم کیا کہ چار سال کی عمر میں ترک وطن
 کرنے پر مجبور کیا یعنی امام علی نقی علیہ السلام کو جبراً مدینہ سے سامرہ
 بلوایا جن کے ہمراہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو لازماً جاناتا پھروہاں
 آپ کے گھر کی لوگوں کے کہنے سننے سے تلاشی کرائی اور آپ کے
 والد ماجد کو جانوروں سے پھڑوا ڈالنے کی کوشش کی ، غرض کہ جو جو سعی
 آل محمد کو ستانے کی ممکن تھی وہ سب اس نے اپنے عہد حیات میں کر ڈالی
 اس کے بعد اس کا بیٹا مستنصر خلیفہ ہوا یہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل
 کر آل محمد کو ستانے کی سنت ادا کرتا رہا اور اس کی مسلسل کوشش یہی رہی
 کہ ان لوگوں کو سکون نصیب نہ ہونے پائے اس کے بعد مستعین کاجب
 عہد آیا تو اس نے آپ کے والد ماجد کو قید خانہ میں رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی
 سعی پیہم کی کہ کسی صورت سے امام حسن عسکری کو قتل کرادے اور اس
 کے لیے اس نے مختلف راستے تلاش کیے۔
 ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے شوق کے مطابق ایک نہایت
 زبردست گھوڑا خریدا، لیکن اتفاق سے وہ کچھ اس درجہ سرکش نکلا کہ اس
 نے بڑے بڑے لوگوں کو سواری نہ دی اور جو اس کے قریب گیا اس کو زمین
 پر دے مار کر ٹاپوں سے کچل ڈالا، ایک دن خلیفہ مستعین باللہ کے ایک دوست
 نے رائے دی کہ امام حسن عسکری کو بلا کر حکم دیا جائے کہ وہ اس پر سواری

کریں، اگر وہ اس پر کامیاب ہو گئے تو گھوڑا رام ہو جائے گا اور اگر کامیاب نہ ہوئے اور کچل ڈالے گئے تو تیرا مقصد حل ہو جائے گا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا لیکن اللہ رے شان امامت جب آپ اس کے قریب پہنچے تو وہ اس طرح بھیگی بلی بن گیا کہ جیسے کچھ جانتا ہی نہیں بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا کہ گھوڑا حضرت ہی کے حوالے کر دے (شواہد النبوت ص ۲۱۰)۔

پھر مستعین کے بعد جب معتز باللہ خلیفہ ہوا تو اس نے بھی آل محمد کو ستانے کی سنت جاری رکھی اور اس کی کوشش کرتا رہا کہ عہد حاضر کے امام زمانہ اور فرزند رسول امام علی نقی علیہ السلام کو درجہ شہادت پر فائز کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس نے ۲۵۴ ہجری میں آپ کے والد بزرگوار کو زہر سے شہید کرادیا، یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ جس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو بے انتہا مایوس کر دیا امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام خطرات میں محصور ہو گئے کیونکہ حکومت کا رخ اب آپ ہی کی طرف رہ گیا آپ کو کھٹکالگاہی تھا کہ حکومت کی طرف سے عمل درآمد شروع ہو گیا معتز نے ایک شقی ازلی اور ناصب ابدی ابن یارش کی حراست اور نظر بندی میں امام حسن عسکری کو دیدیا اس نے آپ کو ستانے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا لیکن آخر میں وہ آپ کا معتقد بن گیا، آپ کی عبادت گزاری اور روزہ داری نے اس پر ایسا گہرا اثر کیا کہ اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی اور آپ کو دولت سراتک پہنچا دیا۔

علی بن محمد زیاد کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے ایک خط تحریر فرمایا جس میں لکھا تھا کہ تم خانہ نشین ہو جاؤ کیونکہ ایک بہت بڑا فتنہ اٹھنے والا ہے غرض کہ تھوڑے دنوں کے بعد ایک عظیم ہنگامہ برپا ہوا اور حجاج بن سفیان نے معتز کو قتل کر دیا (کشف الغمہ ص ۱۲۷)۔

پھر جب مہدی باللہ کا عہد آیا تو اس نے بھی بدستور اپنا عمل جاری رکھا اور حضرت کوستانے میں ہر قسم کی کوشش کرتا رہا ایک دن اس نے صالح بن وصیف نامی ناصبی کے حوالہ آپ کو کر دیا اور حکم دیا کہ ہر ممکن طریقہ سے آپ کو ستائے، صالح کے مکان کے قریب ایک بدترین حجرہ تھا جس میں آپ قید کئے گئے صالح بدبخت نے جہاں اور طریقہ سے ستایا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ کو کھانا اور پانی سے بھی حیران اور تنگ رکھتا تھا آخر ایسا ہوتا رہا کہ آپ تیمم سے نماز ادا فرماتے رہے ایک دن اس کی بیوی نے کہا کہ اے دشمن خدایہ فرزند رسول ہیں ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کر، اس نے کوئی توجہ نہ کی ایک دن کا ذکر ہے کہ بنی عباسیہ کے ایک گروہ نے صالح سے جا کر درخواست کی کہ حسن عسکری پر زیادہ ظلم کیا جانا چاہئے اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کے اوپر دو ایسے شخصوں کو مسلط کر دیا ہے جن کا ظلم و تشدد میں جواب نہیں ہے، لیکن میں کیا کروں، کہ ان کے تقویٰ اور ان کی عبادت گزاری سے وہ اس درجہ متاثر ہو گئے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں، میں نے ان سے جواب طلبی کی تو انہوں نے قلبی مجبوری ظاہر کی یہ سن کر وہ لوگ مایوس واپس گئے (تذکرۃ المعصومین ص ۲۲۳)۔

غرضکہ مہدی کاظم و تشددزوروں پرتھا اور یہی نہیں کہ وہ امام علیہ السلام پر سختی کرتا تھا بلکہ یہ کہ وہ ان کے ماننے والوں کو برابر قتل کر رہا تھا ایک دن آپ کے ایک صحابی احمد بن محمد نے ایک عریضہ کے ذریعہ سے اس کے ظلم کی شکایت کی، تو آپ نے تحریر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں کہ مہدی کی عمر اب صرف پانچ یوم باقی رہ گئی ہے چنانچہ چھٹے دن اسے کمال ذلت و خواری کے ساتھ قتل کر دیا گیا (کشف الغمہ ص ۱۲۶)۔ اسی کے عہد میں جب آپ قید خانہ میں پہنچے تو عیسیٰ بن فتح سے فرمایا کہ تمہاری عمر اس وقت ۶۵ سال ایک ماہ دو یوم کی ہے اس نے نوٹ بک نکال کر اس کی تصدیق کی پھر آپ نے فرمایا کہ خداتمہیں اولاد نرینہ عطا کرے گا وہ خوش ہو کر کہنے لگا مولا! کیا آپ کو خدا فرزند نہ دے گا آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم عنقریب مجھے مالک ایسا فرزند عطا کرے گا جو ساری کائنات پر حکومت کرے گا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا (نور الابصار ص ۱۰۱) پھر جب اس کے بعد معتمد خلیفہ ہوا تو اس نے امام علیہ السلام پر ظلم و تشدد و استبداد کا خاتمہ کر دیا۔

امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت اور امام حسن عسکری کا آغاز امامت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کی شادی جناب نرجس خاتون سے کر دی جو قیصر روم کی پوتی اور شمعون وصی عیسیٰ کی نسل سے تھیں (جلاء العیون ص ۲۹۸)۔

اس کے بعد آپ ۳ / رجب ۲۵۴ ہجری کو درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی امامت کا آغاز ہوا آپ کے تمام معتقدین نے آپ کو مبارک باد دی اور آپ سے ہر قسم کا استفادہ شروع کر دیا آپ کی خدمت میں آمدورفت اور سوالات و جوابات کا سلسلہ جاری ہو گیا آپ نے جوابات میں ایسے حیرت انگیز معلومات کا انکشاف فرمایا کہ لوگ دنگ رہ گئے آپ نے علم غیب اور علم بالموت تک کا ثبوت پیش فرمایا اور اس کی بھی وضاحت کی کہ فلاں شخص کواتنے دنوں میں موت آجائے گی۔

علامہ ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے والد سمیت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی راہ میں بیٹھ کر یہ سوال کرنا چاہا کہ باپ کو پانچ سو درہم اور بیٹے کو تین سو درہم اگر امام دیدیں تو تو سارے کام ہو جائیں، یہاں تک امام علیہ السلام اس راستے پر پہنچے، اتفاقاً یہ دونوں امام کو پہچانتے نہ تھے امام خود ان کے قریب گئے اور ان سے کہا کہ تمہیں آٹھ سو درہم کی ضرورت ہے آؤ تمہیں دیدوں دونوں ہمراہ بولے اور رقم معہود حاصل کر لی اسی طرح ایک اور شخص قید خانہ میں تھا اس نے قید کی پریشانی کی شکایت امام علیہ السلام کو لکھ کر بھیجی اور تنگ دستی کا ذکر شرم کی وجہ سے نہ کیا آپ نے تحریر فرمایا کہ تم آج ہی قید سے رہا ہو جاؤ گے اور تم نے جو شرم سے تنگ دستی کا تذکرہ نہیں کیا اس کے متعلق معلوم کرو کہ میں اپنے مقام پر پہنچتے ہی سو دینار بھیج دوں گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اسی طرح ایک شخص نے آپ سے اپنی تندستی کاکی شکایت کی آپ نے زمین کریدکر ایک اشرفی کی تھیلی نکالی اور اس کے حوالہ کردی اس میں سودینار تھے۔

اسی طرح ایک شخص نے آپ کو تحریر کیا کہ مشکوٰۃ کے معنی کیا ہیں؟ نیز یہ کہ میری بیوی حاملہ ہے اس سے جو فرزند پیدا ہوگا اس کا نام رکھ دیجیے آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ مشکوٰۃ سے مراد قلب محمد مصطفیٰ صلعم ہے اور آخر میں لکھ دیا ”اعظم الله اجرک و اخلف علیک“ خداتمہیں جزائے خیر دے اور نعم البدل عطا کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کے یہاں مردہ بیٹا پیدا ہوا۔ اس کے بعد اس کی بیوی حاملہ ہوئی ، فرزند نرینہ متولد ہوا، ملاحظہ ہو (شواہد النبوت ص ۲۱۱)۔

علامہ ارلی لکھتے ہیں کہ حسن ابن ظریف نامی ایک شخص نے حضرت سے لکھ کر دریافت کیا کہ قائم آل محمد پوشیدہ ہونے کے بعد کب ظہور کریں گے آپ نے تحریر فرمایا جب خدا کی مصلحت ہوگی اس کے بعد لکھا کہ تم تپ ربع کا سوال کرنا بھول گئے جسے تم مجھ سے پوچھنا چاہتے تھے ، تو دیکھو ایسا کرو کہ جو اس میں مبتلا ہو اس کے گلے میں ایۃ ”یا نارکونی بردا و لاما علی ابراہیم“ لکھ کر لٹکا دو شفا یاب ہو جائے گا علی بن زید ابن حسین کا کہنا ہے کہ میں ایک گھوڑا پر سوار ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس گھوڑے کی عمر صرف ایک رات باقی رہ گئی ہے چنانچہ وہ صبح ہونے سے پہلے مر گیا اسماعیل بن محمد کا کہنا ہے کہ

میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے ان سے قسم کھا کر کہا کہ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ قسم مت کھاؤ تمہارے گھر دو سو دینار مدفون ہیں یہ سن کر وہ حیران رہ گیا پھر حضرت نے غلام کو حکم دیا کہ انہیں سوا شرفیاں دیدو عبدی روایت کرتا ہے کہ میں اپنے فرزند کو بصرہ میں بیمار چھوڑ کر سامرہ گیا اور وہاں حضرت کو تحریر کیا کہ میرے فرزند کے لیے دعائے شفاء فرمائیں آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ”خدا اس پر رحمت نازل فرمائے“ جس دن یہ خط اسے ملا اسی دن اس کا فرزند انتقال کر چکا تھا محمد بن افرغ کہتا ہے کہ میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ کے ذریعہ سے سوال کیا کہ ”ائمہ کو بھی احتلام ہوتا ہے“ جب خط روانہ کر چکا تو خیال ہوا کہ احتلام تو وسوسہ شیطانی سے ہوا کرتا ہے اور امام تک شیطان پہنچ نہیں سکتا بہر حال جواب آیا کہ امام نوم اور بیداری دونوں حالتوں میں وسوسہ شیطانی سے دور ہوتے ہیں جیسا کہ تمہارے دل میں بھی خیال پیدا ہوا ہے پھر احتلام کیونکر ہو سکتا ہے جعفر بن محمد کا کہنا ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، دل میں خیال آیا کہ میری عورت جو حاملہ ہے اگر اس سے فرزند نرینہ پیدا ہو تو بہت اچھا ہو آپ نے فرمایا کہ اے جعفر لڑکا نہیں لڑکی ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا (کشف الغمہ ص ۱۲۸)۔

اپنے عقیدت مندوں میں حضرت کا دورہ

جعفر بن شریف جرجانی بیان کرتے ہیں کہ میں حج سے فراغت کے بعد حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان سے عرض کی کہ مولا! اہل جرجان آپ کی تشریف آوری کے خواستگار ہیں آپ نے فرمایا کہ تم آج سے ایک سونوے دن کے بعد واپس جرجان پہنچو گے اور جس دن تم پہنچو گے اسی دن شام کو میں بھی پہنچ جاؤں گا تم انہیں باخبر کر دینا، چنانچہ ایسا ہی ہوا میں وطن پہنچ کر لوگوں کو آگاہ کر چکا تھا کہ امام علیہ السلام کی تشریف آوری ہوئی آپ نے سب سے ملاقات کی اور سب نے شرف زیارت حاصل کیا، پھر لوگوں نے اپنی مشکلات پیش کیں امام علیہ السلام نے سب کو مطمئن کر دیا اسی سلسلہ میں نصر بن جابر نے اپنے فرزند کو پیش کیا، جو نابینا تھا حضرت نے اس کے چہرہ پر دست مبارک پھیر کر اسے بینائی عطا کی پھر آپ اسی روز واپس تشریف لے گئے (کشف الغمہ ص ۱۲۸)۔

ایک شخص نے آپ کو ایک خط بلا روشنائی کے قلم سے لکھا آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی لکھنے والے کا اور اس کے باپ کا نام بھی تحریر فرمادیا یہ کرامت دیکھ کر وہ شخص حیران ہو گیا اور اسلام لایا اور آپ کی امامت کا معتقد بن گیا (دمعہ ساکبہ ص ۱۷۲)۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کا پتھر پر مہر لگانا

ثقة الاسلام علامہ کلینی اور امام اہلسنت علامہ جامی رقمطراز ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں ایک خوبصورت

سایمنی آیا اور اس نے ایک سنگ پارہ یعنی پتھر کا ٹکڑا پیش کر کے خواہش کی کہ آپ اس پر اپنی امامت کی تصدیق میں مہر کر دیں حضرت نے مہرنکالی اور اس پر لگادی آپ کا اسم گرامی اس طرح کندہ ہو گیا جس طرح موم پر لگانے سے کندہ ہوتا ہے ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ آنے والا مجمع ابن صلت بن عقبہ بن سمعان ابن غانم ابن ام غانم تھا یہ وہی سنگ پارہ لایا تھا جس پر اس کے خاندان کی ایک عورت ام غانم نے تمام ائمہ طاہرین سے مہر لگوار کھی تھی اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی امامت کا دعویٰ کرتا تھا تو وہ اس کو لے کر اس کے پاس چلی جاتی تھی اگر اس مدعی نے پتھر پر مہر لگادی تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ امام زمانہ ہیں اور اگر وہ اس عمل سے عاجز رہا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتی تھی چونکہ اس نے اسی سنگ پارہ پر کئی اماموں کی مہر لگوائی تھی ، اس لیے اس کا لقب (صاحبة الحصة) ہو گیا تھا ۔ علامہ جامی لکھتے ہیں کہ جب مجمع بن صلت نے مہر لگوائی تو اس سے پوچھا گیا کہ تم حضرت امام حسن عسکری کو پہلے سے پہچانتے تھے اس نے کہا نہیں، واقعہ یہ ہوا کہ میں ان کا انتظار کر رہی رہا تھا کہ کہ آپ تشریف لائے میں لیکن پہچانتا نہ تھا اس لیے خاموش ہو گیا اتنے میں ایک ناشناس نوجوان نے میری نظروں کے سامنے آکر کہا کہ یہی حسن بن علی ہیں ۔ راوی ابو ہاشم کہتا ہے کہ جب وہ جوان آپ کے دربار میں آیا تو میرے دل میں یہ آیا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کون ہے، دل میں اس کا خیال آتا تھا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مہر لگوانے کے لیے وہ سنگ پارہ لایا ہے ، جس

پر میرے باپ دادا کی مہر میں لگی ہوئی ہیں چنانچہ اس نے پیش کیا اور آپ نے مہر لگادی وہ شخص آیت ”ذریۃ بعضہامن بعض“ پڑھتا ہوا چلا گیا (اصول کافی ،دمعہ ساکبہ ص ۱۶۴ ،شواہدالنبوت ص ۲۱۱ ،طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء اعلام الوری ۲۱۴)۔

حضرت امام حسن عسکری کا عراق کے ایک عظیم فلسفی کو شکست دینا

مورخین کا بیان ہے کہ عراق کے ایک عظیم فلسفی اسحاق کنندی کو یہ خط سوار ہوا کہ قرآن مجید میں تناقض ثابت کرے اور یہ بتادے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے، اور ایک مضمون دوسرے مضمون سے ٹکراتا ہے اس نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ”تناقض القرآن“ لکھنا شروع کی اور اس درجہ منہمک ہو گیا کہ لوگوں سے ملنا جلنا اور کہیں آنا جانا سب ترک کر دیا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کے خط کو دور کرنے کا ارادہ فرمایا، آپ کا خیال تھا کہ اس پر کوئی ایسا اعتراض کر دیا جائے کہ جس کا وہ جواب نہ دے سے اور مجبور اپنے ارادہ سے باز آئے۔

اتفاقاً ایک دن آپ کی خدمت میں اس کا ایک شاگرد حاضر ہوا، حضرت نے اس سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اسحاق کنندی کو ”تناقض القرآن“ سے لکھنے سے باز رکھے اس نے عرض کی مولا! میں اس کا شاگرد ہوں، بھلا اس کے سامنے لب کشائی کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ

اچھایہ تو کرسکتے ہو کہ جومیں کہوں وہ اس تک پہنچادو، اس نے کہا کرسکتاہوں، حضرت نے فرمایا کہ پہلے توتم اس سے موانست پیدا کرو، اور اس پر اعتبار جماؤ جب وہ تم سے مانوس ہو جائے اور تمہاری بات توجہ سے سننے لگے تو اس سے کہنا کہ مجھے ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے آپ اس کو دور فرمادیں، جب وہ کہے کہ بیان کرو تو کہنا کہ ”ان اتاک ہذا المتکلم بہذا القرآن ہل یجوز مرادہ بماتکلم منہ عن المعانی التی قد ظننتہا انک ذببتہا الیہا“ اگر اس کتاب یعنی قرآن کمالک تمہارے پاس اسے لائے تو کیا ہو سکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کا ہو، وہ تمہارے سمجھے ہوئے معانی و مطالب کے خلاف ہو، جب وہ تمہارا یہ اعتراض سنے گا تو چونکہ ذہین آدمی ہے فوراً کہے گا کہ بے شک ایسا ہو سکتا ہے جب وہ یہ کہے توتم اس سے کہنا کہ پھر کتاب ”تناقض القرآن“ لکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ تم اس کے جو معنی سمجھ کر اس پر اعتراض کر رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ خدائی مقصود کے خلاف ہو، ایسی صورت میں تمہاری محنت ضائع اور برباد ہو جائے گی کیونکہ تناقض توجب ہو سکتا ہے کہ تمہارا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور مقصود خداوندی کے مطابق ہو اور ایسا یقینی طور پر نہیں توتناقض کہاں رہا؟ -

الغرض وہ شاگرد، اسحاق کنڈی کے پاس گیا اور اس نے امام کے بتائے ہوئے اصول پر اس سے مذکورہ سوال کیا اسحاق کنڈی یہ اعتراض سن کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ پھر سوال کو دہراؤ اس نے پھر اعادہ کیا اسحاق تھوڑی دیر کے لیے محو فکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ بے شک اس قسم کا احتمال

باعبار لغت اور بلحاظ فکرو تدبر ممکن ہے پھر اپنے شاگرد کی طرف متوجہ ہوا کر بولا! میں تمہیں قسم دیتا ہوں تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ تمہیں یہ اعتراض کس نے بتایا ہے اس نے جواب دیا کہ میرے شفیق استاد یہ میرے ہی ذہن کی پیداوار ہے اسحاق نے کہا ہرگز نہیں، یہ تمہارے جیسے علم والے کے بس کی چیز نہیں ہے، تم سچ بتاؤ کہ تمہیں کس نے بتایا اور اس اعتراض کی طرف کس نے ربری کی ہے شاگرد نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا تھا اور میں نے انہیں کے بتائے ہوئے اصول پر آپ سے سوال کیا ہے اسحاق کنڈی بولا ”ان جنّت بہ“ اب تم نے سچ کہا ہے ایسے اعتراضات اور ایسی اہم باتیں خاندان رسالت ہی سے برآمد ہو سکتی ہیں ”ثم انه دعا بالنار و احرق جميع ما كان الفه“ پھر اس نے آگ منگائی اور کتاب تناقض القرآن کا سارا مسودہ نذر آتش کر دیا (مناقب ابن شہر آشوب مازندرانی جلد ۵ ص ۱۲۷، بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۷۲، دمعه ساکبہ جلد ۳ ص ۱۸۳)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور خصوصیات مذہب

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ہمارے مذہب میں ان لوگوں کا شمار ہوگا جو اصول و فروع اور دیگر لوزم کے ساتھ ساتھ ان دس چیزوں کے قائل ہوں بلکہ ان پر عامل ہوں گے:-

۱ - شب و روز میں ۵۱ / رکعت نماز پڑھنا۔

- ۲ - سجداگاہ کر بلا پر سجده کرنا۔
- ۳ - داہنے ہاتھ میں انگھوٹھی پہننا۔
- ۴ - اذان و اقامت کے جملے دودو مرتبہ کہنا۔
- ۵ - اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہنا۔
- ۶ - نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھنا۔
- ۷ - ہر دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا۔
- ۸ - آفتاب کی زردی سے پہلے نماز عصر اور تاروں کے ڈوب جانے سے پہلے نماز پڑھنا۔
- ۹ - سر اور ڈاڑھی میں وسمہ کا خضاب کرنا۔
- ۱۰ - نماز میت میں پانچ تکبیر کہنا (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۷۲)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور عیدنہم ربیع الاول

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام چند عظیم اصحاب جن میں احمد بن اسحاق قمی بھی تھے، ایک دن محمد بن ابی علاء ہمدانی اور یحییٰ بن محمد بن جریح بغدادی کے درمیان ۹/ربیع الاول کے یوم عید ہونے پر گفتگو ہو رہی تھی، بات چیت کی تکمیل کے لیے یہ دونوں احمد بن اسحاق کے مکان پر گئے، دق الباب کیا، ایک عراقی لڑکی نکلی، آنے کا سبب پوچھا کہا، احمد سے ملنا ہے اس نے کہا وہ اعمال کر رہے ہیں انہوں نے کہا کیسا عمل ہے؟ لڑکی نے کہا کہ احمد بن اسحاق نے حضرت امام علی نقی سے روایت کی ہے کہ ۹/ربیع

الاول یوم عید ہے اور ہماری بڑی عید ہے اور ہمارے دوستوں کی عید ہے
 الغرض وہ احمد سے ملے، انہوں نے کہا میں ابھی غسل عید سے فارغ ہوا ہوں
 اور آج عید نہم ہے پھر انہوں نے کہا کہ میں آج حضرت امام حسن عسکری علیہ
 السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، ان کے یہاں انگیٹھی سلگ رہی تھی
 اور تمام گھر کے لوگ اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے خوشبولگائے ہوئے تھے
 میں نے عرض کی ابن رسول اللہ آج کیا کوئی تازہ یوم مسرت ہے فرمایا ہاں آج
 ۹/ ربیع الاول ہے، ہم اہلبیت اور ہمارے ماننے والوں کے لیے یوم عید ہے
 پھر امام علیہ السلام نے اس دن کے یوم عید ہونے اور رسول خدا
 اور امیر المومنین کے طرز عمل کی نشان دہی فرمائی۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے پند سودمند

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے پند و نصائح حکم اور مواعظ میں
 سے مشتی نمونہ از خرواری یہ ہیں:

- ۱ - دو بہترین عادتیں یہ ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھے اور لوگوں کو فائدے پہنچائے۔
- ۲ - اچھوں کو دوست رکھنے میں ثواب ہے۔
- ۳ - تواضع اور فروتنی یہ ہے کہ جب کسی کے پاس سے گزرے تو سلام کرے
 اور مجلس میں معمولی جگہ بیٹھے۔
- ۴ - بلاوجہ ہنسنا جہالت کی دلیل ہے۔
- ۵ - پڑوسیوں کی نیکی کو چھپانا، اور برائیوں کو اچھا لانا ہر شخص کے لیے

- کمر توڑ دینے والی مصیبت اور بے چارگی ہے۔
- ۶۔ یہی عبادت نہیں ہے کہ نماز، روزے کو ادا کرتا رہے، بلکہ یہ بھی اہم عبادت ہے کہ خدا کے بارے میں سوچ و بچار کرے۔
- ۷۔ وہ شخص بدترین ہے جو دو مونہا اور دو زبان ہو، جب دوست سامنے آئے تو اپنی زبان سے خوش کر دے اور جب وہ چلا جائے تو اسے کھا جانے کی تدبیر سوچے، جب اسے کچھ ملے تو یہ حسد کرے اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو قریب نہ پھٹکے۔
- ۸۔ غصہ ہر برائی کی کنجی ہے۔
- ۹۔ حسد کرنے اور کینہ رکھنے والے کو کبھی سکون قلب نصیب نہیں ہوتا۔
- ۱۰۔ پرہیزگار وہ ہے کہ جو شب کے وقت توقف و تدبیر سے کام لے اور ہر امر میں محتاط رہے۔
- ۱۱۔ بہترین عبادت گزار وہ ہے جو فرائض ادا کرتا رہے۔
- ۱۲۔ بہترین متقی اور زاہد وہ ہے جو گناہ مطلقاً چھوڑ دے۔
- ۱۳۔ جو دنیا میں بوئے گا وہی آخرت میں کاٹے گا۔
- ۱۴۔ موت تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے اچھا ہوگے تو اچھا کاٹوگے، برا ہوگے تو ندامت ہوگی۔
- ۱۵۔ حرص اور لالچ سے کوئی فائدہ نہیں جو ملنا ہے وہی ملے گا۔
- ۱۶۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے برکت ہے۔
- ۱۷۔ بیوقوف کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور عقلمند کا منہ اس کے دل میں

ہوتا ہے - ۱۸ - دنیا کی تلاش میں کوئی فریضہ نہ گنوا دینا۔
۱۹ - طہارت میں شک کی وجہ سے زیادتی کرنا غیر ممدوح ہے۔
۲۰ - کوئی کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو جب وہ حق کو چھوڑ دے گا ذلیل
تر ہو جائے گا۔

- ۲۱ - معمولی آدمی کے ساتھ اگر حق ہو تو وہی بڑا ہے۔
۲۲ - جاہل کی دوستی مصیبت ہے۔
۲۳ - غمگین کے سامنے ہنسنا بے ادبی اور بد عملی ہے۔
۲۴ - وہ چیز موت سے بدتر ہے جو تمہیں موت سے بہتر نظر آئے۔
۲۵ - وہ چیز زندگی سے بہتر ہے جس کی وجہ سے تم زندگی کو برا سمجھو۔
۲۶ - جاہل کی دوستی اور اس کے ساتھ گزارا کرنا معجزہ کے مانند ہے۔
۲۷ - کسی کی پڑی ہوئی عادت کو چھڑانا اعجاز کی حیثیت رکھتا ہے۔
۲۸ - تواضع ایسی نعمت ہے جس پر حسد نہیں کیا جاسکتا۔
۲۹ - اس انداز سے کسی کی تعظیم نہ کرو جسے وہ برا سمجھے۔
۳۰ - اپنے بھائی کی پوشیدہ نصیحت کرنی اس کی زینت کا سبب ہوتا۔
۳۱ - کسی کی علانیہ نصیحت کرنا برائی کا پیش خیمہ ہے۔
۳۲ - ہر بلا اور مصیبت کے پس منظر میں رحمت اور نعمت ہوتی ہے۔
۳۳ - میں اپنے و الوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈریں دین کے بارے میں
پرہیزگاری کو شعار بنالیں خدا کے متعلق پوری سعی کریں اور اس کے احکام
کی پیروی میں کمی نہ کریں، سچ بولیں، امانتیں چاہے مون کی ہوں یا کافر کی

، ادا کریں، اور اپنے سجدوں کو طول دیں اور سوالات کے شیریں جواب دیں
 تلاوت قرآن مجید کیا کریں موت اور خدا کے نکر سے کبھی غافل نہ ہوں۔
 ۳۴ - جو شخص دنیا سے دل کا اندھا ٹھے گا، آخرت میں بھی اندھا رہے گا، دل
 کا اندھا ہونا ہماری مودت سے غافل رہنا ہے قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے
 دن ظالم کہیں گے ”رب لما حشرتني اعمى وكنت بصيرا“ میرے پالنے والے ہم
 تو دنیا میں بینا تھے ہمیں یہاں اندھا کیوں اٹھایا ہے جواب ملے گا ہم نے
 جو نشانیاں بھیجی تھیں تم نے انہیں نظر انداز کیا تھا۔ ”لوگو! اللہ کی نعمت اللہ
 کی نشانیاں ہم آل محمد ہیں۔
 ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دوشنبہ کے شروحنوست سے بچنے کے لیے
 ارشاد فرمایا ہے کہ نماز صبح کی رکعت اولیٰ میں سوہ ”ہل اتی“ پڑھنا
 چاہئے، نیز یہ فرمایا ہے کہ نہار منہ خربوزہ نہیں کھانا چاہئے کیونکہ اس سے
 فالج کا اندیشہ ہے (بحار الانوار جلد ۱۴)۔

معتمد عباسی کی خلافت اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی گرفتاری

۲۵۶ ہجری میں معتمد عباسی خلافت مقبوضہ کے تخت پر متمکن ہوا، اس نے
 حکومت کی عنان سنبھالتے ہی اپنے آبائی طرز عمل کو اختیار کرنا اور جدی
 کردار کو پیش کرنا شروع کر دیا اور دل سے اس کی سعی شروع کر دی کہ آل
 محمد کے وجود سے زمین خالی ہو جائے، یہ اگرچہ حکومت کی باگ ڈور اپنے
 ہاتھوں میں لیتے ہی ملکی بغاوت کا شکار ہو گیا تھا لیکن پھر بھی اپنے وظیفے

اور اپنے مشن سے غافل نہیں رہا” اس نے حکم دیا کہ عہد حاضر میں خاندان رسالت کی یادگار، امام حسن عسکری کو قید کر دیا جائے اور انہیں قید میں کسی قسم کا سکون نہ دیا جائے حکم حاکم مرگ مفاجات آخر امام علیہ السلام بلا جرم و خطا آزاد و فضا سے قید خانہ میں پہنچا دیئے گئے اور آپ پر علی بن اوتاش نامی ایک ناصبی مسلط کر دیا گیا جو آل محمد اور آل ابی طالب کا سخت ترین دشمن تھا اور اس سے کہہ دیا گیا کہ جوجی چاہے کرو، تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے ابن اوتاش نے حسب ہدایت آپ پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں اس نے نہ خدا کا خوف کیا نہ پیغمبر کی اولاد ہونے کا لحاظ کیا۔ لیکن اللہ رے آپ کا زہد و تقویٰ کہ دو چار ہی یوم میں دشمن کا دل موم ہو گیا اور وہ حضرت کے پیروں پر پڑ گیا، آپ کی عبادت گزاری اور تقویٰ و طہارت دیکھ کر وہ اتنا متاثر ہوا کہ حضرت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا، آپ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے سر جھکا کر آتا اور چلا جاتا، یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ دشمن بصیرت آگیا بن کر آپ کا معترف اور ماننے والا ہو گیا (اعلام الوری ص ۲۱۸)۔

ابو ہاشم داؤد بن قاسم کا بیان ہے کہ میں اور میرے ہمراہ حسن بن محمد القنتقی و محمد بن ابراہیم عمری اور دیگر بہت سے حضرات اس قید خانہ میں آل محمد کی محبت کے جرم کی سزا بھگت رہے تھے کہ ناگاہ ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے امام زمانہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بھی تشریف لارہے ہیں ہم نے ان کا استقبال کیا وہ تشریف لا کر قید خانہ میں ہمارے پاس بیٹھ گئے،

اور بیٹھتے ہی ایک اندھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو میں تمہیں یہ بتادیتا کہ اندرونی معاملہ کیسے اور تم کب رہا ہو گے لوگوں نے یہ سن کر اس اندھے سے کہا کہ تم ذرا ہمارے پاس سے چند منٹ کے لیے ہٹ جاؤ، چنانچہ وہ ہٹ گیا اس کے چلے جانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ نابینا قیدی نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے حکومت کا جاسوس ہے اس کی جیب میں ایسے کاغذات موجود ہیں جو اس کی جاسوسی کا ثبوت دیتے ہیں یہ سن کر لوگوں نے اس کی تلاشی لی اور واقعہ بالکل صحیح نکلا اب وہاں کہتے ہیں کہ ہم قید کے ایام گزار رہے تھے کہ ایک دن غلام کھانا لایا حضرت نے شام کا لیے کھانا لوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ عصر کے وقت قید خانہ سے برآمد ہو گئے۔ (اعلام الوری ص ۲۱۴)۔

اسلام پر امام حسن عسکری کا احسان عظیم واقعہ قحط

امام علیہ السلام قید خانہ ہی میں تھے کہ سامرہ میں جو تین سال سے قحط پڑا ہوا تھا اس نے شدت اختیار کر لی اور لوگوں کا حال یہ ہو گیا کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے بھوک اور پیاس کی شدت نے زندگی سے عاجز کر دیا یہ حال دیکھ خلیفہ معتمد عباسی نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکل کر نماز استسقاء پڑھیں چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا، مگر پانی نہ برس، چوتھے روز بغداد کے نصاریٰ کی جماعت صحرا میں آئی اور ان میں سے ایک راہب نے آسمان کی طرف اپنا ہاتھ بلند کیا، اس کا ہاتھ بلند ہونے کا بادل چھا گئے

اور پانی برسنا شروع ہو گیا اسی طرح اس راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا اور بدستور اس دن بھی باران رحمت کانزول ہوا، یہ دیکھ کر سب کونہایت تعجب ہوا حتیٰ کہ بعض جاہلوں کے دلوں میں شک پیدا ہو گیا، بلکہ ان میں سے اسی وقت مرتد ہو گئے، یہ واقعہ خلیفہ پر بہت شاق گذرا۔ اس نے امام حسن عسکری کو طلب کر کے کہا کہ اے ابو محمد اپنے جد کے کلمہ گویوں کی خبر لو، اور ان کو ہلاکت یعنی گمراہی سے بچاؤ، حضرت امام حسن عسکری نے فرمایا کہ اچھا راہبوں کو حکم دیا جائے کہ کل پھر وہ میدان میں آکر دعائے باران کریں، انشاء اللہ تعالیٰ میں لوگوں کے شکوک زائل کردوں گا، پھر جب دوسرے دن وہ لوگ میدان میں طلب باران کے لیے جمع ہوئے تو اس راہب نے معمول کے مطابق آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا، ناگہاں آسمان پر ابر نمودار ہوئے اور مینہ برسنے لگا یہ دیکھ کر امام حسن عسکری نے ایک شخص سے کہا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز راہب کے ہاتھ میں ملے لے لو، اس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی ہوئی پائی اور اس سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی، انہوں نے راہب سے فرمایا کہ اب تو ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کر اس نے ہاتھ اٹھایا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہو گیا اور دھوپ نکل آئی، لوگ کمال تعجب ہوئے۔

خلیفہ معتمد نے حضرت امام حسن عسکری سے پوچھا، کہ اے ابو محمد یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک نبی کی ہڈی ہے جس کی وجہ سے راہب

اپنے مدعامیں کامیاب ہوتا رہا، کیونکہ نبی کی ہڈی کا یہ اثر ہے کہ جب وہ زیر آسمان کھولی جائے گی، تو بارانِ رحمت ضرور نازل ہوگا یہ سن کر لوگوں نے اس ہڈی کا امتحان کیا تو اس کی وہی تاثیر دیکھی جو حضرت امام حسن عسکری نے بیان کی تھی، اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں کے وہ شکوک زائل ہو گئے جو پہلے پیدا ہو گئے تھے پھر امام حسن عسکری علیہ السلام اس ہڈی کو لے کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے (صواعقِ محرقہ ص ۱۲۴، کشف الغمہ ص ۱۲۹) -/

پھر آپ نے اس ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا (اخبار الدول ص ۱۱۷)۔
 شیخ شہاب الدین قلبونی نے کتاب غرائب و عجائب میں اس واقعہ کو صوفیوں کی کرامات کے سلسلہ میں لکھا ہے بعض کتابوں میں ہے کہ ہڈی کی گرفت کے بعد آپ نے نماز ادا کی اور دعا فرمائی خداوند عالم نے اتنی بارش کی کہ جل تھل ہو گیا اور قحط جاتا رہا۔
 یہ بھی مرقوم ہے کہ امام علیہ السلام نے قید سے نکلتے وقت اپنے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ فرمایا تھا جو منظور ہو گیا تھا، اور وہ لوگ بھی راہب کی ہوا اکھاڑنے کے ہمراہ تھے (نور الابصار ص ۱۵۱)۔
 ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے دعائے باران کی اور آیاتِ توآپ نے فرمایا کہ فلاں ملک کے لیے ہے اور وہ وہیں چلا گیا، اسی طرح کئی بار ہوا پھر وہاں برسنا۔

امام حسن عسکری اور عبیداللہ وزیر معتمد عباسی

اسی زمانہ میں ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام متوکل کے وزیر فتح ابن خاقان کے بیٹے عبیداللہ ابن خاقان جو کہ معتمد کا وزیر تھا ملنے کے لیے تشریف لے گئے اس نے آپ کی بے انتہا تعظیم کی اور آپ سے اس طرح محو گفتگو رہا کہ معتمد کا بھائی موفق دربار میں آیا تو اس نے کوئی پرواہ نہ کی یہ حضرت کی جلالت اور خدا کی دی ہوئی عزت کا نتیجہ تھا۔ ہم اس واقعہ کو عبیداللہ کے بیٹے احمد خاقان کی زبانی بیان کرتے ہیں کتب معتبرہ میں ہے کہ جس زمانہ میں احمد خاقان قم کا والی تھا اس کے دربار میں ایک دن علویوں کا تذکرہ چھڑ گیا، وہ اگرچہ دشمن آل محمد ہونے میں مثالی حیثیت رکھتا تھا لیکن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ میری نظر میں امام حسن عسکری سے بہتر کوئی نہیں ہے ان کی جو وقعت ان کے ماننے والوں اور اراکین دولت کی نظر میں تھی وہ ان کے عہد میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی، سنو! ایک مرتبہ میں اپنے والد عبیداللہ ابن خاقان کے پاس کھڑا تھا کہ ناگاہ دربان نے اطلاع دی کہ امام حسن عسکری تشریف لائے ہوئے ہیں وہ اجازت داخل چاہتے ہیں یہ سن کر میرے والد نے پکار کر کہا کہ حضرت ابن الرضا کو آنے دو، والد نے چونکہ کنیت کے ساتھ نام لیا تھا اس لیے مجھے سخت تعجب ہوا، کیونکہ اس طرح خلیفہ یا ولیعہد کے علاوہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا تھا اس کے بعد ہی میں نے دیکھا کہ ایک صاحب جو سبزرنگ، خوش قامت، خوب صورت، نازک اندام جوان تھے، داخل ہو گئے جن کے چہرے

سے رعب و جلال ہویداتھا میرے والدکی نظر جونہی ان کے اوپر پڑی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھے اور انہیں سینے سے لگا کر ان کے چہرہ اور سینے کا بوسہ دیا اور اپنے مصلے پر انہیں بٹھایا اور کمال ادب سے ان کی طرف مخاطب رہے، اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہتے تھے میری جان آپ پر قربان ائے فرزند رسول۔ اسی اثناء میں دربان نے آکر اطلاع دی کہ خلیفہ کا بھائی موفق آیا ہے میرے والد نے کوئی توجہ نہ دی، حالانکہ اس کا عموما یہ انداز رہتا تھا کہ جب تک واپس نہ چلا جائے دربار کے لوگ دورویہ سر جھکائے کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ موفق کے غلامان خاص کو اس نے اپنی نظروں سے دیکھ لیا، انہیں دیکھنے کے بعد میرے والد نے کہا یا ابن رسول اللہ اگر اجازت ہو تو موفق سے کچھ باتیں کر لوں حضرت نے وہاں سے اٹھ کر روانہ ہو جانے کا ارادہ کیا میرے والد نے انہیں سینے سے لگایا اور دربانوں کو حکم دیا کہ انہیں دو مکمل صفوں کے درمیان سے لے جاؤ کہ موفق کی نظر آپ پر نہ پڑے چنانچہ اسی انداز سے واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد میں نے خادموں اور غلاموں سے کہا کہ وائے ہوتم نے کنیت کے ساتھ کس کانام لے کر اسے میرے والد کے سامنے پیش کیا تھا جس کی اس نے اس درجہ تعظیم کی جس کی مجھے توقع نہ تھی ان لوگوں نے پھر کہا کہ یہ شخص سادات علویہ میں سے تھا اس کانام حسن بن علی اور کنیت ابن الرضا ہے، یہ سن کر میرے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی

اور میں دن بھر اسی غصہ میں بھنتا رہا کہ علوی سادات کی میرے والد نے اتنی عزت و توقیر کیوں کی یہاں تک کہ رات آگئی۔ میرے والد نماز میں مشغول تھے جب وہ فریضہ عشاء سے فارغ ہوئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے پوچھا اے احمد اس وقت آنے کا سبب کیا ہے ، میں نے عرض کی کہ اجازت دیجیے تو میں کچھ پوچھوں، انہوں نے فرمایا جوجی چاہے پوچھو میں نے کہا یہ شخص کون تھا ؟ جو صبح آپ کے پاس آیا تھا جس کی آپ نے زبردست تعظیم کی اور ہر بات میں اپنے کو اور اپنے ماں باپ کو اس پر سے فدا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ ائے فرزند یہ رافضیوں کے امام ہیں ان کا نام حسن بن علی اور ان کی مشہور کنیت ابن الرضا ہے یہ فرما کر وہ تھوڑی دیر چپ رہے پھر بولے اے فرزند یہ وہ کامل انسان ہے کہ اگر عباسیوں سے سلطنت چلی جائے تو اس وقت دنیا میں اس سے زیادہ اس حکومت کا مستحق کوئی نہیں ہے یہ شخص عفت زہد، کثرت عبادت، حسن اخلاق، صلاح، تقویٰ وغیرہ میں تمام بنی ہاشم سے افضل و اعلیٰ ہے اور اے فرزند اگر تو ان کے باپ کو دیکھتا تو حیران رہ جاتا وہ اتنے صاحب کرم اور فاضل تھے کہ ان کی مثال بھی نہیں تھی یہ سب باتیں سن کر میں خاموش تو ہو گیا لیکن والد سے حد درجہ ناخوش رہنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ ابن الرضا کے حالات کا تفحص کرنا اپنا شیوہ بنالیا۔ اس سلسلہ میں میں نے بنی ہاشم ، امراء لشکر، منشیان دفتر قضاة اور فقہاء اور عوام الناس سے حضرت کا حالات کا استفسار کیا سب کے نزدیک حضرت

ابن الرضا كوجليل القدر اور عظيم پايا اور سب نے بالاتفاق يهبي بيان كيا كه اس مرتبه اور ان خوبيوں كا كوئى شخص كسى خاندان ميں نهين بهے جب ميں نے برايک دوست اور دشمن كو حضرت كے بيان اخلاق اور اظهار مكارم اخلاق ميں متفق پاياتو ميں بهي ان كادل سے ماننے والا بهوگيا اور اب ان كي قدر و منزلت ميرے نزديك بهے انتهابهے يه سن كر تمام اهل دربار خاموش بهوگئے البتہ ايک شخص بول اٹها كه ائے احمد تمهاري نظر ميں ان كے برادر جعفر كي كيا حيثيت بهے احمد نے كهيا كه ان كے مقابله ميں اس كا كيا ذكر كرتے بهو وه تو علانيه فسق و فجور كا ارتكاب كرتاتها، دائم الخمرتها خفيف العقل تھا، انواع ملاهبي و مناهبي و مارتكب بوتاتها۔

ابن الرضا كے بعد جب خليفه معتمد سے اس نے ان كي جانشيني كا سوال كيا تو اس نے اس كے كردار كي وجه سے اسے دربار سے نكلوا دياتها (مناقب ابن آشوب جلد ۵ ص ۱۲۴ ، ارشاد مفيد ص ۵۰۵) ۔ بعض علماء نے لكها بهے كه يه گفتگو امام حسن عسكري كي شهادت كے ۱۸/ سال بعد ماه شعبان ۲۷۸ هجري كي بهے (دمعه ساكبه ص ۱۹۲ جلد ۳ طبع نجف اشرف)۔

امام حسن عسكري عليه السلام كي شهادت

امام يازدهم حضرت امام حسن عسكري عليه السلام قيد و بند كي زندكي گزارنے كے دوران ميں ايک دن اپنے خادم ابوالاديان سے ارشاد فرماتے بهوئے كه تم

جب اپنے سفرمدائن سے ۱۵ / یوم کے بعد پلٹو گے تو میرے گھر سے شیون
 وبکاکی آواز آتی ہوگی (جلاء العیون ص ۲۹۹) -
 نیز آپ کا یہ فرمانا بھی معقول ہے کہ ۲۶۰ ہجری میں میرے ماننے والوں کے
 درمیان انقلاب عظیم آئے گا (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۷۷) -
 الغرض امام حسن عسکری علیہ السلام کو بتاریخ یکم ربیع الاول ۲۶۰ ہجری
 معتمد عباسی نے زہر دلوادیا اور آپ ۸ / ربیع الاول ۲۶۰ ہجری کو جمعہ کے دن
 بوقت نماز صبح خلعت حیات ظاہری اتار کر بطرف ملک جاودانی رحلت
 فرما گئے ”انالله وانا الیہ راجعون“ (صواعق محرقہ ص ۱۲۴ ، فصول المہمہ
 ، ارجح المطالب ص ۲۶۴ ، جلاء العیون ص ۲۹۶ ، انوار الحسینیہ جلد ۳ ص
 ۱۲۴) -
 علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے علاوہ
 کوئی اولاد نہیں چھوڑی (مطالب السؤل ص ۲۹۲ ، صواعق محرقہ ص ۱۲۴
 ، نور الابصار ارجح المطالب ۴۶۲ ، کشف الغمہ ص ۱۲۶ ، اعلام الوری ص
 ۲۱۸) -

چودہ ستارے

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام

امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سلسلہ عصمت محمدیہ کی چودھویں اور سلک امامت علویہ کی بارہویں کڑی ہیں آپ کے والد ماجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور والدہ ماجدہ جناب نرجس (۱) خاتون تھیں۔

آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات ہیں۔ آپ بچپن ہی میں علم و حکمت سے بھرپور تھے۔ (صواعق محرقہ #۲۴۱) آپ کو پانچ سال کی عمر میں ورسی ہی حکمت دے دی گئی تھی، جسے حضرت عیسیٰ کو ملی تھی اور آپ بطن مادر میں اسی طرح امام قرار دئے گئے تھے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی قرار پائے تھے۔ (کشف الغمہ ص ۱۳۰) آپ انبیاء سے بہتر ہیں۔ (اسعاف الراغبین ص ۱۲۸) آپ کے متعلق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار پے شے ن گوئیاں فرمائی ہیں اور اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ حضور کی عترت اور حضرت فاطمہ الزہرا کی اولاد سے ہوں گے۔ ملاحظہ ہو جامع صغیر سیوطی ص ۱۶۰ طبع مصر و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۸۴ طبع مصر و کنوز الحقائق ص ۱۲۲ و مستدرک جلد ۴ ص ۵۲۰ و مشکوٰۃ شریف) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام مہدی کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ ان کے پے چھے نماز پڑھیں گے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری پ ۱۴ ص ۳۹۹ و صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۵ صحیح ترمذی ص ۲۷۰ و صحیح ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۰ و صحیح ابن ماجہ ص ۳۴ و ص ۳۰۹ و جامع

صغیر ص ۱۳۴ و کنوز الحقائق ص ۹۰) آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ امام مہدی میرے خلیفہ کی حیثیت سے ظہور کریں گے اور ے ختم الدین بہ کما فتح بنا جس طرح میرے ذرے عہ سے دین اسلام کا آغاز ہوا۔ اسی طرح ان کے ذرے عہ سے مہر اختتام لگادی جائے گی۔ ملاحظہ ہو کنوز الحقائق ص ۲۰۹ آپ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ امام مہدی کا اصل نام میرے نام کی طرح محمد اور کنیت مہری کنیت کی طرح ابوالقاسم ہوگی وہ جب ظہور کریں گے توساری دنیا کو عدل وانصاف سے اسی طرح پر کر دیں گے جس طرح وہ اس وقت ظلم وجور سے بھری ہوگی۔ ملاحظہ ہو جامع صغیر ص ۱۰۴ و مستدرک امام حاکم ص ۴۲۲ و ۴۱۵ ظہور کے بعد ان کی فوراً بیعت کرنی چاہے کے ونکہ وہ خدا کے خلیفہ ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ اردو ص ۲۶۱ طبع کراچی ۱۳۷۷ ہج)۔

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ شعبان ۲۵۵ ہج ےوم جمعہ بوقت طلوع فجر واقع ہوئی ہے جسے سا کہ (وفیات الاعیان، روضة الاحباب، تاریخ ابن الوردی، ے نابع المودة، تاریخ کامل طبری، كشف الغمہ، جلال العیون، اصول کافی، نور الابصار، ارشاد، جامع عباسی، اعلام الوری، اور انوار الحسینہ وغیرہ میں موجود ہے) بعض علما کا کہنا ہے کہ ولادت کا سن ۲۵۶ ہج اور ما دہ ُ تاریخ نور ہے (یعنی آپ شب برات کے

اختتام پر بوقت صبح صادق عالم ظہور و شہود میں تشریف لائے ہیں ۔
 #۱ نرجس ایک ۷منی بوٹی کو کہتے ہیں جس کے پھول کی شعراً آنکھوں
 سے تشبیہ دیتے ہیں (المنجد ص ۸۶۵) منہی الادب جلد ۴ ص ۲۲۲۷ میں
 ہے کہ یہ جملہ دخل اور معرب یعنی کسی دوسری زبان سے لایا گیا ہے ۔
 صراح ص ۴۲۵ اور العماط صدق حسن ص ۴۷ میں ہے کہ یہ لفظ نرجس
 ، نرگس سے معرب ہے جو کہ فارسی ہے ۔ رسالہ آج کل لکھنؤ کے سالنامہ
 ۱۹۴۷ کے ص ۱۱۸ میں ہے کہ یہ لفظ ۷ونانی نرکسوس سے معرب ہے ،
 جسے لاطینی میں نرکسس اور انگریزی میں نرس سس کہتے ہیں ۔ ۱۲
 حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی جناب حکمہ خاتون کا
 بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس
 گنتو آپ نے فرمایا کہ اے پھوپھی آپ آج ہمارے ہی گھر مینرہے کے ونکہ
 خداوند عالم مجھے آج ایک وارث عطا فرمائے گا ۔ میں نے کہا کہ یہ فرزند کس
 کے بطن سے ہوگا ۔ آپ نے فرمایا کہ بطن نرجس سے متولد ہوگا ، جناب
 حکمہ نے کہا : بے ٹے! میں تو نرجس میں کچھ بھی حمل کے آثار نہیں
 پاتی ، امام نے فرمایا کہ اسے پھوپھی نرجس کی مثال مادر موسیٰ جے سی ہے
 جس طرح حضرت موسیٰ کا حمل ولادت کے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہوا
 ۔ اسی طرح میرے فرزند کا حمل بھی بروقت ظاہر ہوگا غرض کہ میں امام کے
 فرمانے سے اس شب وہیں رہی جب آدھی رات گذر گئی تو میں اٹھی
 اور نماز تہجد میں مشغول ہو گئی اور نرجس بھی اٹھ کر نماز تہجد پڑھنے لگی ۔

اس کے بعد میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ صبح قرےب ہے اور امام حسن عسکری علیہ السلام نے جو کہاتھا وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا ، اس خیال کے دل میں آتے ہی امام علیہ السلام نے اپنے حجرہ سے آواز دی : اے پھوپھی جلدی نہ کے جئے ، حجت خدا کے ظہور کا وقت بالکل قرےب ہے یہ سن کر میں نرجس کے حجرہ کی طرف پلٹی ، نرجس مجھے راستے ہی میں ملے ، مگر ان کی حالت اس وقت متغے رتھی ، وہ لرزہ بر اندام تھیں اور ان کا سارا جسم کانپ رہا تھا ، میں نے یہ دیکھ کر ان کو اپنے سے سے لپٹالیا ، اور سورہ قل ہوا اللہ ، انا انزلنا و اءة الكرسي پڑھ کر ان پر دم کیا بطن مادر سے بچے کی آواز آنے لگی ، یعنی میں جو کچھ پڑھتی تھی ، وہ بچہ بھی بطن مادر میں وہی کچھ پڑھتا تھا اس کے بعد میں نے دے کہا کہ تمام حجرہ روشن و منور ہو گیا ۔ اب جو میں دے کہتی ہوں تو ایک مولود مسعود زمین پر سجدہ میں پڑا ہوا ہے میں نے بچہ کو اٹھالیا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے حجرہ سے آواز دی اے پھوپھی ! میرے فرزند کو میرے پاس لائے میں لے گئی آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا ، اور زبان در دہان دے کر اور اپنی زبان بچے کے منہ میں دے دی اور کہا کہ اے فرزند ! خدا کے حکم سے کچھ بات کرو ، بچے نے اس آیت : بسم اللہ الرحمن الرحیم و نرے دان نمں علی اللذین استضعفوا فی الارض و نجعلہم الوارثین کی تلاوت کی ، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو زمین پر کمزور کر دئے گئے ہیں اور ان کو امام بنائے اور انہیں کوروئے زمین کا وارث قرار دیں ۔

اس کے بعد کچھ سبڑطائروں نے آکر ہمیں گھے رلیا ،امام حسن عسکری نے ان میں سے ایک طائر کوبلایا اور بچے کودے تے ہوئے کہا کہ خدہ فاحفظہ الخ اس کولے جا کر اس کی حفاظت کرو یہانتک کہ خدا اس کے بارے میں کوئی حکم دے کے ونکہ خدا اپنے حکم کو پورا کر کے رہے گا میں نے امام حسن عسکری سے پوچھا کہ یہ طائر کون تھا اور دوسرے طائر کون تھے ؟ آپ نے فرمایا کہ جبرئیل تھے ،اور دوسرے فرشتگان رحمت تھے اس کے بعد فرمایا کہ اے پھوپھی اس فرزند کو اس کی ماں کے پاس لے آتا کہ اس کی آنکھیں خنک ہوں اور محزون و مغوم نہ ہو اور یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے واکثر ہم لائے علمون لے کن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے ۔ اس کے بعد اس مولود مسعود کو اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا گیا (شواہد النبوة ص ۲۱۲ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء علامہ حائری لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد آپ کو جبرئیل پرورش کے لئے اٹھا کر لے گئے (غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۷۵) کتاب شواہد النبوت اور وفيات الاعیان و روضة الاحباب میں ہے کہ جب آپ پے داہوے تو مختون اور ناف برے دہ تھے اور آپ کے داہنے بازو پر یہ آیت منقوش تھی جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا یعنی حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کے قابل تھا ۔ یہ قدرتی طور پر بحر متقارب کے دو مصرعے بن گئے ہیں حضرت نسیم امروہوی نے اس پر کیا خوب تظمین کی ہے وہ لکھتے ہیں #

چشم و چراغ دے دہ نرجس

عین خدا کی آنکھ کاتارا
بدر کمال نے مہ شعبان
چودھواں اختر اوج بقا کا
حامی ملت ماحی بدعت
کفر مٹانے خلق میں آیا
وقت ولادت ماشاء اللہ
قرآن صورت دے کھ کے بولا
جاء الحق وزهق الباطل
ان الباطل کان زهوقا

محدث دہلوی شیخ عبدالحق اپنی کتاب مناقب ائمہ اطہار میں لکھتے ہیں کہ
حکے مہ خاتون جب نرجس کے پاس آئے تو دے کھا کہ ایک مولود ہے داہوا
ہے ، جو مختون اور مفروغ منہ ہے یعنی جس کا ختنہ کیا ہوا ہے اور نہلانے
دھلانے کے کاموں سے جو مولود کے ساتھ ہوتے ہیں بالکل مستغنی ہے ۔
حکے مہ خاتون بچے کو امام حسن عسکری کے پاس لائیں ، امام نے بچے
کولیا اور اس کی پشت اقدس اور چشم مبارک پر ہاتھ پھے را اپنی زبان مطہران
کے منہ میں ڈالی اور داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی یہی
مضمون فصل الخطاب اور بحار الانوار میں بھی ہے ، کتاب روضة الاحباب
ے نابع المودة میں ہے کہ آپ کی ولادت بمقام سرمن رائے سامرہ میں ہوئی ہے

-

کتاب کشف الغمہ ص ۱۳۰ میں ہے کہ آپ کی ولادت چھپائی گئی اور پوری سعی کی گئی کہ آپ کی پے دائے ش کسی کو معلوم نہ ہوسکے ، کتاب دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۹۴ میں ہے کہ آپ کی ولادت اس لئے چھپائی گئی کہ بادشاہ وقت پوری طاقت کے ساتھ آپ کی تلاش میں تھا اسی کتاب کے ص ۱۹۲ میں ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت حجت کو قتل کر کے نسل رسالت کا خاتمہ کر دے۔ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ بادشاہ وقت معتز باللہ تھا ، تذکرہ خواص الامۃ میں ہے کہ اسی کے عہد میں امام علی نقی کو زہر دیا گیا تھا۔ معتز کے بارے میں مورخین کی رائے کچھ اچھی نہیں ہے۔ ترجمہ تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی کے ص ۳۶۳ میں ہے کہ اس نے اپنے عہد خلافت میں اپنے بھائی کو ولی عہدی سے معزول کرنے کے بعد کوڑے لگوائے تھے اور تاحیات قے د میں رکھا تھا۔ اکثر تواریخ میں ہے کہ بادشاہ وقت معتمد بن متوکل تھا جس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو زہر سے شہید کیا۔ تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۶۷ میں ہے کہ خلفہ معتمد بن متوکل کمزور متلون مزاج اور عے ش پسند تھا۔ یہ عیاشی اور شراب نوشی میں بسر کرتا تھا ، اسی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں ہے کہ معتمد حضرت امام حسن عسکری کو زہر سے شہید کرنے کے بعد حضرت امام مہدی کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا تھا۔

آپ کا نسب نامہ

آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ ابن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی و فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، یعنی آپ فرزند رسول ، دلہند علی اور نور نظر بتول علیہم السلام ہیں ۔ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اس سلسلہ نسب کے اسماء کو اگر کسی مجنون پر دم کر دیا جائے تو اسے رے قے نا شفا حاصل ہوگی (مسند امام رضا ص ۷) آپ سلسلہ نسب ماں کی طرف سے حضرت شمعون بن حمون الصفاوصی حضرت عیسیٰ تک پہنچتا ہے ۔ علامہ مجلسی اور علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کی والدہ جناب نرجس خاتون تھیں ، جن کا ایک نام ”ملکہ“ بھی تھا ، نرجس خاتون رے شوعا کی بیٹی تھیں ، جو روم کے بادشاہ ”قے صر“ کے فرزند تھے جن کا سلسلہ نسب وصی حضرت عیسیٰ جناب شمعون تک منہی ہوتا ہے ۔ ۱۳ سال کی عمر میں قے صر روم نے چاہا تھا کہ نرجس کا عقد اپنے بھتے جے سے کر دے لے کن بعض قدرتی حالات کی وجہ سے وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا ، بالآخر ایک اے سا وقت آگیا کہ عالم ارواح میں حضرت عیسیٰ ، جناب شمعون حضرت محمد مصطفیٰ ، جناب امیر المومنین اور حضرت فاطمہ بمقام قصر قے صر جمع ہوئے ، جناب سے وہ نے نرجس خاتون کو اسلام کی تلقین کی اور آنحضرت صلعم نے بتوسط حضرت عیسیٰ جناب شمعون سے امام حسن عسکری کے لئے نرجس خاتون کی خواستگاری کی ، نسبت کی تکمیل کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے ایک نوری منبر پر بے ٹھہ کر عقد پڑھا اور کمال مسرت کے ساتھ یہ محفل

نشاط برخواست ہوگئی جس کی اطلاع جناب نرجس کو خواب کے طور پر ہوئی ، بالآخر وہ وقت آیا کہ جناب نرجس خاتون حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں آپہنچیں اور آپ کے بطن مبارک سے نور خدا کا ظہور ہوا۔ (کتاب جلال العیون ص ۲۹۸ وغایۃ المقصود ص ۱۷۵)۔

آپ کا اسم گرامی :

آپ کانام نامی واسم گرامی ”محمد“ اور مشہور لقب ”مہدی“ ہے علمائے کاکہنا ہے کہ آپ کانام زبان پر جاری کرنے کی ممانعت ہے علامہ مجلسی اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”حکمت آن مخفی است“ اس کی وجہ پوشیدہ اور غہرمعلوم ہے۔ (جلال العیون ص ۲۹۸) علماء کابیان ہے کہ آپ کایہ نام خود حضرت محمد مصطفیٰ نے رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب وے نابع المودۃ۔ مورخ اعظم ذاکر حسین تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۱ میں لکھتے ہیں کہ ”آنحضرت نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ قریش سے ہوں گے آپ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں جب دنیا ظلم وجور سے بھرجائے گی ،تومیری اولاد میں سے مہدی کاظہور ہوگا جو ظلم وجور کو دور کرکے دنیا کو عدل وانصاف سے بھردے گا۔ شرک و کفر کو دنیا سے نابود کردے گا ، نام ”محمد“ اور لقب ”مہدی“ ہوگا حضرت عیسیٰ آسمان سے اترکر اس کی نصرت کریں گے اور اس کے پےچھے نماز پڑھیں گے ، اور دجال کو قتل کریں گے۔

آپ کی کنیت :

اس پر علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ کی کنیت ” ابوالقاسم “ اور آپ ابو عبد اللہ تھی اور اس پر بھی علماء متفق ہیں کہ ابوالقاسم کنیت خود سرور کائنات کی تجویز کردہ ہے۔ ملاحظہ ہو جامع صغیر ص ۱۰۴ تذکرہ خواص الامۃ ۲۰۴ روضة الشہداء ص ۴۳۹ صواعق محرقة ص ۱۳۴ شواہد النبوت ص ۳۱۲ ، کشف الغمہ ص ۱۳۰ جلال العون ص ۲۹۸ ۔ یہ مسلمات سے ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مہدی کانام مے رانام اور ان کی کنیت مے ری کنیت ہوگی۔ لے کن اس روایت میں بض اہل اسلام نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مہدی کے باپ کانام میرے والد محترم کانام ہوگا مگر ہمارے راوےوں نے اس کی روایت نہیں کی اور خود ترمذی شریف مینبھی ” اسم ابیہ اسم ابی “ نہیں ہے ، تاہم بقول صاحب المناقب علامہ کنجی شافعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ روایت میں لفظ ” ابیہ “ سے مراد ابو عبد اللہ الحسین ہیں۔ یعنی اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ امام مہدی حضرت امام حسین کی اولاد سے ہیں۔

آپ کے القاب :

آپ کے القاب مہدی ، حجة الله ، خلف الصالح ، صاحب العصر ، صاحب الامر ، والزمان القائم ، الباقي اور المنتظر ہیں۔ ملاحظہ ہو تذکرہ خواص الامۃ ۲۰۴ ، روضة الشہداء ص ۴۳۹ ، کشف الغمہ ۱۳۱ ، صواعق محرقة ۱۲۴ ، مطالب

السؤال ۲۹۴، اعلام الوری ۲۴ حضرت دانیال نبی نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت سے ۱۴۲۰ سال پہلے آپ کا لقب منتظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب دانیال باب ۱۲ آیت ۱۲۔ علامہ ابن حجر مکی، المنتظر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہیں منتظر یعنی جس کا انتظار کیا جائے اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سرداب میں غائب ہو گئے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے گئے (مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کا انتظار کر رہے ہیں، شیخ العراقین علامہ شیخ عبدالرضا تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو منتظر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کی غیبت کی وجہ سے آپ کے مخلصین آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (انوار الحسینیہ جلد ۲ ص ۵۷ طبع بمبئی)۔

آپ کا حلیہ مبارک

کتاب اکمال الدین میں شیخ صدوق فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام مہدی، شکل و شبہت خلق و خلق شمائل و خصائل، اقوال و افعال میں میرے مشابہ ہوں گے۔ آپ کے حلیہ کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ آپ کا رنگ گندگون، قدمیانہ ہے۔ آپ کی پے شانی کھلی ہوئی ہے اور آپ کے ابرو گھنے اور باہم پے وستہ ہیں۔ آپ کی ناک بارےک اور بلند ہے آپ کی آنکھیں بڑی اور آپ کا چہرہ نہایت نورانی ہے۔ آپ کے داہنے رخسارہ پر ایک تل ہے ”کانہ کوکب دری“ جو ستارہ کی مانند چمکتا ہے، آپ کے دانت چمکدار اور کھلے ہوئے ہیں۔ آپ

کی زلفوں کندھوں پرپڑی رہتی ہیں۔ آپ کا سہ نہ چوڑا اور آپ کے کندھے کھلے ہوئے ہیں آپ کی پشت پر اسی طرح مہر امامت ثبت ہے جس طرح پشت رسالت مآب پر مہر نبوت ثبت تھی (اعلام الوری ص ۲۶۵ وغایۃ المقصود جلد ۱ ص ۶۴ ونور الابصار ص ۱۵۲)۔

تین سال کی عمر میں حجت اللہ ہونے کا دعویٰ :

کتب تورائخ و سہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پرورش کاکام جناب جبرئیل علیہ السلام کے سپرد تھا اور وہ ہی آپ کی پرورش و پرداخت کرتے تھے ظاہر ہے کہ جو بچہ ولادت کے وقت کلام کر چکا ہو اور جس کی پرورش جبرئیل سے مقرب فرشتہ کے سپرد ہو وہ بے قہر دنیا میں چند دن گزارنے کے بعد بہر صورت اس صلاحیت کا مالک ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے حجت اللہ ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ احمد ابن اسحاق اور سعد الاشقری ایک دن حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ آج امام علیہ السلام سے یہ دریافت کریں گے کہ آپ کے بعد حجت اللہ فی الارض کون ہوگا، جب سامنا ہوا تو امام حسن عسکری نے فرمایا کہ اے احمد! تم جو دل میں لے کر آئے ہو میں اس کا جواب تمہیں دے دے دوں، یہ فرما کر آپ اپنے مقام سے اٹھے اور اندھا کرے واپس آئے کہ آپ کے کندھے پر ایک نہایت خوب صورت بچہ تھا، جس کی عمر تین سال کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اے احمد! میرے بعد

حجت خدایہ ہوگا اس کانام محمد اور اس کی کنیت ابوالقاسم ہے یہ خضر کی طرح زندہ رہے گا۔ اور ذوالقرنین کی طرح ساری دنیا پر حکومت کرے گا۔ احمد بن اسحاق نے کہا مولا! کوئی ایسی علامت بتادے جئے کہ جس سے دل کو اطمینان کامل ہو جائے۔ آپ نے امام مہدی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، بے تبا! اس کو تم جواب دو۔ امام مہدی علیہ السلام نے کمسنی کے باوجود بزبان فصیح فرمایا: ”انا حجة الله وانا بقية الله“۔ میں ہی خدا کی حجت اور حکم خدا سے باقی رہنے والا ہوں، ایک وہ دن آئے گا جس میں دشمن خدا سے بدلہ لوں گا، یہ سن کر احمد خوش و مسرور اور مطمئن ہو گئے (کشف الغمہ ۱۳۸)

پانچ سال کی عمر میں خاص خاص اصحاب سے آپ کی ملاقات

عقوب بن مقوش و محمد بن عثمان عمری و ابی ہاشم جعفری اور موسیٰ بن جعفر بن وہب بغدادی کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی مولا! آپ کے بعد امر امامت کس کے سپرد ہوگا اور کون حجت خدا قرار پائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے فرزند محمد میرے بعد حجت اللہ فی الارض ہوگا ہم نے عرض کی مولا ہمیں ان کی زیارت کروادے جئے آپ نے فرمایا وہ پردہ جو سامنے آوےختہ ہے اسے اٹھاؤ۔ ہم نے پردہ اٹھا یا، تو اس سے ایک نہایت خوب صورت بچہ جس کی عمر پانچ سال تھی برآمد ہوا، اور وہ آکر امام حسن عسکری کی آغوش میں

بے ٹھ گیا۔ ا امام نے فرمایا کہ یہی ہے رافرزند میرے بعد حجت اللہ ہوگا محمد بن عثمان کا کہنا ہے کہ ہم اس وقت چالے س افراد تھے اور ہم سب نے ان کی زیارت کی ۔ امام حسن عسکری نے اپنے فرزند امام مہدی کو حکم دیا کہ وہ اندرواپس چلے جائیں اور ہم سے فرمایا : ”شما اورا نخواہد دے د غے رازامروز “ کہ اب تم آج کے بعد پھر اسے نہ دے کھ سکو گے ۔ چنانچہ اے سابی ہوا ، پھر غیبت شروع ہو گئی (کشف الغمہ ص ۱۳۹ وشواہد النبوت ص ۲۱۳) علامہ طبرسی اعلام الوری کے ص ۲۴۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آئمہ کے نزدک محمد اور عثمان عمری دونوں ثقہ ہیں ۔ پھر اسی صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ابوہارون کا کہنا ہے کہ میں نے بچپن میں صاحب الزمان کو دے کھا ہے ”کانہ القمر لة البدر “ ان کا چہرہ چودھوے رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا ۔

امام مہدی نبوت کے آئینہ میں

علامہ طبرسی بش بحوالہ حضرات معصومین علیہم السلام تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام میں بہت سے انبیاء کے حالات وکے فیات نظر آتے ہیں ۔ اور جن واقعات سے مختلف انبیاء کو دوچار ہونا پڑا ۔ وہ تمام واقعات آپ کی ذات ستودہ صفات میں دکھا ئی دے تے ہیں مثال کے لئے حضرت نوح ، حضرت ابراہیم ، حضرت موسیٰ ، حضرت عیسیٰ ، حضرت ایوب ، حضرت یونس ، حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کولے لے جئے اور

ان کے حالات پر غور کے لئے ، آپ کو حضرت نوح کی طویل زندگی نصیب ہوئی حضرت ابراہیم کی طرح آپ کی ولادت چھپائی گئی ۔ اور لوگوں سے کنارہ کش ہو کر روپوش ہونا پڑا ۔ حضرت موسیٰ کی طرح حجت کے زمین سے اٹھ جانے کا خوف لاحق ہوا ، اور انہوں نے ولادت کی طرح آپ کی ولادت بھی پوشیدہ رکھی گئی ، اور انہوں نے ماننے والوں کی طرح آپ کے ماننے والوں کو آپ کی غیبت کے بعد ستایا گیا ۔ حضرت عیسیٰ کی طرح آپ کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا حضرت اےروب کی طرح تمام امتحانات کے بعد آپ کو فرج و کشائش نصیب ہوگی ۔ حضرت یوسف کی طرح عوام اور خواص سے آپ کی غیبت ہوگئی حضرت یونس کی طرح غیبت کے بعد آپ کا ظہور ہوگا یعنی جس طرح وہ اپنی قوم سے غائب ہو کر بڑھاپے کے باوجود نوجوان تھے ۔ اسی طرح آپ کا جب ظہور ہوگا تو آپ چالیس سالہ جوان ہوں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ کی طرح آپ صاحب السلف ہوں گے ۔ (اعلام الوری ص ۲۶۴ طبع بمبئی ۱۳۱۲ ہجری)

امام حسن عسکری کی شہادت :

امام مہدی علیہ السلام کی عمر ابھی صرف پانچ سال کی ہوئی تھی کہ خلفہ معتمد بن متوکل عباسی نے مدتوں قید رکھنے کے بعد امام حسن عسکری کو زبردستی ۔ جس کی وجہ سے آپ بتاریخ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ ہجری مطابق ۸۷۳ء بعمر ۲۸ سال رحلت فرما گئے ”و خلف من الولد ابنہ محمد“

اور آپ نے اولاد میں صرف امام محمد مہدی کو چھوڑا۔ (نور الابصار ص ۱۵۲
دمعة الساكبة ص ۱۹۱) علامہ شلنجبی لکھتے ہیں کہ جب آپ کی شہادت کی
خبر مشہور ہوئی، توسارے شہر سامرہ میں ہلچل مچ گئی، فریاد و فغان کی
آوازیں بلند ہو گئیں، سارس شہر میں ہڑتال کردی گئی۔ یعنی ساری
دکانیں بند ہو گئیں۔ لوگوں نے اپنے کاور بار چھوڑ دئے۔ تمام بنی ہاشم
حکام دولت، منشی، قاضی، ارکان عدالت اعیان حکومت اور عامہ خلائق
حضرت کے جنازے کے لئے دوڑ پڑے، حالت یہ تھی کہ شہر سامرہ قیامت
کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تجھے زاور نماز سے فراغت کے بعد آپ کو اسی مکان
میں دفن کر دیا گیا جس میں حضرت امام علی نقی علیہ مدفون تھے۔
نور الابصار ص ۱۵۲ و تاریخ کامل صواعق محرقہ و فصول مہمہ، جلال العرون
ص ۲۹۶) علامہ محمد باقر فرماتے ہیں کہ امام حسن عسکری کی وفات کے بعد
نماز جنازہ حضرت امام مہدی علیہ السلام نے پڑھائی، ملاحظہ ہو، دمعه
ساكبة جلد ۳ ص ۱۹۲ و جلال العرون ص ۲۹۷) علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ
نماز کے بعد آپ کو بہت سے لوگوں نے دے کھا اور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا
(اعلام الوری ص ۲۴۲) علامہ ابن طاؤس کا بیان ہے کہ ۸ ربیع الاول
کو امام حسن عسکری کی وفات واقع ہوئی اور ۹ ربیع الاول سے حضرت
حجت کی امامت کا آغاز ہوا ہم ۹ ربیع الاول کو جو خوشی مناتے ہیں اس کی
ایک وجہ یہ بھی ہے (کتاب اقبال) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ ۹ ربیع
الاول کو عمر بن سعد بدست مختار آل محمد قتل ہوا ہے۔ (زاد المعاد ص ۵۸۵)

جو عبے دالله بن زیاد کا سپہ سالار تھا جس کے قتل کے بعد آل محمد نے پورے طور پر خوشی منائی۔ (بحار الانوار و مختار آل محمد) کتاب دمعہ ساکبہ کے ص ۱۹۲ میں ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ۲۵۹ ہجری میں اپنی والدہ کوحج کے لئے بھیج دیا تھا، اور فرمادیا تھا کہ ۲۶۰ ہجری میں مہدی کی شہادت ہو جائے گی اسی سن میں آپ نے حضرت امام مہدی کو جملہ تبرکات دے دئے تھے اور اسم اعظم وغیرہ تعلیم کر دیا تھا (دمعہ ساکبہ و جلال العرون ص ۲۹۸) انہیں تبرکات میں حضرت علی کا جمع کیا ہوا وہ قرآن بھی تھا جو ترتیب نزولی پر سرور کائنات کی زندگی میں مرتب کیا گیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء و اتقان) اور جسے حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں بھی اس لئے رائج نہ کیا تھا کہ اسلام میں دو قرآن رواج پا جائیں گے۔ اور اسلام میں تفرقہ پڑ جائے گا (ازالۃ الخلفاء ۲۷۳) میرے نزدیک اسی سن میں حضرت نرجس خاتون کا انتقال بھی ہوا ہے اور اسی سن میں حضرت نے غیبت اختیار فرمائی ہے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اور اس کی ضرورت :

بادشاہ وقت خلفہ معتمد بن متوکل عباسی جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح ظلم و ستم کا خوگر اور آل محمد کا جانی دشمن تھا۔ اس کے کانوں میں مہدی کی ولادت کی بھنک پڑ چکی تھی۔ اس نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد تکفیر و تدفیر سے پہلے بقول علامہ مجلسی

حضرت کے گھر پر پولے سے کاچھاپہ ڈلوایا اور چاہا کہ امام مہدی علیہ السلام کو گرفتار کرالے لے کن چونکہ وہ بحکم خدا ۲۳ رمضان المبارک ۲۵۹ ہجری کو سرداب میں جا کر غائب ہو چکے تھے۔ جسے کہ شواہد النبوت، نور الابصار، دمعة ساکبہ، روضة الشہداء، مناقب الائمہ، انوار الحسینیہ وغیرہ سے مستفاد و مستنبط ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اسے دستیاب نہ ہوسکے۔ اس نے اس کے رد عمل میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی تمام بی بیوں کو گرفتار کرالیا اور حکم دیا کہ اس امر کی تحقیق کی جائے کہ آیا کوئی ان میں سے حاملہ تو نہیں ہے اگر کوئی حاملہ ہو تو اس کا حمل ضائع کر دیا جائے، کہے و نہ کہ وہ حضرت سرور کائنات صلعم کی پے شے ن گوئی سے خائف تھا کہ آخری زمانہ میں مے را ایک فرزند جس کا نام مہدی ہوگا۔ کائنات عالم کے انقلاب کا ضامن ہوگا۔ اور اسے یہ معلوم تھا کہ وہ فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا لہذا اس نے آپ کی تلاش اور آپ کے قتل کی پوری کوشش کی۔ تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۱ میں ہے کہ ۲۶۰ میں امام حسن عسکری کی شہادت کے بعد جب معتمد خلع فہ عباسی نے آپ کے قتل کرنے کے لئے آدمی بھیجے تو آپ سرداب (۱) ” سرمن رائے “ میں غائب ہو گئے بعض اکابر علماء اہل سنت بھی اس امر میں شے عوں کے ہم زبان ہیں۔ چنانچہ ملا جامی نے شواہد النبوت میں امام عبدالوہاب شعرانی نے لواقع الانوار والے واقعات والجواہر میں اور شیخ احمد محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکہ میں اور خواجہ پارسا نے فصل الخطاب میں اور عبدالحق محدث

دہلوی نے رسالہ ائمہ طاہرین میں اور جمال الدین محدث نے روضة الاحباب میں ، اور ابو عبد اللہ شامی صاحب کفاۃ الطالب نے کتاب التبیان فی اخبار صاحب الزمان میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرۃ خواص الامہ میں اور ابن صباغ نور الدین علی مالکی نے فصول المہمہ میں اور کمال الدین ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں اور شاہ ولی اللہ نے فضل المبین میں اور شیخ سلیمان حنفی نے نابع المودۃ میں اور بعض دیگر علما نے بھی اے ساہی لکھا ہے اور جو لوگ ان حضرت کے طول عمر میں تعجب کرکے انکار کرتے ہیں - ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے کچھ بے دہن ہیں جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے اور عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیداکیا ، تمام اہل اسلام نے حضرت خضر کو اب تک زندہ مانا ہوا ہے ، ادرےس بہشت میں اور حضرت عیسیٰ آسمان پر اب تک زندہ مانے جاتے ہیں اگر خدائے تعالیٰ نے آل محمد میں سے ایک شخص کو عمر عنایت کیا تو تعجب کیا ہے ؟ حالانکہ اہل اسلام کو دجال کے موجود ہونے اور قرعہ قیامت ظہور کرنے سے بھی انکار نہیں ہے ۔

(۱) یہ سرداب ، مقام ”سرمین رائے“ میں واقع ہے جسے اصل میں سامرا کہتے ہیں

سامرا کی آبادی بہت ہی قدیمی ہے اور دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے ، اس سام بن نوح نے آباد کیا تھا (معجم البلدان) اس کی اصل سام راہ تھی بعد میں سامرا ہو گیا ، اب وہاکی عمدگی کی وجہ سے خلیفہ معتمد نے

فوجی کے مپ بنا کر آباد کیا تھا اور اسی کو دارالسلطنت بھی بنا دیا تھا ، اس کی آبادی ۸ فرسخ لمبی تھی ، اسے اس نے نہایت خوبصورت شہر بنا دیا تھا ۔ اسی لئے اس کا نام سرمن رائے رکھ دیا تھا یعنی وہ شہر جسے جو بھی دے کھے خوش ہو جائے ، عسکری اسی کا ایک محلہ ہے جس میں امام علی نقی علیہ السلام نظر بند تھے بعد میں انہوں نے دلے ل بن ے عقوب نصرانی سے ایک مکان خرے دیا تھا جس میں اب بھی آپ کا مزار مقدس واقع ہے ۔

سامر امیں ہمے شہ غے رشے عہ آبادی رہی ہے اس لئے اب تک وہاں شے عہ آباد نہیں ہیں وہاں کے جملہ خدام بھی غے رشے عہ ہیں ۔

حضرت حجت علیہ السلام کے غائب ہونے کا سرداب وہیں ایک مسجد کے کنارے واقع ہے جو کہ حضرت امام علی نقی اور حضرت امام حسن عسکری کے مزار اقدس کے قرےب ہے ۱۲ منہ۔

کتاب شواہد النبوت کے ص ۶۸ میں ہے کہ خاندان نبوت کے گیارہوے امام حسن عسکری ۲۶۰ میں زہر سے شہے دکر دئے گئے تھے ان کی وفات پر ان کے صاحبزادے محمد ملقب بہ مہدی شے عوں کے آخری امام ہوئے مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ خاندان رسالت کے ان اماموں کے حالات نہایت دردناک ہیں ۔ ظالم متوکل نے حضرت امام حسن عسکری کے والد ماجد امام علی نقی کو مدینہ سے سامرہ پکڑ بلایا تھا ۔ اور وہاں ان کی وفات تک ان کو نظر بند رکھا تھا ۔ (پھر زہر سے ہلاک کر دیا تھا) اسی طرح متوکل کے جائشے نوں نے بدگمانی اور حسد کے مارے حضرت امام حسن عسکری

کو قے درکھاتھا ، ان کے کمسن صاحبزادے محمدالمہدی جن کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت پانچ سال کی تھی ۔ خوف کے مارے اپنے گھر کے قرےب ہی ایک غار میں چھپ گئے اور غائے ہو گئے ۔ الخ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ جس غار میں امام مہدی کی غیبت بتائی جاتی ہے ۔ اسے میں نے اپنی آنکھوں سے دےکھا ہے ۔ (نورالابصار جلد ۱ ص ۱۵۲) علامہ ابن حجر مکی کا ارشاد ہے ، کہ امام مہدی سرداب میں غائب ہوئے ہیں ۔ ” فلم ے عرف اےن ذھب “ پھر معلوم نہیں کہاں تشریف لے گئے ۔ (صواعق محرقة ص ۱۲۴) ۔

غیبت امام مہدی پر علماء اہل سنت کا اجماع :

جمہور علماء اسلام امام مہدی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں ، اس میں شے عہ اور سنی کا سوال نہیں ۔ ہر فرقہ کے علماء یہ مانتے ہیں کہ آپ پے دا ہوچکے ہیں اور موجود ہیں ہم علماء اہل سنت کے اسماء مع ان کی کتابوں اور مختصر اقوال کے درج کرتے ہیں :

(۱) ۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کتاب مطالب السؤال میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی سامرہ میں پے دا ہوئے ہیں جو بغداد سے ۲۰ فرسخ کے فاصلہ پر ہے ۔

(۲) ۔ علامہ علی بن محمد صباغ مالکی کی کتاب فصول المہمہ میں لکھتے ہیں کہ امام حسن عسکری گیارہویں امام نے اپنے بے ٹے امام مہدی کی ولادت بادشاہ وقت کے خوف سے پرشے دہ رکھی ۔

- (۳) - علامہ شیخ عبداللہ بن احمد خشاب کی کتاب تاریخ موالد میں ہے کہ امام مہدی کانام محمد اورکنےت ابوالقاسم ہے۔ آپ آخری زمانہ میں ظہور و خروج کریں گے۔
- (۴) - علامہ محی الدین ابن عربی حنبلی کی کتاب فتوحات مکہ میں ہے کہ جب دنیا ظلو و جور سے بھر جائے گی تو امام مہدی ظہور کریں گے۔
- (۵) - علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب الہ واقعت والجواہر میں ہے کہ امام مہدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ ہجری میں پے دابوئے اب اس وقت یعنی ۹۵۸ ہجری میں ان کی عمر ۷۰۶ سال کی ہے، یہی مضمون علامہ بدخشانی کی کتاب مفتاح النجاة میں بھی ہے۔
- (۶) - علامہ عبدالرحمن جامی حنفی کی کتاب شواہد النبوت میں ہے کہ امام مہدی سامرہ میں پے دابوئے ہیں اور ان کی ولادت پوشے دہ رکھی گئی ہے وہ امام حسن عسکری کی موجودگی میں غائب ہو گئے تھے۔ اسی کتاب میں ولادت کاپورا واقعہ حکمہ خاتون کی زبانی مندرج ہے۔
- (۷) - علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب مناقب الائمہ ہے کہ امام مہدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ میں پے دابوئے ہیں امام حسن عسکری نے ان کے اذان واقامت کہی ہے اور تھوڑے عرصہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ اس مالک کے سپرد ہو گئے جن کے پاس حضرت موسیٰ بچنے مینتھے۔
- (۸) - علامہ جمال الدین محدث کی کتاب روضة الاحباب میں ہے کہ امام مہدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ میں پے دابوئے اور زمانہ معتمد عباسی میں بمقام

”سرمن رائے“ از نظر برابرایا غائب شد لوگوں کی نظر سے سرداب میں غائب ہو گئے ۔

(۹) ۔ علامہ عبدالرحمن صوفی کی کتاب مرآة الاسرار میں ہے کہ آپ بطن

نرجس سے ۱۵ شعبان ۲۵۵ میں پے داہوئے ۔

(۱۰) ۔ علامہ شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحر مواج کی کتاب

بداية السعداء میں ہے کہ خلافت رسول حضرت علی کے واسطہ سے امام

مہدی تک پہنچی آپ ہی آخری امام ہیں ۔

(۱۱) ۔ علامہ نصر بن علی جہمی کی کتاب موالے دلائمہ میں ہے کہ امام

مہدی نرجس خاتون کے بطن سے پے داہوئے ۔

(۱۲) ۔ علامہ ملا علی قاری کی کتاب مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ امام

مہدی بابوئے امام ہیں شے عوں کایہ کہنا غلط ہے کہ اہل سنب اہل بت کے

دشمن بنے۔

(۱۳) ۔ علامہ جواد ساباطی کی کتاب براہے ن ساباطیہ میں ہے کہ امام مہدی

اولاد فاطمہ میں سے ہیں ، وہ بقولے ۲۵۵ میں متولد ہو کر ایک عرصہ کے بعد

غائب ہو گئے ہیں ۔

(۱۴) ۔ علامہ شیخ حسن عراقی کی تعریف کتاب الواقع میں ہے کہ

انہونے امام مہدی سے ملاقات کی ہے ۔

(۱۵) ۔ علامہ علی خواص جن کے متعلق شعرانی نے الے واقعات میں لکھا

ہے کہ انہونے امام مہدی سے ملاقات کی ہے ۔

(۱۶) - علامہ شیخ سعد الدین کاکہناہے کہ امام مہدی پے دابوکر غائب ہوگئے

ہیں ”دور آخر زمانہ آشکار گرد“ اور وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے جسے ساکھ

کتاب مقصد اقصیٰ میں لکھا ہے -

(۱۷) - علامہ علی اکبر ابن اسعد اللہ کی کتاب مکاشفات میں ہے کہ آپ

پے دابوکر قطب ہوگئے ہیں -

(۱۸) - علامہ احمد بلاذری الحادے لکھتے ہیں کہ آپ پے دابوکر محبوب

ہوگئے ہیں -

(۱۹) - علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسالہ نوار د میں ہے، محمد بن

حسن (المہدی) کے بارے میں شے عوں کاکہنا درست ہے -

(۲۰) - علامہ شمس الدین جزری نے بحوالہ مسلسلات بلاذری اعتراف

کیا ہے -

(۲۱) - علامہ علاء الدولہ احمد منانی صاحب تاریخ خمے س در احوالی النفس

نفسے س اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ امام مہدی غیبت کے بعد ابدال پھر قطب

ہوگئے۔

علامہ نور اللہ بحوالہ کتابیان الاحسان لکھتے ہیں کہ امام مہدی تکمیل صفات

کے لئے غائب ہوئے ہیں

۲۴ علامہ ذہبی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ امام مہدی ۲۵۶ میں

پے دابوکر معدوم ہوگئے ہیں

۲۵ علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ میں ہے کہ امام مہدی

- المنتظر پے داہوکر سرداب میں غائب ہو گئے ہیں ۔
- ۲۶ علامہ عصر کی کتاب وفیات الایان کی جلد ۲ ص ۴۵۱ میں ہے کہ امام مہدی کی عمر امام حسن عسکری کی وفات کے وقت ۵ سال تھی وہ سرداب میں غائب ہو کر پھر واپس نہیں ہوئے ۔
- ۲۷ علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرۃ الخواص الامہ کے ص ۲۰۴ میں ہے کہ آپ کالقہ القائم ، المنتظر، الباقی ہے ۔
- ۲۸ علامہ عبید اللہ امرتسری کی کتاب ارجح المطالب کے ص ۳۷۷ میں بحوالہ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان مرقوم ہے کہ آپ اسی طرح زندہ باقی ہیں جس طرح عیسیٰ ، خضر، الیاس وغیرہ ہم زندہ اور باقی ہیں ۔
- ۲۹ علامہ شیخ سلیمان تمندوزی نے کتاب منابع المودۃ ص ۳۹۳ میں
- ۳۰ علامہ ابن خشاب نے کتاب موالے داہل بیت میں
- ۳۱ علامہ شبلی نجی نے نور الابصار کے ص ۱۵۲ طبع مصر ۱۲۲۲ میں بحوالہ کتاب البیان لکھا ہے کہ امام مہدی غائب ہونے کے بعد اب تک زندہ اور باقی ہیں اور ان کے وجود کے باقی، اور زندہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے وہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ، حضرت خضر اور حضرت الیاس وغیرہم زندہ اور باقی ہیں ان اللہ والوں کے علاوہ دجال، ابلےس بھی زندہ ہیں جے سا کہ قرآن مجید صحیح مسلم، تاریخ طبری وغیرہ سے ثابت ہے لہذا ”لامتناع فی بقائه“ ان کے باقی اور زندہ ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے علامہ چلیپی کتاب کشف الظنون کے ص ۲۰۸ میں لکھتے

ہیں کہ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان ابو عبدالله محمد بن موسیٰ کنجی شافعی کی تصنیف ہے۔ (علامہ فاضل روزبہان کی ابطال الباطل میں ہے کہ امام مہدی قائم ومنتظر ہیں وہ آفتاب کی مانند ظاہر ہو کر دنیا کی تارے کی کفرزائل، کردے گئے۔

۳۱ علامہ علی متقی کی کتاب کنز العمال کی جلد ۷ کے ص ۱۱۴ میں ہے کہ آپ غائب ہیں ظہور کر کے ۹ سال حکومت کریں گے۔
۳۲ علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب درمنشور جلد ۳ ص ۲۳ میں ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد عیسیٰ نازل ہونگے وغیرہ۔

امام مہدی کی غیبت اور آپ کا وجود و ظہور قرآن مجید کی روشنی میں :

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اور آپ کے موجود ہونے اور آپ کے طول عمر نے آپ کے ظہور و شہود اور ظہور کے بعد سارے دین کو ایک کر دینے کے متعلق ۹۴ آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں جن میں سے اکثر دونوں فرقے نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح بے شمار خصوصی احادیث بھی ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو غایۃ المقصود وغایۃ المرام علامہ ہاشم بحرانی اور نایب المودۃ، میں اس مقام پر صرف دو تین آیتیں لکھتا ہوں :

(۱) آپ کی غیبت کے متعلق : ألم ذلک الكتاب لارےب فیہ ہدی للمتقین الذین یرومنون بالغرب ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے مان بالغرب سے امام مہدی کی غیبت مراد ہے۔ نے ک بخت

ہیں وہ لوگ جو ان کی غیبت پر صبر کریں گے اور مبارک باد کے قابل ہیں۔ وہ
سمجھدار لوگ جو غیبت میں بھی ان کی محبت پر قائم رہیں گے۔ (نابع المودۃ
ص ۳۷۰ طبع بمبئی)

(۲) آپ کے موجود اور باقی ہونے کے متعلق ”جعلها کلمۃ باقۃ فی عقبہ“ ہے
ابراہیم کی نسل میں کلمہ باقیہ کو قرار دیا ہے جو باقی اور زندہ رہے گا اس
کلمہ باقیہ سے امام مہدی کا باقی رہنا مراد ہے اور وہی آل محمد میں باقی ہیں
۔ (تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی ص ۲۲۶)۔
0) آپ کے ظہور اور غلبہ کے متعلق ”ظہرہ علی الدین کلہ“ جب امام
مہدی بحکم خدا ظہور فرمائیں گے تو تمام دے نوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے
یعنی دنیا میں سوا ایک دین اسلام کے کوئی اور دین نہ ہوگا
۔ (نور الابصار ص ۱۵۳ طبع مصر)۔

امام مہدی کا ذکر کتب آسمانی میں :

حضرت داؤد کی زبور کی آیت #۴ مرموز ۹۷ میں ہے کہ آخری زمانہ میں
جو انصاف کا جسمہ انسان آئے گا، اس کے سر پر ابرسایہ فگن ہوگا۔ کتاب
صفیائے پے غمبر کے فصل ۳ آیت ۹ میں ہے آخری زمانے میں تمام دنیا
موجود ہو جائے گی کتاب زبور مرموز ۱۲۰ میں ہے جو آخر الزماں آئے گا، اس
پر آفتاب اثر انداز نہ ہوگا۔ صحفہ شعیبے غمبر کے فصل ۱۱ میں ہے کہ جب
نور خدا ظہور کرے گا تو عدل و انصاف کا ڈنکا بجے گا شے را اور بکری ایک

جگہ رہیں گے چے تا اور بزغالہ ایک ساتھ چرےں گے شے را اور گوسالہ ایک ساتھ رہیں گے ،گوسالہ اور مرغ ایک ساتھ ہونگے شے را اور گائے میں دوستی ہوگی ۔ طفل شے را خوار سانپ کب بل میں ہاتھ ڈالے گا اور وہ کاٹے گانہیں پھر اسی صفحہ کے فصل ۲۷ مینہے کہ یہ نور خدا جب ظاہر ہوگا، تو تلوار کے ذرے عہ سے تمام دشمنوں سے بدلہ لے گا صحفہ تتجاس حرف الف میں ہے کہ ظہور کے بعد ساری دنیا کے بت مٹائے جائیں گے ،ظالم اور منافق ختم کردئے جائیں گے یہ ظہور کرنے والا کنے زخدا (نرجس) کا بے ٹاہوگا ۔ تورےت کے سفر انبیامیں ہے کہ مہدی ظہور کریں گے عیسیٰ آسمان سے اترےں گے ،دجال کو قتل کریں گے انجیل میں ہے کہ مہدی اور عیسیٰ دجال اور شیطان کو قتل کریں گے ۔ اسی طرح مکمل واقعہ جس میں شہادت امام حسین اور ظہور مہدی علیہ السلام کا اشارہ ہے ۔انجیل کتاب دانیال باب ۱۲ فصل ۹ آیت ۲۴ روئے #۲ میں موجود ہے (کتاب الوسائل س ۱۲۹ طبع بمبئی ۱۳۳۹ ہجری)۔

امام مہدی کی غیبت کی وجہ :

مذکورہ بالا تحریروں سے علماء اسلام کا اعتراف ثابت ہو چکا یعنی واضح ہو گیا کہ امام مہدی کے متعلق جو عقائد اہل تشیع کے ہیں وہی منصف مزاج اور غےر متعصب اہل تسنن کے علماء کے بھی ہیں اور مقصد اصل کی تائید قرآن کی آیتوں نے بھی کردی ،اب رہی غیبت امام مہدی کی ضرورت اس کے

متعلق عرض ہے کہ :

(۱) اخلاق عالم نے ہدایت خلق کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پے غمبر اور کثیر التعداد ان کے اوصیاء بھے جے پے غمبروں میں سے ایک لاکھ تے س ہزار نوسو ننانوے انبیاء کے بعد چونکہ حضور رسول کریم تشریف لائے تھے لہذا ان کے جملہ صفات و کمالات و معجزات حضرت محمد مصطفیٰ صلعم میں جمع کر دئے تھے اور آپ کو خدانے تمام انبیاء کے صفات کا جلوہ بروار بنایا بلکہ خود اپنی ذات کا مظہر قرار دیا تھا اور چونکہ آپ کو بھی اس دنیائے فانی سے ظاہری طور پر جاناتھا اس لئے آپ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علی کو ہر قسم کے کمالات سے بھرپور کر دیا تھا یعنی حضرت علی اپنے ذاتی کمالات کے علاوہ نبوی کمالات سے بھی ممتاز ہو گئے تھے سرور کائنات کے بعد کائنات عالم صرف ایک علی کی ہستی تھی جو کمالات انبیاء کی حامل تھی آپ کے بعد سے یہ کمالات اوصیاء میں منتقل ہوتے ہوئے امام مہدی تک پہنچے بادشاہ وقت امام مہدی کو قتل کرنا چاہتا تھا اگر وہ قتل ہو جاتے تو دنیا سے انبیاء و اوصیاء کا نام و نشان مٹ جاتا اور سب کی یادگار بے ک ضرب شمشیر ختم ہو جاتی اور چونکہ انہیں انبیاء کے ذرے عہ سے خداوند عالم متعارف ہوا تھا لہذا اس کا بھی ذکر ختم ہو جاتا اس لئے ضرورت تھی کہ اے سی ہستی کو محفوظ رکھا جائے جو جملہ انبیاء اور اوصیاء کی یادگار اور تمام کے کمالات کی مظہر ہو ۔

(۲) خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے ” وجعلها كلمة باقية

فی عقبہ “ ابراہیم کی نسل میں کلمہ باقیہ قرار دیا ہے نسل ابراہیم دو فرزندوں سے چلی ہے ایک اسحاق اور دوسرے اسماعیل ۔ اسحاق کی نسل سے خداوند عالم جناب عیسیٰ کو زندہ و باقی قرار دے کر آسمان پر محفوظ کر چکا تھا ۔ اب بہ مقتضائے انصاف ضرورت تھی کہ نسل اسماعیل سے کسی ایک کو باقی رکھے اور وہ بھی زمین پر کے و نہ آسمان پر ایک باقی موجود تھا ، لہذا امام مہدی کو جو نسل اسماعیل سے ہیں زمین پر زندہ اور باقی رکھا اور انہیں بھی اسی طرح دشمنوں کے شر سے محفوظ کر دیا جس طرح حضرت عیسیٰ کو محفوظ کیا تھا ۔

(۳) یہ مسلمات اسلامی سے ہے کہ زمین حجت خدا اور امام زمانہ سے خالی نہیں رہ سکتی (اصول کافی ۱۰۳ طبع نولکشور) چونکہ حجت خدا اس وقت امام مہدی کے سوا کوئی نہ تھا اور انہیں دشمن قتل کر دے نہ پرتلے ہوئے تھے اس لئے انہیں محفوظ و مستور کر دیا گیا ۔ حدیث میں ہے کہ حجت خدا کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کے ذرے عہ سے روزی تقسیم کی جاتی ہے (بحار)۔

(۴) یہ مسلم ہے کہ حضرت امام مہدی جملہ انبیاء کے مظہر تھے اس لئے ضرورت تھی کہ انہیں کی طرح ان کی غیبت بھی ہوتی یعنی جس طرح بادشاہ وقت کے مظالم کی وجہ سے حضرت نوح ، حضرت ابراہیم ، حضرت موسیٰ ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عہد حیات میں مناسب مدت تک غائب رہ چکے تھے اسی طرح یہ بھی

غائب

رہتے

- ۵) (قیامت کا آنا مسلم ہے اور واقعہ قیامت میں امام مہدی کا ذکر بتاتا ہے کہ آپ کی غیبت مصلحت خداوندی کی بناء پر ہوئی ہے ۔
- ۶) (سورہ انا انزلنا سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملائکہ شب قدر میں ہوتا رہتا ہے یہ ظاہر ہے کہ نزول ملائکہ انبیاء و اوصیاء ہی پر ہوا کرتا ہے ۔ امام مہدی کو اس لئے موجود اور باقی رکھا گیا ہے تاکہ نزول ملائکہ کی مرکزی غرض پوری ہو سکے ، اور شب قدر میں انہیں نذر نزول ملائکہ ہو سکے حدیث میں ہے کہ شب قدر میں سال بھر کی روزی وغیرہ امام مہدی تک پہنچادی جاتی ہے اور وہی اس تقسیم کرتے رہتے ہیں ۔
- ۷) (حکم کافعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا یہ دوسری بات ہے کہ عام لوگ اس حکمت و مصلحت سے واقف نہ ہوں غیبت امام مہدی اسی طرح مصلحت و حکمت خداوندی کی بنا پر عمل میں آئی ہے جس طرح طواف کعبہ ، رمی جمرہ وغیرہ ہے جس کی اصل مصلحت خداوند عالم ہی کو معلوم ہے ۔
- ۸) (امام جعفر صادق علیہ السلام کافر مانا ہے کہ امام مہدی کو اس لئے غائب کیا جائے گا تاکہ خداوند عالم اپنی ساری مخلوق کا امتحان کر کے یہ جانچے کہ نیک بندے کون ہیں اور باطل پرست کون لوگ ہیں (اکمال الدین)۔
- ۹) (چونکہ آپ کو اپنی جان کا خوف تھا اور یہ طے شدہ ہے کہ ”من خاف علی نفسہ احتاج الی الاستتار“ کہ جسے اپنے نفس اور اپنی جان کا خوف ہو وہ پوشیدہ ہونے کو لازمی جانتا ہے (المرتضی)۔

(0) آپ کی غیبت اس لئے واقع ہوئی ہے کہ خداوند عالم ایک وقت معین میں آل محمد پر جو مظالم کے لئے گئے ہیں۔ ان کا بدلہ امام مہدی کے ذریعہ سے لے گا یعنی آپ عہد اول سے لے کر بنی امیہ اور بنی عباس کے ظالموں سے مکمل بدلہ لے لیں گے۔ (اکمال الدین)۔

غیبت امام مہدی جعفر جامعہ کی روشنی میں :

علامہ شیخ قندوزی بلخی حنفی رقمطراز ہیں کہ سدے رصے رفی کا بیان ہے کہ ہم اور فضل بن عمر، ابوبصر، ابان بن تغلب ایک دن صادق آل محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ زمین پر بے ٹھے ہوئے رو رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ”اے محمد! تمہاری غیبت کی خبر نے میرا دل بے چہن کر دیا ہے“ میں نے عرض کی حضور خدا آپ کی آنکھوں کو بھی نہ رلائے بات کیا ہے کس لئے حضور گریہ کنانہیں فرمایا۔ اے سدے! میں نے آج کتاب ”جعفر جامع“ میں بوقت صبح امام مہدی کی غیبت کا مطالعہ کیا ہے، اے سدے! یہ وہ کتاب ہے جس میں ”علم ماکان و مایکون“ کا اندراج ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب اس میں لکھا ہوا ہے اے سدے! میں نے اس کتاب میں یہ دیکھا ہے کہ ہماری نسل سے امام مہدی ہوں گے۔ پھر وہ غائب ہو جائیں گے اور ان کی غیبت نے زعمربہت طویل ہوگی ان کی غیبت کے زمانہ میں مومنین مصائب میں مبتلا ہوں گے اور ان کے امتحانات ہوتے رہیں گے اور غیبت میں تاخیر کی وجہ سے ان کے دلوں میں شکوک

پے داہوتے ہوں گے پھر فرمایا : اے سدے رسنو! ان کی ولادت حضرت موسیٰ کی طرح ہوگی اور ان غیبت عیسیٰ کی مانند ہوگی اور ان کے ظہور کا حال حضرت نوح کے مانند ہوگا اور ان کی عمر حضرت خضر کی عمر جیسی ہوگی (نابع المودۃ) اس حدیث کی مختصر شرح یہ ہے کہ :

(۱) تاریخ میں ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ مے ری سلطنت کا زوال ایک مولود بنی اسرائیل کے ذرے عہ ہوگا تو اس نے حکم جاری کر دیا کہ ملک میں کوئی عورت حاملہ نہ رہنے پائے اور کوئی بچہ باقی نہ رکھا جائے چنانچہ اسی سلسلہ میں ۴۰ ہزار بچے ضائع کئے گئے لے کن نے خدا حضرت موسیٰ کو فرعون کی تمام ترکے بوں کے باوجود پے داکیا، باقی رکھا اور انہیں کے ہاتھوں سے اس کی سلطنت کا تختہ الٹوایا ۔ اسی طرح امام مہدی کے لئے ہوا کہ تمام بنی امیہ اور بنی عباسیہ کی سعی بلے غ کے باوجود آپ بطن نرجس خاتون سے پے داہوتے اور کوئی آپ کو دے کھ تک نہ سکا۔

(۲) حضرت عیسیٰ کے بارے میں تمام یہودی اور نصرانی متفق ہیں کہ آپ کو سولی دے دی گئی اور آپ قتل کئے جاچکے ، لے کن خدا وند عالم نے اس کی رد فرمادی اور کہ دیا کہ وہ نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ ان کو سولی دی گئی ہے یعنی خداوند عالم نے اپنے پاس بلالیہے اور وہ آسمان پر امن و امان خدا میں ہیں ۔ اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں بھی لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ پے داہی نہیں ہوئے حالانکہ وہ پے داہوکر حضرت عیسیٰ کی طرح

غائب ہوچکے ہیں ۔

۳حضرت نوح نے لوگوں کی نافرمانی سے عاجز آکر خدا کے عذاب کے نزول کی درخواست کی خداوند عالم نے فرمایا کہ پہلے ایک درخت لگاؤ وہ پہلے لائے گا تب عذاب کرونگا اسی طرح نوح نے سات مرتبہ کیا بالاخر اس تاخیر کی وجہ سے آپ کے تمام دوست و موالی اور اے مان دار کافر ہو گئے اور صرف ستر مومن رہ گئے۔ اسی طرح غیبت امام مہدی اور تاخیر ظہور کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ لوگ فرامین پر غمرا اور ائمہ علیہم السلام کی تکذیب کر رہے ہیں اور عوام مسلم بلاوجہ اعتراضات کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں اور شاہد اسی وجہ سے مشہور ہے کہ جب دنیا میں چالے س مومن کامل رہ جائیں گے تب آپ کا ظہور ہوگا۔

(0) حضرت خضر جو زندہ اور باقی ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے اور جب کہ حضرت خضر کے زندہ اور باقی رہنے میں مسلمانوں کو کوئی اختلاف نہیں ہے حضرت امام مہدی کے زندہ اور باقی رہنے میں بھی کوئی اختلاف کی وجہ نہیں ہے۔

غیبت صغریٰ و کبریٰ اور آپ کے سفر اُ

آپ کی غیبت کی دو حیثیت تھی، ایک صغریٰ اور دوسری کبریٰ، غیبت صغریٰ کی مدت ۷۵ یا ۷۳ سال تھی۔ اس کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہو گئی غیبت صغریٰ کے زمانے میں آپ کا ایک نائب خاص ہوتا تھا جس کے ذریعہ اہتمام ہر قسم کا نظام چلتا تھا سوال و جواب، خمس و زکوٰۃ

اور دیگر مراحل اسی کے واسطہ طے ہوتے تھے خصوصی مقامات محروسہ
 میں اسی کے ذریعہ اور سفارش سے سفر اُ مقرر کئے جاتے تھے ۔
 سب سے پہلے جنہیں نائب خاص ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ ان کا نام
 نامی واسم گرامی حضرت عثمان بن سعید عمری تھا آپ حضرت امام علی
 نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے معتمد خاص
 اور اصحابِ خالص مینسے تھے آپ قبیلہ بنی اسد سے تھے آپ کی کنیت
 ابو عمر تھی ، آپ سامرہ کے قریب عسکر کے رہنے والے تھے وفات کے بعد
 آپ بغداد میں دروازہ جبلہ کے قریب مسجد میں دفن کئے گئے آپ کی وفات
 کے بعد بحکم امام علیہ السلام آپ کے فرزند، حضرت محمد بن عثمان بن
 سعید اس عظیم منزلت پر فائز ہوئے ، آپ کی کنیت ابو جعفر تھی آپ نے اپنی
 وفات سے ۲ ماہ قبل اپنی قبر کھدوادی تھی آپ کا کہنا تھا کہ میں یہ اس لئے
 کر رہا ہوں کہ مجھے امام علیہ السلام نے بتادیا ہے اور میں اپنی تاریخ وفات
 سے واقف ہوں آپ کی وفات جمادی الاول ۳۰۵ ہجری میں واقع ہوئی ہے
 اور آپ ماں کے قریب بمقام دروازہ کوفہ سرراہ دفن ہوئے ۔ پھر آپ کی وفات
 کے بعد بواسطہ مرحوم حضرت امام علیہ السلام کے حکم سے حضرت حسین
 بن روح بن اس منصب عظیم پر فائز ہوئے ۔ جعفر بن محمد بن عثمان
 سعید کا کہنا ہے ، کہ میرے والد حضرت محمد بن عثمان نے میرے سامنے
 حضرت حسین بن روح کو اپنے بعد اس منصب کی ذمہ داری کے متعلق امام
 علیہ السلام کا پے غام پہنچایا تھا ۔ حضرت حسین بن روح کی کنیت ابو قاسم

تھی آپ محلہ نوبخت کے رہنے والے تھے آپ خفیہ طور پر جملہ ممالک اسلامیہ کا دورہ کیا کرتے تھے آپ دونوں فرقوں کے نزدیک معتمد، ثقہ، صالح اور امین قرار دئے گئے ہیں آپ کی وفات شعبان ۳۲۶ میں ہوئی اور آپ محلہ نوبخت کوفہ میں مدفون ہوئے ہیں آپ کی وفات کے بعد بحکم امام علیہ السلام حضرت علی بن محمد السمری اس عہدہ اُجلے لہ پرفائز ہوئے آپ کی کنیت ابو الحسن تھی، آپ اپنے فرائض انجام دئے رہے تھے، جب وقت قرعہ آیا تو آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنے بعد کا کیا انتظام کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اب آئندہ یہ سلسلہ قائم نہ رہے گا۔ (مجالس المومنین ص ۸۹ و جز ۲ خضرا ص ۶ و انوار الحسینیہ ص ۵۵)۔ ملا جامی اپنی کتاب شواہد النبوت کے ص ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ محمد السمری کے انتقال سے ۶ ۷۰ قبل امام علیہ السلام کا ایک فرمان ناحیہ مقدسہ سے برآمد ہوا۔ جس میں ان کی وفات کا ذکر اور سلسلہ سفارت کے ختم ہونے کا تذکرہ تھا۔ امام مہدی کے خط کے عے ون الفاظ یہ ہیں

بسم اللہ الرحمن ا لرحیم

”یا علی بن محمد عظم اللہ اجراخرانک فے ک فانک مے ت مابے نک و بے ن ستہ ایام فاجمع امرک ولا ترض الی احد ے قوم مقامک بعد وفاتک فقد وقعت الغربة السامة فلا ظہور الا بعد انن اللہ تعالیٰ وذلک بعد طول الامد الخ۔“

ترجمہ : اے علی بن محمد ! خداوند عالم تمہارے بارے میں تمہارے بھائے وں

اور تمہارے اور دوستوں کو اجر جزرے عطا کرے، تمہیں معلوم ہو کہ تم چھ
 ےوم میں وفات پانے والے ہو، تم اپنے انتظامات کرلو۔ اور آئندہ کے لئے اپنا
 کوئی قائم مقام تجویز و تلاش نہ کرو۔ اس لئے کہ غیبت کبری واقع ہوگئی ہے
 اور اذن خدا کے بغیر ظہور ناممکن ہوگا۔ یہ ظہور بہت طویل عرصہ کے بعد
 ہوگا۔

غرض کہ چھ ےوم گذرنے کے بعد حضرت ابوالحسن علی بن محمد السمری
 بتاریخ ۱۵ شعبان ۳۲۹ انتقال فرماگئے۔ اور پھر کوئی خصوصی
 سفے مقرر نہیں ہوا اور غیبت کبری شروع ہوگئی۔

سفر اعمومی کے اسماء

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سفر اعمومی کے اسماء بھی درج ذیل کردئے جائیں
 جو انہیں نواب خاص کے ذریعے اور سفارش سے بحکم امام ممالک
 محروسہ مخصوصہ میں امام علیہ السلام کا کام کرتے تھے اور حضرت کی
 خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔
 (0) بغداد سے حاجز، بلالی، عطار۔ کوفہ سے عاصمی۔ ابواز سے محمد بن
 ابراہیم بن مہر یار۔ ہمدان سے محمد بن صالح۔ رے سے بسامی و اسدی۔
 آذربائے جان سے قسم بن علاء۔ نے شاپور سے محمد بن شاذان۔ قسم سے احمد
 بن اسحاق۔ (غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۲۰)۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کے بعد :

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت چونکہ خداوند عالم کی طرف سے بطور لطف خاص عمل میں آئی تھی، اس لئے آپ خدائی خدمت میں ہمہ تن منہمک ہو گئے اور غائب ہونے کے بعد آپ نے دین اسلام کی خدمت شروع فرمادی۔ مسلمانوں، مومنوں کے خطوط کے جوابات دینے، ان کی بوقت ضرورت رہبری کرنے اور انہیں راہ راست دکھانے کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا ضروری خدمات آپ زمانہ غیبت صغریٰ میں بواسطہ سفر اُ یا بلا وسطہ اور زمانہ غیبت کبریٰ میں بلا واسطہ انجام دیتے رہے اور قیامت تک انجام دیتے رہیں گے۔

۳۰۷ ہجری میں آپ کا حجر اسود نصب کرنا :

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ زمانہ نیابت میں بعہد حسین بن روح، ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ بارادہ حج بغداد گئے اور وہ مکہ معظمہ پہنچ کر حج کرنے کا فیصلہ کئے ہوئے تھے۔ لے کن وہ بغداد پہنچ کر سخت علے ہو گئے۔ اسی دوران میں آپ نے سنا کہ قرامطہ نے حجر اسود کونکال لیا ہے اور وہ اسے کچھ درست کر کے ایام حج میں پھر نصب کرینگے۔ کتابوں میں چونکہ پڑھ چکے تھے کہ حجر اسود صرف امام زمانہ ہی نصب کر سکتا ہے جسے پہلے آنحضرت صلعم نے نصب کیا تھا، پھر زمانہ حجاج میں امام زین العابدین نے نصب کیا تھا۔ اسی بناء پر انہوں نے اپنے ایک کرم فرما ”ابن ہشام“ کے ذریعہ سے ایک خط ارسال کیا اور اسے کہ دیا

کہ جو حجر اسود نصب کرے اسے یہ خط دے دے نا۔ نصب حجر کی لوگ سعی کر رہے تھے لے کن وہ اپنی جگہ پر قرار نہیں لے تاتھا کہ اتنے میں ایک خوبصورت نوجوان ایک طرف سے سامنے آیا اور اس نے اسے نصب کر دیا اور وہ اپنی جگہ پر مستقر ہو گیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوا تو ابن ہشام ان کے پے چھے ہوئے۔ راستہ میں انہوں نے پلٹ کر کہا اے ابن ہشام، تو جعفر بن محمد کا خط مجھے دے دے۔ دے کہ اس میں اس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ اس سے یہ کہہ دے نا کہ وہ ابھی تے س سال اور زندہ رہے گا یہ کہہ کر وہ و نظروں سے غائب ہو گئے۔ ابن ہشام نے سارا واقعہ بغداد پہنچ کر جعفر بن قولویہ سے بیان کر دیا۔ غرض کہ وہ تے س سال کے بعد وفات پا گئے۔ (کشف الغمہ ص ۱۳۳) اسی قسم کے کئی واقعات کتاب مذکور میں موجود ہیں۔

علامہ عبدالرحمن ملا جامی رقمطراز ہیں کہ ایک شخص اسماعیل بن حسن برقلی جو نواحی حلہ میں مقیم تھا اس کی ران پر ایک زخم نمودار ہو گیا تھا جو ہر زمانہ بحار میں ابل آتا تھا جس کے علاج سے تمام دنیا کے اطباء عاجز اور قاصر ہو گئے تھے وہ ایک دن اپنے بے ٹے شمس الدین کو ہمراہ لے کر سے درضی الدین علی بن طاؤس کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے پہلے تو بڑی سعی کی، لے کن کوئی چارہ کار نہ ہوا ہر طبع یہ کہتا تھا کہ یہ پھوڑا ”رگ اکحل“ پر ہے اگر اسے نشتر دیا جائے تو جان کا خطرہ ہے اس لئے اس کا علاج ناممکن ہے۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ ”چون از اطباء ماے وس شدم

عزے مت مشہد شرف سرمن رائے کر دم“ جب میں تمام اطباء سے ماےوس ہو گیا تو سامرہ کے سرداب کے قرےب گیا، اور وہاں پر حضرت صاحب الامر کو متوجہ کیا، ایک شب دریائے دجلہ سے غسل کر کے واپس آرہا تھا کہ چار سوار نظر آئے، ان میں سے ایک نے میرے زخم کے قرےب ہاتھ پھے را اور میں بالکل اچھا ہو گیا میں ابھی اپنی صحت پر تعجب ہی کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک سوار نے جوسفد رےش تھے کہا کہ تعجب کیا ہے تجھے شفادے نے والے امام مہدی علیہ السلام ہیں یہ سن کر میں نے ان کے قدموں کا بوسہ دیا اور وہ لوگ نظروں سے غائب ہو گئے۔ (شواہد النبوت ص ۲۱۴ وکشف الغمہ ص ۱۳۲)۔

اسحاق بن ے عقوب کے نام امام عصر کا خط :

علامہ طبرسی بحوالہ محمد بن ے عقوب کلے نی لکھتے ہیں کہ اسحق بن ے عقوب نے بذرے عہ محمد بن عثمان عمری حضرت امام مہدی علیہ السلام کی خدمت ایک خط ارسال کیا جس میں کئی سوالات مندرج تھے۔ حضرت نے بخط خود جواب تحریر فرمایا اور تمام سوالات کے جوابات تحریرا عنایت فرمائے جس کے اجزاً یہ ہیں :

۱) جو ہمارا منکر ہے، وہ ہم سے نہیں۔

۲) میرے عزے زوں میں سے جو مخالفت کرتے ہیں، ان کی مثال ابن نوح اور برادران ےوسف کی ہے۔

- ۳ (فقاع یعنی جوکی شراب کاپے نا حرام ہے ۔
- ۴ (ہم تمہارے مال صرف اس لئے (بطور خمس قبول کرتے ہیں کہ تم پاک بوجاؤ اور عذاب سے نجات حاصل کرسکو۔
- ۵ (میرے ظہور کرنے اور نہ کرنے کا تعلق صرف خدا سے ہے جو لوگ وقت ظہور مقرر کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں جھوٹ بولتے ہیں ۔
- ۶ (جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسین قتل نہیں ہوئے وہ کافر جھوٹے اور گمراہ ہیں ۔
- ۷ (تمام واقع ہونے والے حوادث میں میرے سفر اُپر اعتماد کرو ، وہ میری طرف سے تمہارے لئے حجت ہیں اور میں حجت اللہ ہوں ۔
- ۸ (” محمد بن عثمان “ امےن اور ثقہ ہیں اور ان کی تحریر میری تحریر ہے ۔
- ۹ (محمد بن علی مہر یار ابوازی کادل انشاء اللہ بہت صاف بوجائے گا اور انہیں کوئی شک نہ رہے گا ۔
- ۱۰ (گانے والی کی اجرت و قیمت حرام ہے ۔
- ۱۱ (محمد بن شاذان بن نے عم ہمارے شے عوں میں سے ہے ۔
- ۱۲ (ابوالخطاب محمد بن ابی زے نب اجدع ملعون ہے اور ان کے ماننے والے بھی ملعون ہیں ۔ میں اور میرے باپ دادا اس سے اور اس کے باپ دادا سے ہمے شہ بے زار رہے ہیں ۔
- ۱۳ (جو ہمارا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پے ٹوں میں آگ بھر رہے ہیں ۔

(۱۴) خمس ہمارے سادات شیعہ کے لئے حلال ہے ۔
 (۱۵) جولوگ دین خدامیں شک کرتے ہیں وہ اپنے خود ذمہ دار ہیں ۔
 (۱۶) مہری غیبت کے وں واقع ہوئی ہے ۔ یہ بات خداکی مصلحت سے متعلق ہے اس کے متعلق سوال بے کار ہے ۔ میرے آباؤ اجداد دنیا والوں کے شکنجہ میں رہے ہیں لے کن خدانے مجھے اس شکنجہ سے بچالیا ہے جب میں ظہور کرونگا بالکل آزاد ہونگا ۔
 (۰) زمانہ غیبت میں مجھ سے فائدہ کیا ہے ؟ اس کے متعلق یہ سمجھ لو کہ مہری مثال غیبت میں وے سی ہے جے سے ابرمیں چھپے ہوئے آفتاب کی ۔ میں ستاروں کی مانند اہل ارض کے لئے امان ہوں تم لوگ غیبت اور ظہور سے متعلق سوالات کا سلسلہ بند کرو اور خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا کرو کہ وہ جلد میرے ظہور کا حکم دے ، اے اسحاق ! تم پر اور ان لوگوں پر مے راسلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرتے ہیں ۔ (اعلام الوری ص ۲۵۸ مجالس المومنین ص ۱۹۰ ، کشف الغمہ ص ۱۴۰)۔

شیخ محمد بن محمد کے نام امام زمانہ کا مکتوب گرامی

علماء کا بیان ہے کہ حضرت امام عصر علیہ السلام نے جناب شیخ مفید ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا ہے ۔ جس میں انہوں نے شیخ مفید کی مدح فرمائی ہے اور بہت سے واقعات سے موصوف کو آگاہ کیا ہے ان کے مکتوب گرامی کا ترجمہ یہ ہے :

میرے نے ک برادر اور لائق محب، تم پر مے راسلام ہو ۔ تمہیں دے نی معاملہ میں خلوص حاصل ہے اور تم ہمارے بارے میں عے ن کامل رکھتے ہو ہم اس خدا کی تعریف کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ ہم درود بھے جتے ہیں حضرت محمد مصطفی اور ان کی پاک آل پر ہماری دعاء ہے کہ خداتمہاری توفے قات دے نی ہمے شہ قائم رکھے اور تمہیں نصرت حق کی طرف ہمے شہ متوجہ رکھے ۔ تم جو ہمارے بارے میں صدق بیانی کرتے رہتے ہو ، خدا تم کو اس کا اجر عطا فرمائے ۔ تم نے جو ہم سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا اور دوستوں کو فائدہ پہونچایا ، وہ قابل مدح و ستائش ہے ۔ ہماری دعائے کہ خداتم کو دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب رکھے ۔ اب ذرا ٹھہرجاؤ ۔ اور جے ساہم کہتے ہیں اس پر عمل کرو ۔ اگرچہ ہم ظالموں کے امکانات سے دور ہیں لے کن ہمارے لئے خدا کافی ہے جس نے ہم کو ہمارے شے عہ مومنین کی بہتری کے لئے ذرائع دکھائے دئے ہیں ۔ جب تک دولت دنیا فاسقوں کے ہاتھ میں رہے گی ۔ ہم کو تمہاری خبریں پہونچتی رہیں گی اور تمہارے معاملات کے متعلق کوئی بات ہم سے پوشے دہ نہ رہے گی ۔ ہم ان لغزشوں کو جانتے ہیں جو لوگوں سے اپنے نے ک اسلاف کے خلاف ظاہر ہو رہی ہیں ۔ (شاید اس سے اپنے چچا جعفر کی طرف اشارہ فرمایا ہے) انہونے اپنے عہدوں کو پس پشت ڈال دیا ہے ، گویا وہ کچھ جانتے ہی نہیں ۔ تاہم ہم ان کی رعایتوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ان کے ذکر بھولنے والے ہیں اگر اے ساہوتا توان پر مصے بتے نازل ہو جاتے اور دشمنوں کو غلبہ حاصل

ہوجاتا، پس ان سے کہو کہ خدا سے ڈرو اور ہمارے امر و نہی کی حفاظت کرو اور اللہ اپنے نور کا کامل کرنے والا ہے، چاہے مشرک کے سے ہی کراہت کریں۔ تقیہ کو پکڑے رہو، میں اس کی نجات کا ضامن ہوں جو خدا کی مرضی کا راستہ چلے گا۔ اس سال جمادی الاول کامہے نہ آئے گا تو اس کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا تمہارے لئے زمین و آسمان سے روشن آیتیں ظاہر ہونگی۔ مسلمانوں کے گروہ حزن و قلق میں بمقام عراق پہنس جائیں گے اور ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے رزق میں تنگی ہو جائے گی پھر یہ ذلت و مصیبت شرعی و دنیا کی ہلاکت کے بعد دور ہو جائے گی۔ ان کی ہلاکت سے نکلے اور متقی لوگ خوش ہوں گے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اسے کام کریں جن سے ان میں ہماری محبت زیادہ ہو۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جب موت آئے کایک آجائے گی تو باب توبہ بند ہو جائے گا اور خدائی قہر سے نجات نہ ملے گی خدا تم کو نے کی پرقائم رکھے، اور تم پر رحمت نازل کرے۔“ میرے خیال میں یہ خط عہد غیبت کبریٰ کا ہے، کے و نکہ شیخ مفید کی ولادت ۱۱ ذیقعدہ ۳۳۶ ہجری ہے اور وفات ۳ رمضان ۴۱۳ میں ہوئی ہے اور غیبت صغریٰ کا اختتام ۱۵ شعبان ۳۲۹ میں ہوا ہے علامہ کبیر حضرت شہد ثالث علامہ نور اللہ شوشتری مجالس المومنین کے ص ۲۰۶ میں لکھتے ہیں کہ شیخ مفید کے مرنے کے بعد حضرت امام عصر نے تین شعر ارسال فرمائے تھے جو مرحوم کی قبر پر کندہ ہیں۔

ان حضرات کے نام جنہوں نے زمانہ غیبت صغریٰ میں امام کو دیکھا ہے

چاروکلانے خصوصی اورسات وکلانے عمومی کے علاوہ جن لوگوں نے حضرت امام عصر علیہ السلام کو دیکھا ہے ان کے اسماء میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

بغداد کے رہنے والوں میں سے (۱) ابوالقاسم بن رئےس (۲) ابو عبدالله ابن فروخ (۳) مسرور الطباخ (۴ - ۵) احمد و محمد پسران حسن (۶) اسحاق کاتب از نوبخت (۷) صاحب الفراء (۸) صاحب الصرة المختومہ (۹) ابوالقاسم بن ابی جلےس (۱۰) ابو عبدالله الکندی (۱۱) ابو عبدالله الجنےدی (۱۲) ہارون الفراز (۱۳) النےلی (ہمدان کے باشندوں میں سے) (۱۴) محمد بن کشمر (۱۵) و جعفر بن ہمدان (دے نور کے رہنے والوں میں سے) (۱۶) حسن بن ہروان (۱۷) احمد بن ہروان (از اصفہان) (۱۸) ابن باز شالہ (از ضےمر) (۱۹) زےدان (از قم) (۲۰) حسن بن نصر (۲۱) محمد بن محمد (۲۲) علی بن محمد بن اسحاق (۲۳) محمد بن اسحاق (۲۴) حسن بن ے عقوب (از ری) (۲۵) قسم بن موسی (۲۶) فرزند قسم بن موسی (۹۲۷ ابن محمد بن ہارون (۲۸) صاحب الحصاقہ (۲۹) علی بن محمد (۳۰) محمد بن ے عقوب کلےنی (۳۱) ابو جعفر الرقا (از قزوین) (۳۲) مرواس (۳۳) علی بن احمد (از فارس) (۳۴) المجروح (از شہزور) (۳۵) ابن الجمال (از قدس) (۳۶) مجروح (از مرو) (۳۷) صاحب الالف دےنار (۳۸) صاحب المال والرقۃ البےضاً (۳۹) ابو ثابت (از نے شاپور) (۴۰) محمد بن شےب بن صالح (از ےمن) (۴۱) فضل

بن برعد (۴۲) حسن بن فضل (۴۳) جعفری (۴۴) ابن الاعجمی (۴۵)
 شمشاطی (ازمصر) (۴۶) صاحب المولودین (۴۷) صاحب المال (۴۸)
 ابورحاً (ازنصیبےن) (۴۹) ابو محمد ابن الوجنا (ازاہواز) (۵۰) الحصےنی
 (عارة المقصود جلد ۱ ص ۱۲۱)۔

زیرت ناحیہ اور اصول کافی :

کہتے ہیں کہ اسی زمانہ غیبت صغری میں ناحیہ مقدسہ سے ایک اےسی
 زیارت برآمد ہوئی ہے جس میں تمام شہدا کربلا کے نام اور انکے قاتلوں کے
 اسمائیں۔ اس ”زیارت ناحیہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ
 بھی کہا جاتا ہے کہ اصول کافی جو کہ حضرت ثقة الاسلام علامہ کلےنی
 المتوفی ۳۲۸ کی ۲۰ سالہ تصنیف ہے وہ جب امام عصر کی خدمت میں
 پیش ہوئی تو آپ نے فرمایا : ” ہذا کاف لشے عتنا۔“ یہ ہمارے شے عوں کے
 لئے کافی ہے زیارت ناحیہ کی تو ثےق بہت سے علماء نے کی ہے جن میں
 علامہ طبرسی اور مجلسی بھی ہیں دعائے سباسب بھی آپ ہی سے مروی ہے۔

غیبت کبری میں امام مہدی کامرکزی مقام :

امام مہدی علیہ السلام چونکہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جس طرح حضرت
 عیسیٰ، حضرت ادرےس، حضرت خضر، حضرت الیاس۔ نے ز دجال بطل،
 یاجوج ماجوج اور ابلیس لعن زندہ اور باقی ہیں اور ان سب کامرکزی مقام
 موجود ہے۔ جہاں یہ رہتے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ چوتھے آسمان پر (قرآن

(مجید) حضرت ادریس جنت میں (قرآن مجید) حضرت خضر اور الیاس، مجمع
 البحرین یعنی دریائے فارس و روم کے درمیان پانی کے قصر میں (عجائب
 القصص علامہ عبدالواحد ص ۱۷۶) اور دجال بطل طبرستان کے جزیرہ
 مغرب میں (کتاب غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۰۲) اور یاجوج ماجوج بحیرہ
 روم کے عقب میں دو پہاڑوں کے درمیان (کتاب غایۃ المقصود جلد ۲ ص ۴۷)
 اور ابلےس لعن، استعمار ارضی کے وقت والے پایۃ تخت ملتان میں (کتاب
 ارشاد الطالبین علامہ اخوند دروہ زہ ص ۲۴۳) تو لامحالہ حضرت امام مہدی
 علیہ السلام کا بھی کوئی مرکزی مقام ہونا ضروری ہے جہاں آپ تشریف
 فرماہوں اور وہاں سے ساری کائنات میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوں اسی
 لئے کہا جاتا ہے کہ زمانہ غیبت میں حضرت امام مہدی علیہ السلام (جزیرہ
 خضر اور بحر اےض) میں اپنی اولاد اپنے اصحاب سمیت قیام فرماہیں
 اور وہیں سے باعجاز تمام کام کیا کرتے اور ہر جگہ پہنچا کرتے ہیں، یہ جزیرہ
 خضر سرزمین ولایت بربر میں درمیان دریائے اندلس واقع ہے یہ جزیرہ
 معمور و آباد ہے، اس دریا کے ساحل میں ایک موضع بھی ہے جو بشکل جزیرہ
 ہے اسے اندلس والے (جزیرہ رفضہ) کہتے ہیں، کےونکہ اس میں ساری
 آبادی شے عونکی ہے اس تمام آبادی کی خوراک وغیرہ جزیرہ خضر سے
 براہ بحر اےض سال میں دو بار ارسال کی جاتی ہے ملاحظہ ہو (تاریخ جہاں
 آرا۔ ریاض العماء، کفایۃ المہدی، کشف القناع، ریاض المومنین، غایۃ
 المقصود، رسالہ جزیرہ خضر و بحر اےض اور مجالس المومنین علامہ

نور اللہ شوشتری و بحار الانوار، علامہ مجلسی کتاب روضة الشهداء علامہ حسین واعظ کاشفی ص ۴۳۹ میں امام مہدی کے اقصائے بلاد مغرب میں ہونے اور ان کے شہروں پر تصرف رکھنے اور صاحب اولادوغے رہ ہونے کا حوالہ ہے۔ امام شبلی نجی علامہ عبدالمومن نے بھی اپنی کتاب نور الابصار کے ص ۱۵۲ میں اس کی طرف بحوالہ کتاب جامع الفنون اشارہ کیا ہے، غیاث اللغات کے ص ۷۲ میں ہے کہ یہ وہ دریا ہے جس کے جانب مشرق چے ن، جانب غربی ے من، جانب شمالی ہند، جانب جنوبی دریائے محے ط واقع ہے۔ اس بحرابے ض واخضر کا طول ۲ ہزار فرسخ اور عرض پانچ سو فرسخ ہے اس مینہت سے جزے زے آباد ہیں جن میں ایک سراندے ب بھی ہے اس کتاب کے ص ۲۹۵ میں ہے کہ ”صاحب الزمان“ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا لقب ہے علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ جس مکان میں رہتے ہیں اسے ”بے ت الحمد“ کہتے ہیں۔ (اعلام الوری ص ۲۶۳)۔

جزیرہ خضراً میں امام علیہ السلام سے ملاقات

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی قیام گاہ جزیرہ خضراً میں جولوگ پہنچے ہیں۔ ان میں سے شیخ صالح، شیخ زین العابدین ملی بن فاضل مازندرانی کانام نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ آپ کی ملاقات کی تصدیق، فضل بن ے حے ی بن علی طبعے عی کوفی و شیخ عالم عامل شیخ شمس الدین نجح حلی و شیخ جلال الدین، عبدالله ابن عوام حلی نے فرمائی ہے۔ علامہ مجلسی نے

آپ کے سفر کی ساری وؤے داد ایک رسالہ کی صورت میں ضبط کیا ہے۔ جس کا مفصل ذکر بحار الانوار میں موجود ہے رسالہ جزیرہ خضراء کے ص ۱ میں ہے کہ شیخ اجل سعے دشہد بن محمد مکی اور سعے رشمس الدین محمد اسد اللہ شوشتری نے بھی تصدیق کی ہے۔ مؤلف کتاب ہذا کہتا ہے کہ حضرت کی ولادت حضرت کی غیبت، حضرت کا ظہور وغیرہ جس طرح رمز خداوندی اور راز الہی ہے اسی طرح آپ کی جائے قیام بھی ایک راز ہے جس کی اطلاع عام ضروری نہیں ہے، واضح ہو کہ کولمبس کے ادراک سے قبل بھی امرے کہ کا وجود تھا۔

امام غائب کا برجگہ حاضر ہونا

احادیث سے ثابت ہے کہ امام علیہ السلام جو کہ مظہر العجائب حضرت علی کے پوتے، ہر مقام پر پہنچتے اور برجگہ اپنے ماننے والوں کے کام آتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ بوقت ضرورت مذہبی لوگوں سے ملتے ہیں لوگ انہیں دے کہتے ہیں یہ اور بات ہے کہ انہیں پہچان نہ سکیں۔ (غایۃ المقصود)۔

امام مہدی اور حج کعبہ

یہ مسلمات مینسے ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہر سال حج کعبہ کے لئے مکہ معظمہ اسی طرح تشریف لے جاتے ہیں جس طرح حضرت خضر والیاس جاتے ہیں (سراج القلوب ۷۷) علی احمد کوفی کا بیان ہے کہ میں

طواف کعبہ میں مصروف و مشغول تھا کہ مے ری نظر ایک نہایت خوبصورت نوجوان پر پڑی ،میں نے پوچھا آپ کون ہیں ؟ اور کہاں سے تشریف لائے ہیں ؟ آپ نے فرمایا ”انا المہدی وانا القائم۔“ میں مہدی آخر الزماں اور قائم آل محمد ہوں ۔ غانم ہندی کا بیان ہے کہ میں امام مہدی کی تلاش میں ایک مرتبہ بغداد گیا، ایک پل سے گزرتے ہوئے مجھے ایک صاحب ملے اور وہ مجھے ایک باغ میں لے گئے اور انہوں نے مجھ سے ہندی زبان میں کلام کیا اور فرمایا کہ تم امسال حج کے لئے نہ جاؤ، ورنہ نقصان پہنچے گا محمد بن شاذان کا کہنا ہے کہ میں ایک دفعہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت امام مہدی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ، انہوں نے مے راپورانام لے کر مجھے پکارا ، چونکہ میرے پورے نام سے کوئی واقف نہ تھا اس لئے مجھے تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں ؟ فرمایا میں امام زمانہ ہوں ۔ علامہ شیخ سلے مان قندوزی بلخی تحریر فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن صالح نے کہا کہ میں نے غیبت کبری کے بعد امام مہدی علیہ السلام کو حجر اسود کے نزدیک اس حال میں کھڑے ہوئے دے کھا کہ انہیں لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ۔ (ے نابع المودۃ -)

زمانہ غیبت کبری میں امام مہدی کی بیعت :

حضرت شیخ عبداللطیف حلبی حنفی کا کہنا ہے کہ میرے والد شیخ ابراہیم حسین کاشمار حلب کے مشائخ عظام میں تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے مصری

استاد نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ (منابع المودع باب ۸۵ ص ۳۹۲)

امام مہدی کی مومنین سے ملاقات :

رسالہ جزیرہ خضرا کے ص ۱۶ میں بحوالہ احادیث آل محمد مرقوم ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سے ہر مومن کی ملاقات ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مومنین انہیں مصلحت خداوندی کی بناء پر اس طرح نہ پہچان سکیں جس طرح پہچاننا چاہے مناسب معلوم ہوتا ہے اس مقام پر میں اپنا ایک خواب لکھ دوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کل جبکہ میں امام زمانہ کے حالات لکھ رہا ہوں حدیث مذکورہ پر نظر ڈالنے کے بعد فوراً ذہن میں یہ خیال پے دابوا کہ مولا سب کو دکھائی دیتے ہیں، لے کن مجھے آج تک نظر نہیں آئے، اس کے بعد میں استراحت پر گیا اور سونے کے ارادے سے لے ٹا بھی نہ آئی تھی اور قطعی طور پر نہ م بے داری کی حالت میں تھا کہ ناگاہ میں نے دے کہا کہ میرے کان سے جانب مشرق تابعد نظرایک قوسی خط پڑا ہوا ہے یعنی شمال کی جانب کاسارا حصہ عالم پہاڑ ہے اور اس پر امام مہدی علیہ السلام برہنہ تلوار لے کھڑے ہیں اور یہ کہتے ہوئے کہ ”نصف دنیا آج ہی فتح کر لوں گا۔“ شمال کی جانب ایک پاؤں بڑھا رہے ہیں آپ کا قد عام انسانوں کے قد سے ڈےوڑھا اور جسم دوہرا ہے، بڑی بڑی سرمگن آنکھیں اور چہرہ انتہائی روشن ہے آپ کے پٹے کٹے ہوئے ہیں اور سارا لباس سفید ہے اور وقت

عصر کا ہے۔

یہ واقعہ ۳۰ نومبر ۱۹۵۸ شب ۷ کسنبہ بوقت ساڑھے چار بجے شب کا ہے۔

ملا محمد باقر داماد کا امام عصر سے استفادہ کرنا :

ہمارے اکثر علماء علمی مسائل اور مذہبی و معاشرتی مراحل حضرت امام مہدی ہی سے طے کرتے آئے ہیں ملا محمد باقر داماد جو ہمارے عظیم القدر مجتہد تھے ان کے متعلق ہے کہ ایک شب آپ نے ضرع نجف اشرف میں ایک مسئلہ لکھ کر ڈالا اس کے جواب میں ان سے تحریرا کہا گیا کہ تمہارا امام زمانہ اس وقت مسجد کوفہ میں نماز گزار ہے تم وہاں جاؤ، وہ وہاں جا پہنچے، خود بخود دروازہ مسجد کھل گیا۔ اور آپ اندر داخل ہو گئے آپ نے مسئلہ کا جواب حاصل کیا اور آپ مطمئن ہو کر برآمد ہوئے۔

جناب بحر العلوم کا امام زمانہ سے ملاقات کرنا :

کتاب قصص العلماء مولفہ علامہ تنکابنی ص ۵۵ میں مجتہد اعظم کربلائی معلیٰ جناب آقا محمد مہدی بحر العلوم کے تذکرہ میں مرقوم ہے کہ ایک شب آپ نماز میں اندرون حرم مشغول تھے کہ اتنے میں امام عصر اپنے اب وجدکی زیارت کے لئے تشریف لائے جس کی وجہ سے ان کی زبان میں لکنت ہوئی اور بدن میں ایک قسم کا رعشہ پے داہو گیا پھر جب وہ واپس تشریف لے گئے تو ان پر جو ایک خاص قسم کی فے ت طاری تھی وہ جاتی رہی۔ اس کے

علاوہ آپ کے اسی قسم کے کئی واقعات کتاب مذکورہ میں مندرج ہیں ۔

امام مہدی علیہ السلام کا حمایت مذہب فرمانا واقعہ انار :

کتاب کشف الغمہ ۱۳۳ میں ہے کہ سے د باقی بن عطوہ امامیہ مذہب کے تھے اور ان کے والد زید خیاں رکھتے تھے ایک دن ان کے والد عطوہ نے کہا کہ میں سخت علے ل ہو گیا ہوں اور اب بچنے کی کوئی امے دنہیں ہر قسم کے اطباء کا علاج کراچکا ہوں، اے نور نظر ! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے تمہارے امام نے شفا دے دی، تو میں مذہب امامیہ اختیار کر لوں گا یہ کہنے کے بعد جب یہ رات کو بستر پر گئے تو امام زمانہ کان پر ظہور ہوا، امام نے مقام مرض کو اپنا ہاتھ سے مس کر دیا اور وہ مرض جاتا رہا عطوہ نے اسی وقت مذہب امامیہ اختیار کر لیا اور رات ہی میں جا کر اپنے فرزند باقی علوی کو خوشخبری دے دی ۔

اسی طرح کتاب جواہر البیان میں ہے کہ بحرین کا والی نصرانی اور اس کا وزیر خارجی تھا، وزیر نے بادشاہ کے سامنے چند تازہ انار پے ش کئے جن پر خلفا کے نام علی الترتیب کندہ تھے اور بادشاہ کو رے ن دلایا کہ ہمارا مذہب حق ہے اور ترتیب خلافت منشأ قدرت کے مطابق درست ہے بادشاہ کے دل میں یہ بات کچھ اس طرح بے ٹھ گئی کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ وزیر کا مذہب حق ہے اور امامیہ راہ باطل پر گامزن ہیں، چنانچہ اس نے اپنے خیال کی تکمیل کے لئے جملہ علما امامیہ کو جو اس کے عہد حکومت تھے

بلا بھے جا اور انھیں انار دکھا کر ان سے کہا کہ اس کی رد میں کوئی معقول
 دل ل لاؤ ورنہ ہم تمہیں قتل کر کے تمام مذہب کو بے رخ و بن سے اکھاڑ دیں گے
 ، اس واقعہ نے علم اکرام مینایک عجب قسم کا بے جان پے دا کر دیا ،
 بالآخر سب علماء آپس میں مشورہ کے بعد اے سے دس علماء پر متفق ہو گئے
 جوان میں نسبتاً مقدس تھے اور پروگرام یہ بنایا کہ جنگل میں ایک ایک عالم
 بوقت شب جا کر امام زمانہ سے استعانت کرے ، چونکہ ایک شب کی مہلت
 و مدت ملی تھی ، اس لئے پرے شانی زیادہ تھی غرض کہ علماء نے جنگل میں
 جا کر امام زمانہ سے فریاد کا سلسلہ شروع کیا۔ دو عالم اپنی اپنی مدت
 ، فریاد و فغاں ختم ہونے پر جب واپس آئے اور تے سرے عالم حضرت محمد بن
 علی کی باری آئی تو آپ نے بدستور صحرا میں جا کر مصلیٰ بچھا دیا ، اور نماز
 کے بعد امام زمانہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لے کن ناکام
 ہو کر واپس آتے ہوئے انھیں ایک شخص راستے میں ملا اس نے پوچھا ۔
 کیا بات ہے کہوں پرے شان ہو ، آپ نے عرض کی امام زمانہ کی تلاش ہے
 اور وہ تشریف لائیں رہے ۔ اس شخص نے کہا : ” انا صاحب
 العصر فاذا کر حاجتک “ میں ہی تمہارا امام زمانہ ہوں ، کہو کیا کہتے ہو محمد بن
 علی نے کہا کہ اگر آپ صاحب العصر ہیں تو آپ سے حاجت بیان کرنے کی
 ضرورت کیا ، آپ کو خود ہی علم ہوگا ۔
 اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ سنو ! وزیر کے فلاں کمرہ میں ایک
 لکڑی کا صندوق ہے اس مٹی کے چند سانچے رکھے ہوئے ہیں جب

انارچھوٹا ہوتا ہے وزیر اس پر سانچہ چڑھادے تا ہے ۔ اور جب وہ بڑھتا ہے تو اس پر وہ نام کندہ ہوجاتے ہیں جو سانچہ میں کندہ ہیں محمد بن علی ! تم بادشاہ کو اپنے ہمراہ لے جا کرو وزیر کے دجل و فریب کو واضح کر دو، وہ اپنے ارادہ سے باز آجائے گا اور وزیر کو سزا دے گا چنانچہ اے سابی کیا گیا اور وزیر برخواست کر دیا گیا ۔ (کتاب بدائع الاخبار ملا اسماعیل سبزواری ص ۱۵۰ و سفینة البحار جلد ۱ ص ۵۳۶ طبع نجف اشرف)۔

امام عصر کا واقعہ کربلا بیان کرنا :

حضرت امام مہدی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ”کھے عص“ کا کیا مطلب ہے تو فرمایا کہ اس میں (ک) سے کربلا (ہ) سے ہلاکت عترت (ی) سے عزم و دلمعون (ع) سے عطش حسینی (ص) سے صبر آل محمد مراد ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ آیت میں جناب زکریا کا ذکر کیا گیا ہے جب زکریا کو واقعہ کربلا کی اطلاع ہوئی تو وہ تین روز تک مسلسل روتے رہے ۔ (تفسیر صافی ص ۲۷۹)۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے طول عمر کی بحث :

بعض مستشرقین و ماہرین اعمار کا کہنا ہے کہ ”جن کے اعمال و کردار اچھے ہوتے ہیں اور جن کا صفائے باطن کامل ہوتا ہے ان کی عمریں طویل ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ علماء فقہاء اور صلحاً کی عمریں اکثر طویل دیکھی گئی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ طول عمر مہدی علیہ السلام کی یہ بھی ایک وجہ ہو، ان

سے قبل جو آئمہ علیہم السلام گزرے وہ شہے دکردئے گئے ، اور ان پر دشمنوں کا دسترس نہ ہوا ، تو یہ زندہ رہ گئے اور اب تک باقی ہیں لے کن میرے نزدک عمر کا تقرر وتعن دست اے زد میں ہے اسے اختیار ہے کہ کسی کی عمر کم رکھے کسی کی زیادہ اس کی معن کردہ مدت عمر مینایک

پل کابھی تفرقہ نہیں ہوسکتا ۔

توارے خ واحادے ث سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے بعض لوگوں کو کافی طویل عمرے عطا کی ہیں ۔ عمر کی طوالت مصلحت خداوندی پر مبنی ہے اس سے اس نے اپنے دوست اور دشمن دونوں کو نواز ا ہے ۔ دوستوں میں حضرت عیسیٰ ، حضرت ادرےس ، حضرت خضر و حضرت الیاس ، اور دشمنوں میں سے ابلےس لعن ، دجال بطل ، یاجوج ماجوج وغے رہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ چونکہ قیامت اصول دےن اسلام سے ہے اور اس کی آمد میں امام مہدی کا ظہور خاص حیثیت رکھتا ہے لہذا ان کا زندہ و باقی رکھنا مقصود ہا ہو ، اور ان کے طول عمر کے اعتراض کو رد اور رفع و دفع کرنے کے لئے اس نے بہت سے افراد کی عمرے طویل کردی ہوں مذکورہ افراد کو جانے دےجئے ۔

عام انسانوں کی عمروں کو دےکھئے بہت سے اے سے لوگ ملے گے جن کی عمرے کافی طویل رہی ہیں ، مثال کے لئے ملاحظہ ہو :

(۱) ۔ لقمان کی عمر ۳۵۰۰ سال ۔ (۲) عوج بن عنق کی عمر ۳۳۰۰ سال اور بقولے ۳۶۰۰ سال ۔ (۳) ذوالقرنےن کی عمر ۳۰۰۰ سال ۔ (۴) حضرت نوح و (۵) ضحاک و (۶) طمہورت کی عمرے ۱۰۰۰ سال ۔ (۷) قےنان کی

عمر ۹۰۰ سال - (۸) مہلائیل کی عمر ۸۰۰ سال (۹) نفل بن عبداللہ کی
عمر ۷۰۰ سال - (۱۰) ربیعہ بن عمر عرف سطیع کاہن کی عمر ۶۰۰ سال -
(۱۱) حاکم عرب عامر بن ضرب کی عمر ۵۰۰ سال - (۱۲) سام بن نوح کی
عمر ۵۰۰ سال - (۱۳) حرث بن مضاض جرہمی کی عمر ۴۰۰ سال - (۱۴)
ارفخشد کی عمر ۴۰۰ سال - (۱۵) درے دبن زے دکی عمر ۴۵۶ سال - (۱۶)
سلمان فارسی کی عمر ۴۰۰ سال - (۱۷) عمرو بن روسی کی عمر ۴۰۰ سال -
(۱۸) زہر بن جناب بن عبداللہ کی عمر ۴۳۰ سال - (۱۹) حرث بن ضیاص کی
عمر ۴۰۰ سال - (۲۰) کعب بن جمجہ کی عمر ۳۹۰ سال - (۲۱) نصر بن دھمان
بن سلے مان کی عمر ۳۹۰ سال - (۲۲) قےس بن ساعدہ کی عمر ۳۸۰ سال -
(۲۳) عمر بن ربیعہ کی عمر ۳۳۳ سال - (۲۴) اکثم بن ضےفی کی عمر ۳۳۶
سال - (۲۵) عمر بن طفیل عدوانی کی عمر ۲۰۰ سال تھی (غایۃ المقصود
ص ۱۰۳ اعلام الوری ص ۲۷۰) ان لوگوں کی طویل عمروں کو دے کھنے کے
بعد ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ ”چونکہ اتنی عمر کا انسان نہیں ہوتا، اس لئے امام
مہدی کا وجود ہم تسلیم نہیں کرتے۔ کےونکہ امام مہدی علیہ السلام کی
عمر اس وقت ۱۳۹۳ ہجری میں صرف گیارہ سواڑتالےس سال کی ہوتی ہے
جو مذکورہ عمروں میں سے لقمان حکم اور ذوالقرنن جےسے مقدس
لوگوں کی عمروں سے بہت کم ہے۔
الغرض قرآن مجید، اقوال علماء اسلام اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام
مہدی پے دابوکر غائب ہو گئے ہیں اور قیامت کے قرےب ظہور کریں گے

، اور آپ اسی طرح زمانہ غیبت میں بھی حجت خدا ہیں جس طرح بعض انبیاء اپنے عہد نبوت میں غائب ہونے کے دوران میں بھی حجت تھے (عجائب القصص ص ۱۹۱) اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ آپ زندہ اور باقی موجود ہیں کے و نہ کہ جس کے پے دا ہونے پر علماء کا اتفاق ہو اور وفات کا کوئی ایک بھی غے ر متعصب عالم قائل نہ ہو اور طویل العمر انسانوں کے ہونے کی مثالیں بھی موجود ہوں تو لامحالہ اس کا موجود اور باقی ہونا ماننا پڑے گا۔ دلے ل منطقی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے لہذا امام مہدی زندہ اور باقی ہیں۔

ان تماشوا بد اور دلائل کی موجودگی میں جن کا ہم نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے ، مولوی محمد امین مصری کا رسالہ ”طلوع اسلام“ کراچی جلد ۱۴ ص ۵۴# و ۹۴# میں یہ کہنا کہ :

”شے عوں کو ابتداء روی زمین پر کوئی ظاہری مملکت قائم کرنے میں کامیابی نہ ہوسکی ، ان کو تکلے فے دی گئے اور پراکندہ اور منتشر کر دیا گیا تو انہوں نے ہمارے خیال کے مطابق امام منتظر اور مہدی وغیرہ کے پر امے دعقائد اے جاد کر لئے تاکہ عوام کی ڈھارس بندھی رہے۔“

اور ملا اخوند دروےزہ کا کتاب ارشاد الطالبین ص ۳۹۶ میں یہ فرمانا کہ :

”ہندوستان میں ایک شخص عبداللہ نامی پے دا ہوگا جس کی بے وی کا لے منہ (آمنہ) ہوگی ، اس کے ایک لڑکا پے دا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا وہی کوفہ جا کر حکومت کرے گا ...

لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ امام مہدی وہی ہیں جو امام حسن عسکری کے فرزند ہیں۔ ا ل خ حد درجہ مضحکہ خیز، افسوس ناک اور حے رت انگے ز بے کے ونکہ علماً فریقین کا اتفاق ہے کہ ”المہدی من ولد الامام الحسن العسکری۔“ امام مہدی حضرت امام حسن عسکری کے بے ٹے ہیں اور ۱۵ شعبان ۲۵۵ کو پے داہوچکے ہیں، ملاحظہ ہو، اسعاف الراغبین، وفيات الاعیان، روضة الاحباب، تاریخ ابن ا لوردی، ے نابع المودة، تاریخ کامل، تاریخ طبری، نور الابصار، اصول کافی، کشف الغمہ، جلال العون، ارشاد مفید، اعلام الوری، جامع عباسی، صواعق محرقہ، مطالب السؤل، شواہد النبوت، ارجح المطالب، بحار الانوار و مناقب وغے رہ۔

حدیث نعتل اور امام عصر :

نعتل ایک یہودی تھا جس سے حضرت عائشہ، حضرت عثمان کوتشبیہ دیا کرتی تھے، اور رسول اسلام علیہ السلام کب بعد فرمایا کرتی تھے : اس نعتل اسلامی کو عثمان کو قتل کر دو۔ (ملاحظہ ہو، نہایة اللغة علامہ ابن ائے رجزری ص ۳۲۱) یہی نعتل ایک دن حضور رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا مجھے اپنے خدا، اپنے دے ن، اپنے خلفاً کا تعارف کرائے اگر میں آپ کے جواب سے مطمئن ہو گیا تو مسلمان ہو جاؤں گا۔ حضرت نے نہایت بلے غ اور بہترین انداز میں خلاق عالم کا تعارف کرایا، اس کے بعد دے ن اسلام کی وضاحت کی۔ ”قال صدقت۔“ نعتل نے کہا آپ نے

بالکل درست فرمایا پھر اس نے عرض کی مجھے اپنے وصی سے آگاہ کے جئے اور بتائے کہ وہ کون ہے یعنی جس طرح ہمارے نبی حضرت موسیٰ کے وصی ےوشع بن نون ہیں اس طرح آپ کے وصی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے وصی علی بن ابی طالب اور ان کے فرزند حسن و حسین پھر حسین کے صلب سے نوبے ٲے قیامت تک ہوں گے۔ اس نے کہا سب کے نام بتائے آپ نے بارہ اماموں کے نام بتائے ناموں کو سننے کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے کتب آسمانی میں ان بارہ ناموں کو اسی زبان کے الفاظ میں دے کہا ہے، پھر اس نے ہر وصی کے حالات بیان کئے، کربلا کا ہونے والا واقعہ بتایا، امام مہدی کی غیبت کی خبر دی اور کہا کہ ہمارے بارہ اسباط مینسے لادی بن برخیا غائب ہو گئے تھے پھر مدتوں کے بعد ظاہر ہوئے اور از سر نو دین کی بنیادیں استوار کیں۔ حضرت نے فرمایا اسی طرح ہمارا بارہواں جانشین امام مہدی محمد بن حسن طویل مدت تک غائب رہ کر ظہور کرے گا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ (غایۃ المقصود ص ۱۳۴ بحوالہ فرائد السمطین حموے نی)۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور موفور السرور :

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے جو علامات ظاہر ہوں گے ان کی تکمیل کے دوران ہی نصاریٰ فتح ممالک عالم کا ارادہ کر کے اٹھ کھڑے ہوں گے اور بے شمار ممالک پر قابو حاصل کرنے کے بعد ان

پرحکمرانی کریں گے اسی زمانہ میں ابوسفیان کی نسل سے ایک ظالم پے دابوگا جو عرب و شام پرحکمرانی کرے گا۔ اس کی دلی تمنا یہ ہوگی کہ سادات کے وجود سے ممالک محروسہ خالی کردئے جائیں اور نسل محمدی کا ایک فرزند بھی باقی نہ رہے۔ چنانچہ وہ سادات کو نہایت بے دردی سے قتل کرے گا۔ پھر اسی اثنا میں بادشاہ روم کو نصاری کے ایک فرقہ سے جنگ کرنا پڑے گی شاہ روم ایک فرقہ کو ہمنوا بنا کر دوسرے فرقہ سے جنگ کرے گا اور شہر قسطنطنیہ پر قبضہ کر لے گا۔ قسطنطنیہ کا بادشاہ وہاں سے بھاگ کر شام میں پناہ لے گا، پھر وہ نصاری کے دوسرے فرقہ کی معاونت سے فرقہ مخالف کے ساتھ نبرد آزما ہوگا یہاں تک کہ اسلام کی زبردست فتح نصیب ہوگی فتح اسلام کے باوجود نصاری شہرت دیں گے کہ ”صلیب“ غالب آگئی، اس پر نصاری اور مسلمانوں میں جنگ ہوگی اور نصاری غالب آجائیں گے۔ بادشاہ اسلام قتل ہو جائے گا۔ اور ملک شام پر بھی نصرانی جھنڈا لہرانے لگے گا اور مسلمانوں کا قتل عام ہوگا۔ مسلمان اپنی جان بچا کر مدینہ کی طرف کوچ کریں گے اور نصرانی اپنی حکومت کو وسعت دے تے ہوئے خے بر تک پہنچ جائیں گے اسلامیان عالم کے لئے کوئی پناہ نہ ہوگی مسلمان اپنی جان بچانے سے عاجز ہوں گے اس وقت وہ گروہ درگروہ سارے عالم میں امام مہدی علیہ السلام کو تلاش کریں گے، تاکہ اسلام محفوظ رہ سکے اور ان کی جانے بچ سکے اور عوام ہی نہیں بلکہ قطب، ابدال، اور اولیاء جستجو میں مشغول و مصروف ہوں گے کہ ناگاہ آپ مکہ معظمہ میں

رکن و مقام کے درمیان سے برآمد ہوں گے - (قیامت نامہ قدوة المحدثین شاہ رفیع الدین دہلوی ص ۳ طبع پشاور ۱۹۲۶) علماً فریقین کاکہنا ہے کہ آپ قریہ ”کرعہ“ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ سے ظہور فرمائیں گے (غایۃ المقصود ص ۱۶۵، نور الابصار ۱۵۴) علامہ کنجی شافعی اور علی بن محمد صاحب کفایۃ الاثر کابحوالہ ابوہریرہ بیان ہے کہ حضرت سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام مہدی قریہ کرعہ جو مدینہ سے بطرف مکہ تے س میل کے فاصلہ پر واقع ہے (مجمع البحرین ۴۳۵) نکل کر مکہ معظمہ سے ظہور کریں گے، وہ مری ذرہ پہنے ہونگے اور مے را عمامہ باندھے ہوں گے ان کے سر پر ابر کاسایہ ہوگا اور ملک آواز دے تاہوگا کہ یہی امام مہدی ہیں ان کی اتباع کرو ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل آواز دیں گے اور ”ہوا“ اس کو ساری کائنات میں پہنچا دے گی اور لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوجائیں گے (غایۃ المقصود ۱۶۵) -

لغت سروری ۵۳۰ میں ہے کہ آپ قصبہ خے رواں سے ظہور فرمائیں گے - معصوم کافر مانا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے متعلق کسی کاکوئی وقت معین کرنا فی الحقیقت اپنے آپ کو علم غیب میں خدا کا شرک قرار دے نا ہے - وہ مکہ میں بے خبر ظہور کریں گے، ان کے سر پر زرد رنگ کا عمامہ ہوگا بدن پر رسالت مآب صلعم کی چادر اور پاؤں میں انھیں کی نعلین مبارک ہوگی - وہ اپنے سامنے چند بھے ڈرے رکھیں گے، کوئی انھیں پہچان نہ سکے گا - اور اسی حالت میں رے کہ و تنہا بغیر کسی رفیق کے کعبۃ

اللہ میں آجائیں گے جس وقت عالم سیاہی شب کی چادر اوڑھ لے گا اور لوگ
 سو جائیں گے اس وقت ملائکہ صف بہ صف ان پر اتریں گے اور حضرت
 جبرئیل و مے کائیل انہیں نوے دالھی سنائیں گے کہ ان کا حکم تمام
 دنیا پر جاری و ساری ہے ۔ یہ بشارت پاتے ہی امام علیہ السلام
 شکر خدا بجالائیں گے اور رکن حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے
 ہو کر باواز بلند ندادیں گے کہ اے وہ گروہ جو میرے مخصوصوں اور بزرگوں
 سے ہوا اور وہ لوگو! جن کی حق تعالیٰ نے روئے زمین پر میرے ظاہر ہونے
 سے پہلے مے ری مدد کے لئے جمع کیا ہے ۔ ”آجاؤ۔“ یہ ندا حضرت کے ان
 لوگوں تک خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں پہنچ جائے گی اور وہ لوگ یہ
 آواز سن کر چشم زدن میں حضرت کے پاس جمع ہو جائیں گے یہ لوگ ۳۱۳ ہوں
 گے ، اور نقب امام کہلائیں گے ۔ اسی وقت ایک نور زمین سے آسمان تک بلند
 ہوگا جو صفحہ دنیا میں ہر مومن کے گھر میں داخل ہوگا جس سے ان کی
 طبیعتیں مسرور ہو جائیں گی مگر مومنین کو معلوم نہ ہوگا کہ امام علیہ السلام کا
 ظہور ہوا ہے صبح ۱ امام علیہ السلام مع ان ۳۱۳ ، اشخاص کے جورات کوان
 کے پاس جمع ہو گئے تھے کعبہ میں کھڑے ہونگے اور دے وار سے تکیہ
 لگا کر اپنا ہاتھ کھولیں گے جو موسیٰ کے دے بے ضا کی مانند ہوگا اور کہیں
 گے کہ جو کوئی اس ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ اے ساہے گویا اس نے ”دے اللہ“
 پر بیعت کی ۔ سب سے پہلے جبرئیل شرف بیعت سے مشرف ہونگے ۔ ان کے
 بعد ملائکہ بیعت کریں گے ۔ پھر مقدم الذکر نقباً (۳۱۳) بیعت سے مشرف ہوں

گے اس ہلچل اور اژدھام میں مکہ میں تہلکہ مچ جائے گا اور لوگ حے رت زدہ ہو کر ہر سمت سے استفسار کریں گے کہ یہ کون شخص ہے، یہ تمام واقعات طلوع آفتاب سے پہلے سرانجام ہو جائیں گے پھر جب سورج چڑھے گا تو قرص آفتاب کے سامنے ایک منادی کرنے والا ظاہر ہوگا اور با آواز بلند کہے گا جس کو تمام ساکنان زمین و آسمان سنےں گے کہ ”اے گروہ خلائق یہ مہدی آل محمد ہیں، ان کی بیعت کرو، پھر ملائکہ اور (۳۱۳) آدمی تصدق کریں گے اور دنیا کے ہر گوشہ سے جوق در جوق آپ کی زیارت کے لئے لوگ روانہ ہو جائیں گے، اور عالم پر حجت قائم ہو جائے گی، اس کے بعد دس ہزار افراد بیعت کرینگے۔ اور کوئی یہودی اور نصرانی باقی نہ چھوڑا جائے گا۔ صرف اللہ کانام ہوگا اور امام مہدی کاکام ہوگا جو مخالفت کرے گا اس پر آسمان سے آگ برسے گی اور اسے جلا کر خاکستر کر دے گی۔“ (نور الابصار امام شبلنجی شافعی ۱۵۵، اعلام الوری ۲۶۴)۔

علماء نے لکھا ہے کہ ۲۷ مخلصین آپ کی خدمت میں کوفہ سے اس قسم کے پہونچ جائیں گے جو حاکم بنائیں جائیں گے جن کے اسماء (کتاب منتخب بصائر) یہ ہیں : عوشع بن نون، سلمان فارسی، ابودجانہ انصاری، مقداد بن اسود، مالک اشتر، اور قوم موسیٰ کے ۱۵ افراد اور سات اصحاب کہف (اعلام الوری ۲۶۴، ارشاد مفید ۵۳۶) علامہ عبدالرحمن جامی کاکہنا ہے کہ قطب، ابدال، عرفا سب آپ کی بیعت کریں گے، ریال آپ جانوروں کی زبان سے بھی واقف ہوں گے اور آپ انسانوں اور جنوں میں عدل و انصاف کریں گے

۔(شواہدالنبوت ۲۱۶) علامہ طبرسی کا کہنا ہے کہ آپ حضرت داؤد کے اصول پر احکام جاری کریں گے ،آپ کو گواہ کی ضرورت نہ ہوگی آپ ہر ایک کے عمل سے بالہام خداوندی واقف ہوں گے ۔ (اعلام الوری ۲۶۴) امام شبلنجی شافعی کا بیان ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو تمام مسلمان خواص اور عوام خوش و مسرور ہو جائیں گے ان کے کچھ وزرا ہونگے جو آپ کے احکام پر لوگوں سے عمل کروائیں گے ۔ (نورالابصار ۱۵۳ بحوالہ فتوحات مکیہ) علامہ حلبی کا کہنا ہے کہ اصحاب کہف آپ کے وزرا ہونگے (سے رت حلبیہ) حمورنی کا بیان ہے کہ آپ کے جسم کا سایہ نہ ہوگا ۔(غایۃ المقصود جلد ۲ ص ۱۵۰) حضرت علی کافر مانا ہے کہ انصار و اصحاب امام مہدی ، خالص اللہ والے ہونگے (ارجح المطالب ۴۶۹) اور آپ کے گرد لوگ اس طرح جمع ہو جائیں گے جس طرح شہد کی مکھی اپنے ”ے عسوب“ بادشاہ کے گرد جمع ہو جاتی ہیں ۔ ارجح المطالب ۴۶۹ | ایک روایت میں ہے کہ ظہور کے بعد آپ سب سے پہلے کوفہ تشریف لے جائیں گے اور وہاں کے کثیر افراد قتل کریں گے ۔

امام مہدی کے ظہور کا سن :

خلاق عالم نے پانچ چے زوں کا علم اپنے لئے مخصوص رکھا ہے جن میں ایک قیامت بھی ہے (قرآن مجید) ظہور امام مہدی علیہ السلام چونکہ لازمہ قیامت سے ہے ، لہذا اس کا علم بھی خدا ہی کو ہے کہ آپ کب ظہور فرمائے گے

کونسی تاریخ ہوگی ۔ کونسا سن ہوگا ، تاہم احادیث معصومین جوالہام اورقرآن سے مستنبط ہوتی ہیں ان میں اشارے موجود ہیں ۔ علامہ شیخ مفید ، علامہ سید علی ، علامہ طبرسی ، علامہ شبلی نجی رقمطراز ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ طاق سن میں ظہور فرمائے گئے جو ۱ ، ۳ ، ۵ ، ۷ ، ۹ سے مل کر بنے گا ۔ مثلاً ۱۳ سو ، ۱۵ سو ، ۱۷ سو ، ۱۹ سو یا ایک ہزار ۳ ہزار ، ۵ ہزار ، ۷ ہزار ، ۹ ہزار ۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کے اسم گرامی کا اعلان بذریعہ جناب جبرئیل ۲۳ تاریخ کو کر دیا جائے گا اور ظہور عوم عاشورہ کو ہوگا جس دن امام حسین علیہ السلام بمقام کربلا شہید ہوئے ہیں (شرح ارشاد مفید ۵۳۲ ، غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۶۱ ، اعلام الوری ۲۶۲ ، نور الابصار ۱۵۵) میرے نزدیک ذی الحجہ کی ۲۳ تاریخ ہوگی کے ونکہ نفس زکیہ کے قتل اور ظہور میں ۱۵ راتوں کا فاصلہ ہونا مسلم ہے امکان ہے کہ قتل نفس زکیہ کے بعد ہی نام کا اعلان کر دیا جائے ، پھر اس کے بعد ظہور ہو ، ملا جواد سباطی کا کہنا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام عوم جمعہ بوقت صبح بتاریخ ۱۰ محرم الحرام ۷۱۰۰ مینظہور فرمائے گئے ۔ غایۃ المقصود ۱۶۱ بحوالہ براہین سباطیہ) امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ امام مہدی کا ظہور بوقت عصر ہوگا اور وہی عصر آریۃ ”والعصران الانسان لفی خسر“ سے مراد ہے شاہ نعمت اللہ ولی کاظمی المتوفی ۸۲۷ (مجالس المومنین ۲۷۶) جو شاعر ہونے کے علاوہ عالم اور منجم بھی تھے آپ کو علم

جفر میں بھی دخل تھا۔ آپ نے اپنی مشہور پے شے ن گوئی میں ۱۳۸۰ ہجری کا حوالہ دیا ہے جس کا غلط ہونا ثابت ہے کے ونکہ ۱۳۹۳ ہے (قیامت نامہ قدوة المحدثین شاہ رفیع الدین ص ۳۸)۔ (والعلم عند اللہ)۔

ظہور کے وقت امام علیہ السلام کی عمر :

۷۰م ولادت سے تا بظہور آپ کی کیا عمر ہوگی ؟ اسے تو خدا ہی جانے لے کن یہ مسلمات سے ہے کہ جس وقت آپ ظہور فرمائیں گے مثل حضرت عیسیٰ آپ چالیس سالہ جوان کی حیثیت میں ہوں گے ، (اعلام الوری ۲۶۵ ، وغایة المقصود ص ۱۱۹، ۷۶)۔

آپ کا پرچم

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے جھنڈے پر ” البعۃ اللہ “ لکھا ہوگا اور آپ اپنے ہاتھوں پر خدا کے لئے بیعت لیں گے اور کائنات میں صرف دین اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ (نابع المودة ۴۳۴)۔

ظہور کے بعد :

ظہور کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام کعبہ کی دے وار سے ٹکے لگا کر کھڑے ہوں گے۔ ابر کا سایہ آپ کے سر مبارک پر ہوگا ، آسمان سے آواز آتی ہوگی کہ ”یہی امام مہدی ہیں“ اس کے بعد آپ ایک منبر پر جلوہ افروز ہونگے لوگوں کی خدا کی طرف دعوت دیں گے اور دین حق کی طرف

آنے کی سب کو ہدایت فرمائیں گے آپ کی تمام سے رت پے غم بر اسلام کی سے رت ہوگی اور انہیں کے طرے قہ پر عمل پے را ہوں گے ابھی آپ کا خطبہ جاری ہوگا کہ آسمان سے جبرئیل و مکائیل آکر بیعت کریں گے، پھر ملائکہ آسمانی کی عام بیعت ہوگی ہزاروں ملائکہ کی بیعت کے بعد وہ ۳۱۳ مومن بیعت کرینگے۔ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوچکے ہونگے پھر عام بیعت کا سلسلہ شروع ہوگا دس ہزار افراد کی بیعت کے بعد آپ سب سے پہلے کوفہ تشریف لے جائینگے، اور دشمنان آل محمد کا قلع قمع کریں گے آپ کے ہاتھ میں عصا موسیٰ ہوگا جو اڑدھے کا کام کرے گا اور تلوار حمائل ہوگی۔ (عین الحیات مجلسی ۹۲) تو ارے خ میں ہے کہ جب آپ کوفہ پہنچیں گے تو کئی ہزار کا ایک گروہ آپ کی مخالفت کے لئے نکل پڑے گا، اور کہے گا کہ ہمیں بنی فاطمہ کی ضرورت نہیں، آپ واپس چلے جائے یہ سن کر آپ تلوار سے ان سب کا قصہ پاک کر دیں گے اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑے گے جب کوئی دشمن آل محمد اور منافق وہاں باقی نہ رہے گا تو آپ ایک منبر پر تشریف لے جائیں گے اور کئی گھنٹے تک رونے کا سلسلہ جاری رہے گا پھر آپ حکم دیں گے کہ مشہد حسین تک نہر فرات کاٹ کر لائی جائے اور ایک مسجد کی تعمیر کی جائے۔ جس کے ایک ہزار درہوں، چنانچہ اے ساہی کیا جائے گا اس کے بعد آپ زیارت سرور کائنات کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے۔ (اعلام الوری ۲۶۳، ارشاد مفید ۵۳۲، نور الابصار ۱۵۵)۔

قدوة المحدثین شاہ رفیع الدین رقمطراز ہیں کہ حضرت امام مہدی جو علم

لدنی سے بھرپور ہونگے جب مکہ سے آپ کا ظہور ہوگا اور اس ظہور کی شہرت اطراف و اکناف عالم میں پھیلے گی تو افواج مدینہ و مکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونگی اور شام و عراق وے من کے ابدال اور اولیاً خدمت شرے ف میں حاضر ہونگے اور عرب کی فوجوں جمع ہو جائیں گی، آپ ان تمام لوگوں کو اس خزانہ سے مال دیں گے جو کعبہ سے برآمد ہوگا۔ اور مقام خزانہ کو ” تاج الکعبہ“ کہتے ہوں گے، اسی اثنا میں ایک شخص خراسانی عظیم فوج لے کر حضرت کی مدد کے لئے مکہ معظمہ کو روانہ ہوگا، راستے اس لشکر خراسانی کے مقدمہ الجیش کے کمانڈر منصور سے نصرانی فوج کی ٹکر ہوگی، اور خراسانی لشکر نصرانی فوج کو پسپا کر کے حضرت کی خدمت میں پہنچ جائے گا اس کے بعد ایک شخص سفیانی جو بنی کلب سے ہوگا حضرت سے مقابلہ کے لئے لشکر عظیم ارسال کرے گا لے کن بحکم خدا جب وہ لشکر مکہ معظمہ اور کعبہ منورہ کے درمیان پہنچے گا اور پہاڑ میں قیام کرے گا تو زمین میں وہیں دھنس جائے گا پھر سفیانی جو دشمن آل محمد ہوگا نصاریٰ سے ساز باز کر کے امام مہدی سے مقابلہ کے لئے زبردست فوج فراہم کرے گا نصرانی اور سفیانی فوج کے اسی نشان ہوں گے اور ہر نشان کے نیچے ۱۲ ہزار کی فوج ہوگی۔ ان کا دار الخلافہ شام ہوگا حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی مدینہ منورہ ہوتے ہوئے جلد سے جلد شام پہنچیں گے جب آپ کا ورود مسعود دمشق میں ہوگا، تو دشمن آل محمد سفیانی اور دشمن اسلام نصرانی آپ سے مقابلہ کے لئے صف آرا ہونگے، اس جنگ میں فریقین کے

بے شمار افراد قتل ہونگے بالآخر امام علیہ السلام کو فتح کامل ہوگی، اور ایک نصرانی بھی زمین شام پر باقی نہ رہے گا اس کے بعد امام علیہ السلام اپنے لشکرےوں میں انعام کو تقسیم کریں گے اور ان مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے واپس بلالیں گے جو نصرانی بادشاہ کے ظلم و جور سے عاجز آکر شام سے ہجرت کر گئے تھے۔ (قیامت نامہ ۴) اس کے بعد مکہ معظمہ واپس تشریف لے جائیں گے اور مسجد سہلہ میں قیام فرمائیں گے (ارشاد ۵۲۳) اس کے بعد مسجد الحرام کو از سر نو بنائیں گے اور دنیا کی تمام مساجد کو شرعی اصول پر کر دیں گے ہر بدعت کو ختم کرینگے اور ہر سنت کو قائم کریں گے، نظام عالم درست کریں گے اور شہروں میں فوجیں ارسال کرینگے، انصرام و انتظام کے لئے وزراء روانہ ہونگے۔ (اعلام الوری ۲۶۲، ۲۶۴)۔ اس کے بعد آپ مومنین، کاملین اور کافرین کو زندہ کریں گے، اور اس زندگی کا مقصد یہ ہوگا کہ مومنین اسلامی عروج سے خوش ہوں اور کافرین سے بدلہ لیا جائے۔ ان زندہ کئے جانے والوں میں قابل سے لے کر امت محمدیہ کے فراعنہ تک زندہ کئے جائیں گے، اور ان کے کئے کا پورا پورا بدلہ انہیں دیا جائے گا جو جو ظلم انہوں نے کئے ان کا مزہ چکھیں گے غرےبوں، مظلوموں اور بے کسوں پر جو ظلم ہوا ہے اس کی (ظالم کو) سزا دی جائے گی، سب سے پہلے جو واپس لایا جائے گا وہ عرے دبن معاویہ ملعون ہوگا اور امام حسین علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ (غایۃ المقصود)۔

دجال اور اس کا خروج :

دجال، دجل سے مشتق ہے جس کے معنی فریب کے ہیں، اس کا اصل نام صائف، باپ کانام صائد، ماں کانام ہستہ عرف قطامہ ہے، یہ عہد رسالت مآب میں بمقام تہ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، چہار شنبہ کے دن بوقت غروب آفتاب پے دا ہوا ہے، پے دائش کے بعد آنافانا بڑھ رہا تھا، اس کی داہنی آنکھ پھوٹی تھی اور بائیں آنکھ پے شانی پر چمک رہی تھی، وہ چند دنوں میں کافی بڑھ کر دعویٰ خدائی کرنے لگا، سروکائنات جو حالات سے برابر مطلع ہو رہے تھے۔ انہوں نے سلمان فارسی اور چند اصحاب کولیا اور بمقام تہیہ جاکر اس کو تیلے غ کرنا چاہی، اس نے بہت برا بھلا کہا اور چاہا کہ حضرت پر حملہ کر دے۔ لے کن آپ کے اصحاب نے مدافعت کی، آپ نے اس سے یہ فرمایا تھا کہ خدائی کا دعویٰ چھوڑ دئے اور مے ری نبوت کومان لے علماء نے لکھا ہے کہ دجال کی پے شانی پر بخط ےزدانی ”الکافر باللہ“ لکھا ہوا تھا اور آنکھ کے ڈھے لے پر بھی (ک، ف، ر) مرقوم تھا غرض کہ آپ نے وہاں سے مدینہ منورہ واپس تشریف لانے کا ارادہ کیا دجال نے ایک سنگ گراں جو پہاڑ کی مانند تھا حضرت کی راہ میں رکھ دیا یہ دے کہ کر حضرت جبرئیل آسمان سے آئے اور اسے ہٹادیا ابھی آپ مدینہ پہنچے ہی تھے کہ دجال لشکر عظیم لے کر مدینہ کے قرےب جا پہنچا حضرت نے بارگاہ احدت میں عرض کی، خدایا! اسے اس وقت تک کے لئے محبوس کر دے جب تک اسے زندہ رکھنا مقصود ہے، اسی دوران میں حضرت جبرئیل آئے اور انہوں نے

دجال کی گردن کو پشت کی طرف سے پکڑ کر اٹھا لیا اور اسے لے جا کر جزیرہ طبرستان میں محبوس کر دیا ہے۔ لطفہ یہ ہے کہ جبرئیل اسے لے کر جانے لگے تو اس نے زمین پر دونوں ہاتھ مار کر تحت الثریٰ تک کی دو مٹھی خاک لے لی، اور اسے طبرستان میں ڈال دیا جبرئیل نے حضرت سرور کائنات کے سوال کے جواب میں کہا کہ آپ کی وفات سے ۹۷۰ سال بعد یہ خاک عالم مینپھلے گی اور اسی وقت سے آثار قیامت شروع ہو جائیں گے۔ (غایۃ المقصود ۶۴، ارشاد الطالبین ۳۹۴) یہ غمیر اسلام کا ارشاد ہے کہ دجال کو محبوس ہونے کے بعد تمہم دارمی نے جو پہلے نصرانی تھا، جزیرہ طبرستان میں بچشم خود دے کہا ہے۔ اس کی ملاقات کی تفصیل کتاب صحاح المصابیح، زبیرۃ الریاض، صحیح بخاری، صحیح مسلم میں موجود ہے۔ غرض کہ اکثر روایات کے مطابق دجال حضرت امام مہدی کے ظہور فرمانے کے ۱۸ یوم بعد خروج کرے گا (مجمع البحرین ۵۶۰) وغایۃ المقصود جلد ۲ ص ۶۹) ظہور امام اور خروج دجال سے پہلے تین سال تک سخت قحط پڑے گا۔ پہلے سال ۱ زراعت ختم ہو جائے گی دوسرے سال آسمان وزمین کی برکت و رحمت ختم ہو جائے گا تیسرے سال بالکل بارش نہ ہوگی، اور ساری دنیا والے موت کی آغوش میں پہنچنے کے قرےب ہو جائیں گے دنیا ظلم وجور، اضطراب و پریشانی سے بالکل پرہوگی۔ امام مہدی کے ظہور کے بعد ۱۸ ہی دن مینکائنات نہایت اچھی سطح پر پہنچی ہوگی کہ ناگاہ دجال ملعون کے خروج کا غلغلہ اٹھے گا وہ بروایت اخوند دروےزہ ہندوستان کے ایک

پہاڑ پر نمودار ہوگا اور وہاں سے باآواز بلند کہے گا۔ ”میں خدائے بزرگ ہوں، مے ری اطاعت کرو۔“ یہ آواز مشرق و مغرب میں پہنچے گی۔ اس کے بعد تین ےوم یا بروایت ۴۰ ےوم اسی مقم رہ کر لشکر تیار کرے گا۔ پھر شام و عراق ہوتا ہوا اصفہان کے ایک قریہ ”یہودیہ“ سے خروج کرے گا۔ اس کے ہمراہ بہت بڑا لشکر ہوگا، جس کی تعداد ستر لاکھ مرقوم ہے جن، دےو، پری، شیطان ان کے علاوہ ہوں گے۔ وہ ایک گدھے پر سوار ہوگا۔ جو ابلق رنگ کا ہوگا اس کے جسم کا بالائی حصہ سرخ، ہاتھ پاؤں تازانوسیاہ اس کے بعد سے سم تک سفید ہوگا۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان ۴۰ میل کا فاصلہ ہوگا وہ ۲۱ میل اونچا اور ۹۰ میل لمبا ہوگا اس کا ہر قدم ایک میل کا ہوگا اس کے دونوں کانوں میں خلق کثیر بے ٹھی ہوگی چلنے میں اس کے بالوں سے ہر قسم کے باجوں کی آواز آئے گی، وہ اسی گدھے پر سوار ہوگا۔ سواری کے بعد جب وہ روانہ ہوگا تو اس کے داہنے طرف ایک پہاڑ ہوگا جس میں ہر قسم کے سانپ بچھو ہوں گے، وہ لوگوں کو انہیں چے زوں کے ذرے سے بہکائے گا اور کہے گا کہ میں خدایوں جو مے راحکم ماننے گا جنت میں رکھوں گا جو نہ مانے گا اس جہنم میں ڈال دونگا۔ اسی طرح چالے س ےوم میں ساری دنیا کا چکر لگا کر اور سب کو بہکا کر امام مہدی علیہ السلام کی اسکے م کونا کامیاب بنانے کی سعی میں وہ خانہ کعبہ کو گرانا چاہے گا اور ایک عظیم لشکر بھے ج کر کعبہ اور مدینہ کوتباہ کرنے پر مامور کرے گا اور خود بارادہ کوفہ روانہ ہوگا اس کا مقصد یہ ہوگا کہ کوفہ جو امام مہدی کی

آماجگاہ ہے اسے تباہ کر دے ”چون آن لعن نزدک کوفہ برسد امام مہدی باستے صال او برسد“ لے کن خدا کا کرنا دے کہئے کہ جب وہ کوفہ کے نزدک پہنچے گا ، تو حضرت امام مہدی علیہ السلام خود وہاں پہنچ جائیں گے ، اور اسے بحکم خدا بے خ وین سے اکھاڑ دیں گے غرض کہ گھمسان کی جنگ ہوگی اور شام تک پہلے لے ہوئے لشکر پر امام مہدی علیہ السلام زبردست حملے کریں گے ، بالاخر وہ ملعون آپ کی ضربوں کی تاب نہ لا کر شام کے مقام عقبہ رفیع یا بمقام لد جمعہ کے دن تین گھڑی دن چڑھے مارا جائے گا اس کے مرنے کے بعد دس میل تک دجال اور اس کے گدھے اور لشکر کا خون زمین پر جاری رہے گا علم اکا کہنا ہے کہ قتل دجال کے بعد امام علیہ السلام اس کے لشکرےوں پر ایک زبردست حملہ کریں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے ۔ اس وقت جو کافر زمین کے کسی گوشہ میں چھپے گا ، وہ آواز دے گا کہ فلاں کافر یہاں روپوش ہے ۔ امام علیہ السلام اسے قتل کر دیں گے آخر کار زمین پر کوئی دجال کاماننے والا نہ رہے گا ۔ (ارشاد الطالبین ۳۹۷ ، معارف الملة ۳۴۸ ، صحیح مسلم ، لمعات شرح مشکوٰۃ عبدالحق ، مرقات شرح مشکوٰۃ مجمع البحار) بعض روایات میں ہے کہ دجال کو حضرت عیسیٰ بحکم حضرت مہدی علیہ السلام قتل کریں گے ۔

نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام :

حضرت مہدی علیہ السلام سنت کے قائم کرنے اور بدعت کو مٹانے

نے زانصرام و انتظام عالم میں مشغول و مصروف ہونگے کہ ایک دن نماز صبح کے وقت بروایتے نماز عصر کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے منارہ شرقی پر نزول فرمائیں گے حضرت امام مہدی ان کا استقبال کریں گے اور فرمائیں گے کہ آپ نماز پڑھئے، حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے، نماز آپ کو پڑھانی ہوگی چنانچہ حضرت مہدی علیہ السلام امامت کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔ (نور الابصار ۱۵۴، غایۃ المقصود ۱۰۴ - ۱۰۵، بحوالہ مسلم و ابن ماجہ، مشکوٰۃ ۴۵۸) اس وقت حضرت عیسیٰ کی عمر چالیس سالہ جوان جیسی ہوگی۔ وہ اس دنیا میں نشادی کریں گے، اور ان کے دولڑکے پیدائیں گے ایک کانام احمد اور دوسرے کانام موسیٰ ہوگا۔ (اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار ۱۳۵، قیامت نامہ ۹ بحوالہ کتاب الوفا بن جوزی، مشکوٰۃ ۴۶۵ و سراج القلوب ۷۷)۔

امام مہدی اور عیسیٰ ابن مریم کا دورہ :

اس کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاد، ممالک کا دورہ کرنے اور حالات کا جائزہ لےنے کے لئے برآمد ہونگے اور دجال ملعون کے پہنچائے ہوئے نقصانات اور اس کے پے دکئے ہوئے بدترین حالات کو بہترین سطح پر لائیں گے، حضرت عیسیٰ خنزیر کو قتل کرنے

صلے بوں کو توڑنے اور لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا انصرام و بندوبست فرمائے نگے۔ عدل مہدی سے بلاد عالم میں اسلام کا ڈنکا بجے گا اور ظلم و ستم کا تختہ بتا ہوجائے گا۔ (قیامت نامہ قدوة المحدثین ۸ بحوالہ صحیح مسلم)۔

حضرت امام مہدی کا قسطنطنیہ کو فتح کرنا :

روایت میں ہے کہ امام مہدی علیہ السلام قسطنطنیہ، چےن اور جبل وءلم کو فتح کرینگے، یہ وہی قسطنطنیہ ہے جسے استنبول کہتے ہیں اور جس پر اس زمانہ میں نصاری کا قبضہ ہوگا۔ اور ان کا قبضہ بھی مسلمان بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد ہوا ہوگا چےن اور جبل دءلم پر بھی نصاری کا قبضہ ہوگا اور وہ حضرت امام مہدی سے مقابلہ کا پورا انتظام کریں گے، چےن جس کو عربی میں ”صےن“ کہتے ہیں اس کے بارے میں روایت کے حوالہ سے علامہ طرےحی نے مجمع البحرین کے ۶۱۵ میں لکھا ہے کہ: (۱) صےن ایک پہاڑی ہے (۲) مشرق میں ایک مملکت ہے (۳) کوفہ میں ایک موضع ہے پتہ یہ چلتا ہے کہ ساری چےزےں فتح کی جائیں گی، ان کے علاوہ سندھ اور ہند کے مکانات کی طرف بھی اشارہ ہے، بہر حال امام مہدی علیہ السلام شہر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہونگے اور ان کے ہمراہ جو ستر ہزار بنو اسحاق کے نوجوان ہونگے انہےں دریائے روم کے کنارے شہر مینجا کر اسے فتح کرنے کا حکم ہوگا، جب وہاں پہنچ کر فصل کے کنارے نعرۂ تکبے رلگائے نگے تو خود بخود راستہ پے دا ہوجائے گا اور یہ داخل

ہو کر اسے فتح کر لے نگے، کفار قتل ہونگے اور اس پر پورا پورا قبضہ ہو جائے گا۔ (نور الابصار ۱۵۵ بحوالہ طبرانی، غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۵۲ و بحوالہ ابونعیم، اعلام الوری بحوالہ امام جعفر صادق ۲۶۴، قیامت نامہ، بحوالہ صحیح مسلم)۔

یا جوج ماجوج اور ان کا خروج :

قیامت صغریٰ یعنی ظہور آل محمد اور قیامت کبریٰ کے درمیان دجال کے بعد یا جوج اور ماجوج کا خروج ہوگا یہ سد سکندری سے نکل کر سارے عالم میں پھیل جائیں گے اور دنیا کے امن و امان کو تباہ و برباد کر دے مینپوری سعی کرینگے ۔

یا جوج ماجوج حضرت نوح کے بے ٹے یافت کی اولاد سے ہیں، یہ دونوں چار سو قبلہ اور امتون کے سردار اور سربر آورہ ہیں، ان کی کثرت کا کئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا مخلوقات میں ملائکہ کے بعد انہیں کثرت دی گئی ہے، ان میں کوئی اے سانہیں جس کے ایک ایک ہزار اولاد نہ ہو یعنی یہ اس وقت تک مرتے نہیں جب تک ایک ایک ہزار بہادر پے دانہ کر دیں یہ تین قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو تاڑ سے زیادہ لمبے ہیں، دوسرے وہ جو لمبے اور چوڑے برابر ہیں جن کی مثال بہت بڑے ہاتھی سے دی جاسکتی ہے، تیسرے وہ جو اپنا ایک کان بچھاتے اور دوسرا اوڑھتے بینان کے سامنے لوہا، پتھر، پہاڑ تو وہ کوئی چے ز نہیں ہے یہ حضرت نوح کے زمانہ میں دنیا کے

اخے رمینا س جگہ پے داہوئے ، جہاں سے پہلے سورج نے طلوع کیا تھا زمانہ
 فطرت سے پہلے یہ لوگ اپنی جگہ سے نکل پڑے تھے اور اپنے قرےب کی
 ساری دنیا کوکھا پی جاتے تھے یعنی ہاتھی ، گھوڑا ، اونٹ ، انسان
 ، جانور ، کھے تی باڑی غرضکہ جو کچھ سامنے آتا تھا سب کو بضم کر جاتے
 تھے ۔ وہاں کے لوگ ان سے سخت تنگ اور عاجز تھے ۔ یہاں تک زمانہ فطرت
 میں حضرت عیسیٰ کے بعد بروائتی جب ذوالقرنے ن اس منزل تک پہنچے
 تو انھیں وہاں کاسارا واقعہ معلوم ہوا اور وہاں کی مخلوق نے ان سے
 درخواست کی کہ ہمیں اس بلائے بے درمان یاجوج ماجوج سے بچائے
 ۔ چنانچہ انھوں نے دو پہاڑوں کے اس درمیانی راستے کو جس سے وہ آیا کرتے
 تھے بحکم خدالوہے کی دے وار سے جو دوسو گزاونچی اور پچاس یاساٹھ
 گز چوڑی تھی بند کر دیا ۔ اسی دے وار کو سد سکندری کہتے ہیں ۔ کے ونکہ
 ذوالقرنے ن کا اصل نام سکندراعظم تھا ، سد سکندری کے لگ جانے کے بعد ان
 کی خوراک سانپ قرار دی گئی ، جو آسمان سے برستے ہیں یہ تابظہور امام
 مہدی علیہ السلام اسی میں محصور رہینگے ان کا اصول اور طریقہ یہ ہے کہ
 یہ لوگ اپنی زبان سے سد سکندری کو رات چاٹ کر کاٹتے ہیں ، جب صبح
 ہوتی ہے اور دھوپ لگتی ہے تو ہٹ جاتے ہیں ، پھر دوسری رات کٹی ہوئی
 دے وار بھی پر ہوجاتی ہے اور وہ پھر اسے کاٹتے میں لگ جاتے ہیں ۔
 بحکم خدا سے یہ لوگ امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں خروج کریں گے
 دے وار کٹ جائے گی اور یہ نکل پڑیں گے ۔ اس وقت کا عالم یہ ہوگا کہ یہ

لوگ اپنی ساری تعداد سمے ت ساری دنیا میں پھیل کر نظام عالم کو درہم برہم کرنا شروع کر دیں گے، لاکھوں جانے ضائع ہوں گی اور دنیا کی کوئی چے زائے سی باقی نہ رہے گی جو کھائی اور پی جاسکے، اور یہ اس پر تصرف نہ کریں۔ یہ بلا کے جنگجو لوگ ہوں گے دنیا کو مار کر کھا جائیں گے اور اپنے تے آسمان کی طرف پھینک کر آسمانی مخلوق کو مارنے کا حوصلہ کریں گے اور جب ادھر سے بحکم خدا تے ر خون آلود آئے گا تو یہ بہت خوش ہوں گے اور آپس میں کہیں گے کہ اب ہمارا اقتدار زمین سے بلند ہو کر آسمان پر پہنچ گیا ہے۔ اسی دوران میں امام مہدی علیہ السلام کی برکت اور حضرت عیسیٰ کی دعا کی وجہ سے خداوند عالم ایک بے ماری بھے ج دے گا جس کو عربی میں ”نغف“ کہتے ہیں یہ بے ماری ناک سے شروع ہو کر طاعون کی طرح ایک ہی شب میں ان سب کا کام تمام کر دے گی پھر ان کے مردار کو کھانے کے لئے ”عنقا“ نامی پرندہ پے دابوگا، جو زمین کو ان کی گندگی سے صاف کرے گا۔ اور انسان ان کے تے روکمان اور قابل سوختنی آلات حرب کو سات سال تک جلائیں گے (تفسیر صافی ۲۷۸، مشکوٰۃ ۳۶۶، صحیح مسلم، ترمذی، ارشاد الطالبین ۳۹۸، غایۃ المقصود جلد ۲ ص ۷۶، مجمع البحرین ۴۶۶، قیامت نامہ ۸)۔

امام مہدی علیہ السلام کی مدت حکومت اور خاتمہ دنیا :

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا پایہ تخت شہر کوفہ ہوگا مکہ میں آپ کے

نائب کاتقرر ہوگا۔ آپ کا دے وان خانہ اور آپ کے اجرا حکم کی جگہ مسجد کوفہ ہوگی۔ بیت المال، مسجد سہلہ قرار دی جائے گی اور خلوت کدہ نجف اشرف ہوگا۔ (حق الیقین ۱۴۵) آپ کے عہد حکومت میں مکمل امن و سکون ہوگا۔ بکری اور بھےڑ، گائے اور شےر، انسان اور سانپ، زنبیل اور چوہے سب ایک دوسرے سے بے خوف ہونگے (درمنثور سیوطی جلد ۳ ص ۲۳)۔ معاصی کا ارتکاب بالکل بند ہو جائے گا اور تمام لوگ پاک باز ہو جائیں گے۔ جہل، جبن، بخل کافور ہو جائیں گے۔ عاجزوں، ضعیفوں کی دادرسی ہوگی۔ ظلم دنیا سے مٹ جائے گا اسلام کے قالب بے جان میں روح تازہ پے دہوگی دنیا کے تمام مذاہب ختم ہو جائیں گے۔ نہ عیسائی ہوں گے نہ یہودی، نہ کوئی اور مسلک ہوگا۔ صرف اسلام ہوگا۔ اور اسی کا اٹنکا بجا ہوگا آپ دعوت بالسیف دیں گے جو آپ کے درپے نزاع ہوگا قتل کر دیا جائے گا۔ جزیہ موقوف ہوگا خدا کی جانب سے شہر عکا کے ہرے بھرے مے دان میں مہمانی ہوگی، ساری کائنات مسرتوں سے مملو ہوگی۔ غرض کہ عدل و انصاف سے دنیا بھر جائے گی، (الیواقات الجواہر جلد ۲ ص ۱۲۷)۔

دنیا کے تمام مظلوم بلائیں جائیں گے اور ان پر ظلم کرنے والے حاضر کئے جائیں گے، حتی کہ آل محمد تشریف لائیں گے اور ان پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے بلائے جائیں گے حضرت امام علیہ السلام مظلوم کی فریاد رسی فرمائے نگے اور ظالم کو کے فرو کردار تک پہنچائیں گے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام امور میں نگرانی کافرے ضہ ادا کرنے

کے لئے جلوہ افروز ہونگے اسی دوران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی سابقہ ارضی ۲۳ سالہ زندگی میں ۷ سالہ موجودہ ارضی زندگی کا اضافہ کر کے چالے س سال کی عمر میں انتقال کرجائینگے اور آپ کوروضہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم میں دفن کردیاجائے گا۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ۴۶۳) ،سراج القلذب ۷۷ ،عجائب القصاص ۲۳) اس کے بعدحضرت امام مہدی علیہ السلاکی حکومت کاخاتمہ ہوجائے گا اورحضرت امیرالمومنین نظام کائنات پر حکمرانی کریں گے جس کی طرف قرآن مجید میں ”دابة الارض“ سے اشارہ کیاگیاہے اب رہ گیا یہ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی مدت حکومت کیاہوگی ؟اس کے متعلق سخت اختلاف ہے ارشاد مفید کے ۵۳۳ میں سات سال اور ۵۳۷ میں انے س سال اوراعلام الوری کے ۳۶۵ میں ۱۹ سال ،مشکوٰۃ کے ۴۶۲ میں ۷ ، ۸ ، ۹ سال ،نورالابصار کے ۱۵۴ میں ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ سال - غایۃ المقصود جلد ۲ ص ۱۶۲ میں بحوالہ حلۃ الاولیاء ۷ ، ۸ ، ۹ سال اورے نابع المودۃ شیخ سلے مان قندوزی بلخی کے ۴۳۳ میں بیس سال مرقوم ہے مینے حالات احادیث ،اقوال علماء سے استنباط کرکے بیس سال کوترجیح دی ہے ہوسکتاہے کہ ایک سال دس سال کے برابرہوں (ارشادمفید ۵۳۳ ،نورالابصار ۱۵۵) غرضکہ آپ کی وفات کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام آپ کو غسل وکفن دینگے اورنمازپڑھا کر دفن فرمائیں گے ،جے ساکہ علامہ سےدعلی بن عبدالحمے دنے کتاب انوارالمضئیہ میں تحریر فرمایا ہے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عہدظہور میں قیامت سے پہلے زندہ ہونے

کورجعت کہتے ہیں یہ رجعت ضروریات مذہب امامیہ سے ہے (مجمع
 البحرین ۴۲۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہور کے بعد بحکم خدا شدے دترین
 کافر اور منافق اور کامل ترین مومنین حضرت رسول کریم اور ائمہ طاہرین
 ، بعض انبیاء سلف برائے اظہار دولت حق محمدی دنیا میں پلٹ کر آئیں
 گے۔ (تکلیف المکفین فی اصول الدین ۲۵) اس میں ظالموں کا ظلم کا بدلہ
 اور مظلوموں کو انتقام کا موقع دیا جائے گا اور اسلام کو اتنا فروغ دے دیا جائے گا
 کہ ”لے ظہرہ علی الدین کلہ“ دنیا میں صرف ایک اسلام رہ جائے گا
 (معارف الملة الناجیہ والناریہ ۳۸۰) امام حسین علیہ السلام کا مکمل بدلہ
 لیا جائے گا (غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۸۴ بحوالہ تفسیر عیاشی) اور دشمنان آل
 محمد کو قیامت میں عذاب اکبر سے پہلے رجعت میں عذاب ادنیٰ کا مزہ
 چکھایا جائے گا (حق الیقین ۱۴۷ بحوالہ قرآن مجید) شیطان سرور کائنات کے
 ہاتھوں سے نہر فرات پر ایک عظیم جنگ کے بعد قتل ہوگا۔ ائمہ طاہرین کے
 ہر عہد حکومت میں اچھے برے زندہ کئے جائیں گے اور حضرت امام مہدی
 علیہ السلام کے عہد میں جو لوگ زندہ ہوں گے ان کی تعداد چار ہزار ہوگی
 (غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۷۸) شہداء کو بھی رجعت میں ظاہری زندگی دی
 جائے گی تاکہ اس کے بعد جو موت آئے اس سے آیت کے حکم ”کل نفس
 ذائقۃ الموت“ کی تکمیل ہو سکے اور انہیں موت کا مزہ نصیب ہو جائے
 (غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۷۳) اسی رجعت میں بوعده قرآنی آل محمد
 کو حکومت عامہ عالم دی جائے گی، اور زمین کا کوئی گوشہ اے سانہ ہوگا جس

پر آل محمد کی حکومت نہ ہو ، اس کے متعلق قرآن مجید میں : ” ان الارض
 ے رثھا عبادی الصالحون “ و ” ترے دان من علی الذین استضعفوا فی الارض
 ونجعلهم الوارثین ۔ “ موجود ہے (حق الیقین ۱۴۶) ۔
 اب رہ گیا کہ یہ کائنات کی ظاہی حکومت و وراثت آل محمد کے پاس کب تک
 رہے گی ، اس کے متعلق ایک روایت آٹھ ہزار سال کا حوالہ دے رہی ہے اور پتہ
 یہ چلتا ہے کہ امیر المومنین ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کی زیر نگرانی حکومت کریں گے اور دیگر آئمہ طاہرین ان کے وزرا اور سفرا
 کی حیثیت سے ممالک عالم میں انتظام و انصرام فرمائیں گے اور ایک روایت
 میں یہ بھی ہے کہ ہر امام علی الترتیب حکومت کریں گے حق الیقین و غایت
 المقصود ۔ حضرت علی کے ظہور اور نظام عالم پر حکمرانی کے متعلق قرآن
 مجید میں بصراحت موجود ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے :
 ” اخرجنا لهم دابة من الارض ۔ “ (پارہ ۲۰ رکوع ۱)
 علماء فریقین یعنی شے عہ و سنی کا اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت
 علی علیہ السلام ہیں ۔ ملاحظہ ہو ۔ مے زان الاعتدال علامہ ذہبی و معالم التنزیل
 علامہ بغوی و حق الیقین علامہ مجلسی و تفسیر صافی علامہ محسن فیض
 کاشانی اس کی طرف توجہ میں بھی اشارہ موجود ہے ۔ (تذکرۃ المعصومین
 ۲۴۶) آپ کا کام یہ ہوگا کہ آپ اے سے لوگوں کی تصدیق نہ کریں گے
 جو خدا کے مخالف اور اس کی آیتوں پر عہ نہ رکھنے والے ہوں گے وہ
 صفا اور مروہ کے درمیان سے برآمد ہوں گے ، ان کے ہاتھ میں حضرت

سلے مان کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰ کا عصا ہوگا جب قیامت قرےب ہوگی تو آپ عصا اور انگشتی سے ہر مومن و کافر کی پے شانی پر نشان لگائےں گے مومن کی پے شانی پر ”ہذا مومن حقا“ اور کافر کی پے شانی پر ”ہذا کافر حقا“ تحریر ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو (کتاب ارشاد الطالبین اخوند دروےزہ ۴۰۰ و قیامت نامہ قدوة المحدثین علامہ رفیع الدین ص ۱۰) علامہ لغوی کتاب مشکوة المصابیح کے ص ۴۶۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ دابة الارض دوپہر کے وقت نکلے گا، اور جب اس دابة الارض کا عمل درآمد شروع ہو جائے گا تو باب توبہ بند ہو جائے گا اور اس وقت کسی کا ایمان لانا کارگر نہ ہوگا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی مسجد میں سو رہے تھے، اتنے میں حضرت رسول کریم تشریف لائے، اور آپ نے فرمایا ”قم یاد ابۃ اللہ۔“ اس کے بعد ایک دن فرمایا : ”یا علی اذا کان اخرجک اللہ الخ۔“ اے علی ! جب دنیا کا آخری زمانہ آئے گا تو خداوند عالم تمہیں برآمد کرے گا اس وقت تم اپنے دشمنوں کی پے شانےوں پر نشان لگاؤ گے۔ (مجمع البحرین ۱۲۷) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ”علی دابة الجنة“ ہیں لغت میں ہے کہ دابة کے معنی پے رونسے چلنے پھرنے والے کے ہیں۔ (مجمع البحرین ۱۲۷)۔

کثیر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آل کی حکمرانی جسے صاحب ارجح المطالب نے بادشاہی لکھا ہے اس وقت تک قائم رہے گی جب تک دنیا کے ختم ہونے میں چالے س ےوم باقی رہیں گے۔ (ارشاد مفید ۱۳۷، و اعلام الوری ۲۶۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چالے س دن کی مدت قبروں سے مردوں کے نکلنے اور قیامت کبریٰ کے لئے ہوگی۔ حشر و نشر، حساب و کتاب، صور پھونکنا اور دیگر لوازمات کبریٰ اسی میں ادا ہونگے۔ (اعلام الوری ۲۶۵) اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام لوگوں کو جنت کا پروانہ دیں گے۔ لوگ اس لے کر پل صراط پر سے گزریں گے۔ (صواعق محرقة علامہ ابن حجر مکی ۷۵) و اسعاف الراغبین ۷۵ بر حاشیہ نور الابصار) پھر آپ جوض کوثر کی نگرانی کرینگے جو دشمن آل محمد جوض کوثر پر ہوگا، اسے آپ اٹھادینگے۔ (ارجح للمطالب ۷۶۷) پھر آپ لواء الحمد یعنی محمدی جھنڈا لے کر جنت کی طرف چلے گے، پے غم بر اسلام آگے آگے ہونگے انبیاء اور شہداء و صالحین اور دیگر آل محمد کے ماننے والے پے چھے ہونگے۔ (مناقب اخطب خوارزمی قلمی و ارجح المطالب ۷۷۴) پھر آپ جنت کے دروازہ پر جائینگے اور اپنے دوستوں کو بغیر حساب داخل جنت کرینگے اور دشمنوں کو جہنم میں جھونک دینگے (کتاب شفا قاضی عیاض و صواعق محرقة) اسی لئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت عثمان اور بہت سے اصحاب کو جمع کر کے فرمادیا تھا کہ علی زمین اور آسمان دونوں میں میرے وزیر ہیں اگر تم لوگ خدا کو راضی کرنا چاہتے ہو تو علی کو راضی کرو، اس لئے کہ علی کی رضا خدا کی رضا اور علی کا غضب خدا کا غضب ہے۔ (مودۃ القربی ص ۵۵ - ۶۲) علی کی محبت کے بارے میں تم سب کو خدا کے سامنے جواب دے ناپڑے گا اور تم علی کی مرضی کے بغیر جنت میں

نہ جاسکوگے اور علی سے کہ دیا کہ تم اور تمہارے شے عہ ”خے البریہ“
 یعنی خداکی نظر میں اچھے لوگ ہیں یہ قیامت میں خوش ہونگے اور تمہارے
 دشمن ناشاد و نامراد ہونگے ، ملاحظہ ہو (کنز العمال جلد ۶ ص ۲۱۸ و تحفہ
 اثنا عشریہ ۶۰۴ تفسیر فتح البیان جلد ۱ ص ۳۲۳)۔

چودہ ستارے

حضرت خدیجہ تاریخ کے آئینہ میں

حضرت خدیجہ کا شمار تاریخ انسانیت کی ان عظیم خواتین میں ہوتا ہے
 جنہوں نے انسانیت کی بقاء اور انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی زندگی
 قربان کر دی۔

تاریخ بشریت گواہ ہے کہ جب سے اس زمین پر آثار حیات مرتب ہونا شروع
 ہوئے اور وجود اپنی حیات کے مراحل سے گزر تا ہوا انسان کی صورت
 میں ظہور پذیر ہوا اور ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اولین نمونہ انسانیت
 اور خلافت الہیہ کے عہدہ دار بن کر روئے زمین پر وارد ہوئے اور پھر
 آپ کے بعد سے ہر مصلح بشریت جس نے انسانیت کے عروج اور انسانوں کی
 فلاح و بہبود کیلئے اسکو اسکے خالق حقیقی سے متعارف کرانے کی کوشش
 کی، کسی نہ کسی صورت میں اپنے دور کے خودپرست افراد کی سرکشی اور
 انانیت کا سامنا کرتے ہوئے مصائب و آلام سے دوچار ہوتا رہا دوسری طرف

تاریخ کے صفحات پر ان مصلحین بشریت کے کچھ ہمدردوں اور جانثاروں کے نام بھی نظر آتے ہیں جو ہر قدم پر انسانیت کے سینہ سپر ہو گئے اور در حقیقت ان سرکش افراد کے مقابلے میں ان ہمدرد اور مخلص افراد کی جانفشانیوں کے نتیجے میں آج بشریت کا وجود برقرار ہے ورنہ ایک مصلح قوم یا ایک نبی یا ایک رسول کس طرح اتنی بڑی جمعیت کا مقابلہ کر سکتا تھا جو ہر آن اسکے در پئے آزار ہو یہی مٹھی بھر دوست اور فداکار تھے جن کے وجود سے مصلحین کے حوصلے پست نہیں ہونے پاتے تھے۔

مرور ایام کے ساتھ پرچم اسلام آدم (ع) و نوح (ع) و عیسیٰ و ابراہیم علیہم السلام کے ہاتھوں سر بلندی و عروج حاصل کرتا ہوا ہمارے رسول کے دست مبارک تک پہنچا اور عرب کے ریگزار میں آفتاب رسالت نے طلوع ہو کر ہر ذرہ کو رشک قمر بنا دیا، ہر طرف توحید کے شادیانے بجنے لگے از زمین تا آسمان لا الہ الا اللہ کی صدائیں باطل کے قلوب کو مرتعش کرنے لگیں، محمد رسول اللہ کا شور دونوں عالم پر محیط ہو گیا اور تبلیغ الہی کا آخری ذریعہ اور ہدایت بشری کے لئے آخری رسول رحمت بنکر عرب کے خشک صحرا پر چھاتا ہوا سارے عالم پر محیط ہو گیا دوسری طرف باطل کا پرچم شیطان و نمرود، فرعون و شداد کے ہاتھوں سے گذرتا ہوا ابولہب، ابو جہل اور ابوسفیان کے ناپاک ہاتھوں بلند ہونے کی ناپاک کاوشوں میں مصروف ہو گیا۔ رسول کے کلمہ توحید کے جواب میں ایذا رسانی شروع ہو گئی اور حق و باطل کی طرح برسر پیکار ہو گئے ایسے عالم میں کہ ایک طرف مکہ کے

خاص و عام تھے اور دوسری طرف بظاہر ایک تنگ دست اور کم سن جوان جس کے اپنے اس کے مخالف ہو چکے تھے۔ لیکن پیغام الہی کی عظمت، مصائب کی کثرت پر غالب تھی اور ہر اذیت کے جواب میں رسول اللہ کا جوش تبلیغ اور زیادہ ہوتا جاتا تھا۔

ایسے کسمپرسی کے عالم میں جہاں ایک طرف آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی ہر ممکنہ مدد کی وہیں دوسری طرف آپ کی پاک دامن زوجہ حضرت خدیجہ نے آپ کی دلجوئی اور مدارات کے ذریعہ آپ کو کفار مکہ سے پھیننے والی تمام تکالیف کو یکسرہ فراموش کرنے پر مجبور کر دیا۔ حضرت خدیجہ نے آپ کی زبان سے خبر بعثت سنتے ہی اُمنّا و صدقنا کہہ کر آپ کی رسالت کی پہلے ہی مرحلے میں تائید کر دی جناب خدیجہ کا یہ اقدام رسول اکرم کیلئے بہت حوصلہ افزاء ثابت ہوا آپ کی اسی تائید و تعاون کو رسول اکرم آپ کی وفات کے بعد بھی یاد فرماتے رہتے تھے اور اکثر و بیشتر آپ کی زبان اقدس پر حضرت خدیجہ کا تذکرہ رہتا تھا (1)

عائشہ نے جب آپ کے اس فعل پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ خدیجہ ایک ضعیفہ کے سوا کچھ نہیں تھی اور خدا نے آپ کو اس سے بہتر عطا کر دی ہے (عائشہ کا اشارہ اپنی طرف تھا) تو حضور ناراض ہو گئے (2)۔ اور غضب کے عالم میں فرمایا کہ خدا کی قسم خدا نے مجھ کو اس سے بہتر عطا نہیں کی واللہ لقد امنت بی انکفر الناس و اوتیني اذرفضني الناس و صدقتني انکذبني الناس (3) خدا کی قسم وہ (خدیجہ) اس وقت مجھ پر ایمان لائی جب

لوگ کفر اختیار کئے ہوئے تھے اس نے مجھے اس وقت پناہ دی جب لوگوں نے مجھے ترک کر دیا تھا اور اس نے میری اس وقت تصدیق و تائید کی جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے۔

خاندان و نام و نسب

شجر اسلام کی ابتدائی مراحل میں آبپاری کرنے والی اور وسطی مراحل میں اس کی شاخوں کو نمو بخشنے والی یہ خاتون قریش کے اصیل و شریف گھرانے میں پیدا ہوئی۔ روایات میں آپ کی ولادت عام الفیل سے پندرہ سال قبل ذکر ہوئی اور بعض لوگوں نے اس سے کم بیان کیا ہے آپ کے والد خویلد ابن اسد بن عبد العزی بن قسی کا شمار عرب کے دانشمندوں میں ہوتا تھا اور آپ کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بن رواحہ ہیں (4) آپ کا خاندان ایسے روحانی اور فداکار افراد پر مشتمل تھا جو خانہ کعبہ کی محافظت کے عہدہ دار تھے۔ جس وقت بادشاہ یمن ”تبع“ نے حجر اسود کو مسجد الحرام سے یمن منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت خدیجہ کے والد ذات تھی جنہوں نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جس کے نتیجہ میں مجبور ہو کر ”تبع“ کو اپنے ارادہ سے منصرف ہو نا پڑا (5) حضرت خدیجہ کے جد اسد بن عبد العزی پیمان حلف الفضول کے ایک سرگرم رکن تھے یہ پیمان عرب کے بعض با صفا و عدالت خواہ افراد کے درمیان ہوا تھا جس میں متفقہ طور پر یہ عہد کیا گیا تھا کہ مظلومین کی

طرف سے دفاع کیا جائے گا اور خود رسول اکرم بھی اس پیمان میں شریک تھے (6) ”ورقہ بن نوفل“ (حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی) عرب کے دانشمند ترین افراد میں سے تھے اور انکا شمار ایسے افراد میں ہوتا تھا جو بت پرستی کو نا پسند کرتے تھے ی (7) اور حضرت خدیجہ کو چندین بار اپنے مطالعہ کتب عہدین کی بنا پر خبر دار کرچکے تھے کہ محمد اس امت کے نبی ہیں۔ (8) خلاصہ یہ کہ اس عظیم المرتبت خاتون کے خاندان کے افراد، متفکر، دانشمند اور دین ابراہیم کے پیرو تھے۔

تجارت

ایسے با عظمت افراد کی آغوش عاطفت کی پروردہ خاتون کی طبیعت میں اپنے آبا و اجداد کی طرح رفیق و دانشمندی کی آمیزش تھی جس کے سبب آپ نے اپنے والد کے قتل کے بعد ان کی تجارت کو بطریقہ احسن سنبھال لیا اور اپنے متفکر اور زیرک ذہن کی بنا پر اپنے سرمایہ کو روز افزوں کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی تجارت با تجربہ اور با کردار افراد کے توسط سے عرب کے گوشہ و کنار تک پھیلی ہوئی تھی روایت کی گئی ہے کہ ”ہزاروں اونٹ آپ کے کارکنان تجارت کے قبضہ میں تھے جو مصر، شام اور حبشہ جیسے ممالک کے اطراف میں مصروف تجارت تھے“ (9) جن کے ذریعہ آپ نے ثروت سرشار حاصل کر لی تھی۔

آپ کی تجارت ایسے افراد پر موقوف تھی جو بیرون مکہ جاکر اجرت پر

تجارت کے فرائض انجام دے سکیں چنانچہ حضرت ختمی مرتبت کی ایمانداری، شرافت، اور دیانت کے زیر اثر حضرت خدیجہ نے آپ کو اپنی تجارت میں شریک کر لیا اور باہم قرار داد ہوئی اس تجارت میں ہونے والے نفع اور ضرر میں دونوں برابر شریک ہوں گے۔ (10) اور بعض مورخین کے مطابق حضرت خدیجہ نے آپ کو اجرت پر کاروان تجارت کا سربراہ مقرر کیا تھا۔ (11) لیکن اس کے مقابل دوسری روایت ہے جس کے مطابق رسول اللہ اپنی حیات میں کسی کے اجیر نہیں ہوئے۔ (12) بھر کیف حضرت کاروان تجارت کے ہمراہ روانہ شام ہوئے حضرت خدیجہ کا غلام میرہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ (13) بین راہ آپ سے کرامات سرزد ہوئیں اور راہب نے آپ میں علائم نبوت کا مشاہدہ کیا اور ”میسرہ“ کو آپ کے نبی ہونے کی خبر دی۔ (14) تمام تاجروں کو اس سفر میں ہر مرتبہ سے زیادہ نفع ہوا جب یہ قافلہ مکہ واپس ہوا تو سب سے زیادہ نفع حاصل کرنے والی شخصیت خود پیام اکرم کی تھی جس نے خدیجہ کو خوش حال کر دیا اس کے علاوہ میسرہ (غلام خدیجہ) نے راستے میں پیش آنے والے واقعات بیان کئے جس سے حضرت خدیجہ آنحضرت کی عظمت و شرافت سے متاثر ہو گئیں۔

ازدواج

حضرت خدیجہ کی زندگی میں برجستہ و درخشندہ ترین پہلو آپ کی حضرت رسالت مآب کے ساتھ ازدواج کی داستان ہے جیسا کہ سابقہ ذکر ہوا کہ

”حضرت خدیجہ کی تجارت عرب کے اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی تھی اور آپ کی دولت کا شہرہ تھا“ چنانچہ اس بنا پر قریش کے دولت مند طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد چندین بار پیغام ازدواج پیش کرچکے تھے، لیکن جنکو زمانہ جاہلیت میں ”طاہرہ“ کہا جاتا تھا (15) اپنی پاکدامنی اور عفت کی بنا پر سب کو جواب دے چکی تھیں حضرت جعفر مرتضیٰ عاملی تحریر فرماتے ہیں ”ولقد كانت خدیجہ علیہا السلام من خیرة النساء القریش شرفا واکثر هن مالا واحسنهن جمالا ويقال لها سيدة القریش وکل قومها کان حریصاً علی الاقتران بها لو یقدر علیها (16)الصحيح من سیرة النبي الاعظم ج2/ص107)

”حضرت خدیجہ قریش کی عورتوں میں شرف و فضیلت، دولت و ثروت اور حسن و جمال کے اعتبار سے سب سے بلند و بالاتھیں اور آپ کو سیدہ قریش کہا جاتا تھا اور آپ کی قوم کا ہر افراد آپ سے رشتہ ازدواج قائم کرنے کا خواہاں تھا“

حضرت خدیجہ کو حبالہ عقد میں لانے کے متمنی افراد میں ”عقبہ ابن ابی معیط“ ”صلت ابن ابی یعاب“ ”ابو جہل“ اور ”ابو سفیان“ جیسے افراد تھے جن کو عرب کے دولتمند اور باحیثیت لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا (17) لیکن حضرت خدیجہ باوجودیکہ اپنی خاندانی اصالت و نجابت اور ذاتی مال و ثروت کی بنا پر بے شمار ایسے افراد سے گھری ہوئی تھیں جو آپ سے ازدواج کے متمنی اور بڑے بڑے مہر دیکر اس رشتے کے قیام کو ممکن بنانے کیلئے ہمہ

وقت آمادہ تھے ہمیشہ ازدواج سے کنارہ کشی کرتی رہتی تھیں کسی شریف اور صاحب کردار شخص کی تلاش میں آپ کا وجود صحراء حیات میں حیران و سرگرداں تھا ایسے عالم میں جب عرب اقوام میں شرافت و دیانت کا خاتمہ ہو چکا تھا، خرافات و انحرافات لوگوں کے دلوں میں رسوخ کر کے عقیدہ و مذہب کی شکل اختیار کر چکے تھے خود باعظمت زندگی گزارنا اور اپنے لئے کسی اپنے ہی جیسے صاحب عز و شرف شوہر کا انتخاب کرنا ایک اہم اور مشکل مرحلہ تھا، ایسے ماحول میں جب صدق و صفا کا فقدان تھا آپ کی نگاہ انتخاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آکر ٹھہر گئی جن کی صداقت و دیانت کا شہرہ تھا، حضرت خدیجہ نے کم ظرف صاحبان دولت و اقتدار کے مقابلے میں اعلیٰ ظرف، مجسمہ شرافت و دیانت اور عظیم کردار کے حامل رسول کو جو بظاہر تنگ دست، یتیم اور بے سہارا تھے ترجیح دے کر قیامت تک آنے والے جوانوں کو درس عمل دے دیا کہ دولت و شہرت اور اقتدار کی شرافت، عزت اور کردار کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ المختصر برسر اقتدار افراد کو مایوس کرنے والی ”خدیجہ“ نے باکمال شوق و علاقہ از طرف خود پیغام پیش کر دیا (18) اور مہر بھی اپنے مال میں قرار دیا جس پر حضرت ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھنے کے بعد فرمایا ”لوگوں گواہ رہنا“ ”خدیجہ“ نے خود کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کیا اور مہر بھی اپنے مال میں قرار دیا ہے اس پر بعض لوگوں نے ابوطالب علیہ السلام پر طنز کرتے ہوئے کہا یا عجاہ! المہر علی النساء للرجل (تعجب ہے مرد عورت کے مال

سے مہر کی ادائیگی کرے) جس پر حضرت ابوطالب نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے غضب کے عالم میں فرمایا، ”اذاکانوا مثل ابن اخي هذا طلبت الرجل باغلي الاثمان وان كانوا امثالكم لم يزوجوا الا بالمهر الفالي“ (19) (اگر کوئی مرد میرے اس بھتیجے کے مانند ہوگا تو عورت اس کو بڑے بھاری مہر دے کر حاصل کرینگے لیکن اگر وہ تمہاری طرح ہوا تو اسکو خود گرانو بھاری مہر دیکر شادی کرنا ہوگی) ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت نے اپنا مہر (جو بیس بکرہ نقل ہوا ہے) خود ادا کیا تھا (20) اور ایک روایت کے مطابق آپ کے مہر کی ذمہ داری حضرت علی نے قبول کر لی تھی، حضرت کی عمر کے سلسلے میں تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ سے آپ نے پہلی شادی 25/سال کی عمر میں کی لیکن خود حضرت خدیجہ کی عمر کے بارے میں اکثر اختلاف وارد ہوا ہے چنانچہ 30، 28، 25 اور 40 سال تک بہت کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں (21) لیکن معروف ترین قول یہ ہے کہ آپ کی عمر شادی کے وقت 40 سال تھی۔ (22)

آیا حضرت خدیجہ (ع) رسول سے قبل شادی شدہ تھیں؟

اس مسئلہ میں کہ آیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ عقد میں آنے سے قبل حضرت خدیجہ دوسرے افراد کے ساتھ بھی رشتہ مناکحت سے منسلک رہ چکی تھیں یا نہیں تاریخ کے مختلف اوراق پر متعدد راویوں کے

اقوال میں کثیر اختلاف واقع ہوا ہے چنانچہ بعض راویوں کے نزدیک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کرنے سے قبل حضرت خدیجہ شادی شدہ تھیں اور سابقہ شوہروں سے آپ کی اولاد میں بھی ہوئیں تھیں تاریخ کے مطابق آپ کے سابق شوہروں کے نام بالترتیب ”عتیق بن عایذبن عبد اللہ فخرویی“ اور ”ابوہالہ تمیمی“ ہیں (23) اس کے علاوہ خود آنحضرت کے بارے میں روایت وارد ہوئی ہے کہ ”عائشہ“ کے علاوہ آپ نے کسی کنواری خاتون سے شادی نہیں کی تھی (24) لیکن یہ تمام روایات جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت خدیجہ شادی شدہ تھیں اور رسول سے قبل بھی دوسرے کی شریک حیات رہ چکی تھیں، دلائل اور دوسری روایات معتبرہ کی روشنی میں صحیح نظر نہیں آتیں، بلکہ تمام تاریخ کو سیاست کے ہاتھوں مسخ کئے جانے کی ناکام کوششوں میں سے ایک کا نتیجہ ہیں۔

تجزیہ و تحلیل

(1) ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ ”مرتضیٰ شامی میں اور ابو جعفر تلخیص میں رقم طراز ہیں کہ ”ان النبی تزوج وکانت عذراء“ (25) نبی نے آپ سے شادی کی درحالیہ آپ کنواری تھیں۔“ اس کے علاوہ اسی مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوئی ہے جو ثابت کرتی ہے ”ان رقیہ وزینب کانتا بتی ہالہ اخت خدیجہ (26) رقیہ اور زینب خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں (نہ کہ خدیجہ کی)۔“

(2) ابوالقاسم کوفی کا بیان ہے کہ ”خاص و عام اس بات پر متفق ہیں کہ تمام اشراف سربرآوردہ افراد حضرت خدیجہ سے ازدواج کے آرزومند تھے لیکن خدیجہ کے بلند معیار کے سامنے ان کی دولت کی فراوانی اور شان و شوکت ہیچ نظر آتی تھی یہی وجہ تھی کہ حضرت خدیجہ نے سب کے رشتوں کو ٹھکرا دیا تھا لیکن زمانے کی حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب اسی خدیجہ نے عرب کے صاحبان مال و زر اور فرزندان دولت و اقتدار کو ٹھکرا کر حضرت رسالت مآب سے رشتہ ازدواج قائم کر لیا جن کے پاس مال دنیا میں سے کچھ نہ تھا اسی لئے قریش کی عورتیں خدیجہ سے تحیر آمیز ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے سوال کر بیٹھیں کہ اے خدیجہ! تو نے شرف و امراء قریش کو جواب دے دیا اور کسی کو بھی خاطر میں نہ لائی لیکن یتیم ابوطالب کو جو تنگ دست و بے روزگار ہے انتخاب کر لیا اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت خدیجہ نے مکہ کے صاحبان دولت و ثروت کو رد کر دیا تھا اور کسی سے بھی شادی کرنے پر آمادہ نہیں تھیں، دوسری طرف اس روایت کی رد سے جو سابقاً ذکر ہوئی آپ کے ایک شوہر کا نام ”ابوہالہ تمیمی“ ہے جو بنی تمیم کا ایک اعرابی تھا، عقل انسانی اس بات پر متحیر ہو جاتی ہے کہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی اشراف کے پیغام کو ٹھکرا دے اور ایک اعرابی کو اپنے شریک حیات کے طور پر انتخاب کر لے، علاوہ براین اس سے بھی زیادہ تعجب کا مقام یہ ہے کہ خدیجہ کے اشراف کو نظر انداز کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (جو خاندانی اعتبار سے بلند

مقام کے حامل تھے) انتخاب کرنے پر توفیریش کی عورتیں انگشت نمائی کرتی نظر آئیں لیکن ایک اعرابی سے شادی کے خلاف عقل فعل پر، پر سخن زمانہ ساکت رہ جائے (الصحيح من سيرة النبي الاعظم ج/2 ص/123) اس دلیل کی روشنی میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت خدیجہ نے رسول سے قبل کوئی شادی نہیں کی تھی اور اگر کی ہوتی تو زمانے کے اعتراضات تاریخ میں محفوظ ہوتے۔

(3) بعض لوگوں نے حضرت خدیجہ کے شادی شدہ ہونے پر اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ ”راہ اسلام کا اولین شہید حارث بن ابی ہالہ فرزند حضرت خدیجہ ہے (27)

مذکورہ بالا روایت کے مقابلے میں دوسری روایات جن کی سند میں معتبر ہیں ”ابو عمار اور ام عمار“ کو اسلام کے پہلے شہید کی صورت میں پیش کرتے ہیں ”ان اول شہید في الاسلام سمیه والدہ عمار“ (28) (اسلام کی راہ میں پہلی شہید ہونے والی سمیہ والدہ عمار ہیں) اور ابن عباس اور مجاہد کی روایت کے مطابق ”قتل ابو عمار و ام عمار اول قتيلین قتل من المسلمین“ (29) اسلام کی راہ میں شہید ہونے والے پہلے افراد ابو عمار اور ام عمار ہیں۔ ان روایات سے کاملاً رد ہوتی ہے کہ یہ شخص جسکو حضرت خدیجہ کے بیٹے کی حیثیت سے تاریخ کے صفحات پر مرقوم کر دیا گیا ہے اسلام کی راہ میں قربان ہونے والا پہلا شہید تھا، لہذا معلوم نہیں ہے کہ اس شخص کا وجود خارجی تھا بھی یا نہیں چہ جائیکہ حضرت خدیجہ کا فرزند ہونا پائے ثبوت

کو پہنچے۔

4) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ کی ایک بہن تھیں جن کا نام ’ہالہ‘ تھا اس ہالہ کی شادی ایک فخری شخص کے ساتھ ہوئی جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام ’ہالہ‘ تھا، پھر اس ہالہ اولی (خواہر خدیجہ (ع)) سے ایک بنی تمیم سے تعلق رکھنے والے شخص نے شادی کر لی جو ابوہند کے نام سے معروف ہے اس تمیمی سے ہالہ کے ایک بیٹی پیدا ہوا جس کا نام ہند تھا اور اس شخص ابوہند تمیمی (شوہر خواہر خدیجہ) کی ایک اور بیوی تھی جسکی دو بیٹیاں تھیں ’رقیہ اور ’زینب‘ کچھ عرصے کے بعد ابو ہند کی پہلی بیوی جو رقیہ اور زینب کی ماں تھی فوت ہو گئی اور پھر کچھ ہی مدت کے بعد ’ابوہند‘ بھی دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس کا بیٹا ’ہند‘ جو ہالہ سے تھا اور دو بیٹیاں جو اس کی پہلی بیوی سے تھیں جن کا نام تاریخ، رقیہ اور زینب ذکر کرتی ہے ’خدیجہ‘ کی بہن کے پاس باقی رہ گئے جن میں سے ہند اپنے باپ کی موت کے بعد اپنی قوم بنی تمیم سے ملحق ہو گیا اور ’ہالہ‘ (حضرت خدیجہ کی بہن) اور اس کے شوہر کی دونوں بیٹیاں حضرت خدیجہ کے زیر کفالت آگئے، اور آنحضرت سے آپ کی شادی کے بعد بھی آپ ہی کے ساتھ رہیں اور آپ ہی کے گھر میں دیکھا گیا تھا اس لئے عرب خیال کرنے لگے کہ یہ خدیجہ ہی کی بیٹیاں ہیں اور پھر ان کو حضرت سے منسوب کر دیا گیا لیکن حقیقت امر یہ تھی کہ رقیہ اور زینب حضرت خدیجہ کی بہن ’ہالہ‘ کے شوہر کی بیٹیاں تھیں (الصحيح من سيرة النبي الاعظم

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں بات پائے ثبوت کو پہنچی ہے کہ حضرت خدیجہ رسول کے حوالہ عقد میں آنے سے قبل غیر شادی شدہ تھیں اور آپ کے شوہروں اور فرزندوں کے نام جو تاریخ میں نظر آتے ہیں یا تو کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہیں یا سیاست کے ہاتھوں عظمت رسول کو کم کرنے کی ایک ناکام کوشش، مذکورہ دلائل کے علاوہ بھی حلیٰ اور نقضی جوابات دئے گئے ہیں جو تاریخ کی اس حقیقت سے پردہ اٹھانے والے ہیں لیکن یہ مختصر مضمون ان تمام دلائل اور روایات کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے، آپ کی اولاد میں حضرت فاطمہ زہرا کے علاوہ کوئی فرزند زندہ نہیں رہا۔

رسول کی بعثت اور حضرت خدیجہ کا ایمان لانا

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد عورتوں میں جس شخصیت نے سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائی وہ حضرت خدیجہ کی ذات گرامی ہے (30) طبری نے واقعی سے روایت کی ہے کہ ”اجتمع اصحابنا علی ان اول اهل القبلة استجاب لرسول الله خدیجہ بنت خویلد (31) علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والی حضرت خدیجہ کی ذات گرامی ہے (خود رسول اکرم صلی یللہ ع لیه وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ”والله لقد امنت بي اذ كفر الناس واويتني اذ رفضني الناس وصدقني

انكذبني الناس (32) خداكي قسم وه (خديجه) مجھ پر اس وقت ايمان لائي جب لوگ كفر اختيار كئے ہوئے تھے اس نے مجھے اس وقت پناه دي جب لوگوں نے مجھے ترك كر ديا تھا اور اس نے ايسے موقع پر ميري تصديق كي جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے)

حضرت علي عليه السلام فرماتے هيں : لم يجمع بيت واحد يومئذ في الاسلام غير رسول الله وخديجه وانا ثالثها (33) وه ايسا وقت تهاجب روئے زمين پر كوئي مسلمان نه تها بجز اس خاندان كے جو رسول اور خديجه پر مشتمل تها اور ميں ان مينكي تيسري فرد تها (ابن اثير كايان هے : اول امراء ؤ تزوجها واول خلق الله اسلم بالاجماع المسلمين لم يتقد مهاوجل ولا امراء ؤ) (34) حضرت خديجه پھلي خاتون هيں جن سے آنحضرت نے رشتنه ازدواج قائم كيا اور اس امر پر بهي مسلمانوں كا اجماع هے كه آپ سے پھلے نه كوئي مرد ايمان لايا اور نه كسي عورت نے اسلام قبول كيا)۔

آنحضرت كي حضرت خديجه (ع) سے محبت و عقيدت

حضرت خديجه كي آنحضرت كي نگاه ميں محبت و عقيدت اور قدر و منزلت كا اندازہ اس بات سے لگايا جاسكتا هے كه آپكي زندگي ميں آنحضرت نے كسي بهي خاتون كو اپني شريك حيات بنانا گوارا نهين كيا (35) آپ كے بارے ميں حضرت كا ارشاد هے كه ”خديجه اس امت كي بهترين عورتوں مينسے ايک هے

(36) آپ کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ آپ کو یاد فرماتے رہے (37) عائشہ کابیان ہے کہ مجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی زوجہ سے اتنا حسد نہیں ہوا جتنا خدیجہ سے ہوا حالانکہ خدیجہ کی وفات مجھ سے قبل ہو چکی تھی اور اس حسد کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت آپ کا تذکرہ بہت زیادہ فرماتے تھے (38) چنانچہ یہی سبب ہے کہ دوسری جگہ عائشہ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ ”ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہ کی تعریف فرما رہے تھے مجھے حسد پیدا ہوا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ خدیجہ ایک ضعیفہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھی جو مرگئی اور خدانے آپ کو اس سے بہتر عطا کر دی ہے (عائشہ کا اشارہ اپنی طرف تھا) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر ناراض ہو گئے (39) اور غضب کے عالم میں فرمایا ”لا والله ما ابد لني الله خير امنها امنت بي اذ كفر الناس وصدقنتي اذ كذبتني الناس وواستني بها لها اذ حرمني الناس ورزقني منها الله ولدادون غيرها من النساء“ (40) خدا کی قسم خدانے مجھ کو اس سے بہتر عطائیں کی وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگ کفر اختیار کئے ہوئے تھے اس نے میری اس وقت تصدیق کی جب لوگ مجھ کو جھٹلا رہے تھے اور اس نے اپنے مال کے ذریعہ میری اس وقت مدد کی جب لوگوں نے مجھے ہر چیز سے محروم کر دیا تھا اور خدانے صرف اسی کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائی اور میری کسی دوسری بیوی کے ذریعہ مجھے صاحب اولاد نہیں کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب سے آنحضرت کی حضرت خدیجہ کیلئے

محبت اور عقیدت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے خدیجہ کا اسلام کیلئے اپنا اور سب کچھ قربان کر کے بھی اسلام کی نشر و اشاعت کا جذبہ ہی تھا جس نے اسلام کو دنیا کے گوشہ و کنار تک پہنچنے کے مواقع فراہم کئے اور یہی سبب تھا کہ ”حضرت نے آپ کو خدا کے حکم سے جنت کی بشارت دیدی تھی“ عائشہ سے مسلم نے روایت نقل کی ہے کہ ”بشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنت خویلد ببیت فی الجنة“ (حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ سلام اللہ علیہا کو جنت کی بشارت دی تھی) (41) حضرت خدیجہ اور ابوطالب رسول کے دو ایسے مدافع تھے جنکی زندگی میں کفار قریش کی طرف سے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا لیکن رسول کے یہ دونوں جانثار ایک ہی سال بہت مختصر وقفہ سے یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو گئے اور روایات کے مطابق رسول پر دونوں مصیبتیں ہجرت سے تین سال قبل اور شعب ابی طالب سے باہر آنے کے کچھ روز بعد واقع ہوئیں (42) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن قرار دیا (43) اور یہ مصیبت رسول کیلئے اتنی سخت تھی کہ رسول خانہ نشین ہو گئے اور آپ نے حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات کے بعد باہر نکلنا بہت کم کر دیا تھا (44) ایک روز کسی کافر نے آپ کے سر پر خاک ڈال دی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی حالت میں گھر میں داخل ہوئے آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے ”مانالت منی قریش شیا اکرہ حتی مات ابوطالب“ (45) قریش ابوطالب کی زندگی میں مجھ کو کوئی گزند نہیں پہنچا

سکے) آپ حضرت ابوطالب اور خدیجہ کی زندگی میں اطمینان سے تبلیغ میں مصروف رہتے تھے خدیجہ گھر کی چھار دیواری میں اور ابوطالب مکہ کی گلیوں میں آپ کے مدافع تھے حضرت خدیجہ جب تک زندہ رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطمینان و سکون کا سبب بنی رہیں دن بھر کی تبلیغ کے بعد تھک کر چور اور کفار کی ایذا رسانیوں سے شکستہ دل ہو جانے والا رسول جب بجھے ہوئے دل اور پڑمردہ چہرے کے ساتھ گھر میں قدم رکھتاتو خدیجہ کی ایک محبت آمیز مسکراہٹ رسول کے مرجھائے ہوئے چہرے کو پھر سے ماہ تمام بنا دیا کرتی تھی، خدیجہ کی محبتوں کے زیر سایہ کشتی اسلام کا ناخدا عالمین کیلئے رحمت بنکر دنیا کی ایذا رسانیوں کو بھلا کر ایک نئے جوش و جذبے اور ولولے کے ساتھ ڈوبتے ہوئے ستاروں کا الوداعی سلام اور مشرق سے سرا بھارتے ہوئے سورج سے خراج لیتا ہوا ایک بار پھر خانہ عصمت و طہارت سے باہر آتا اور باطل کو لرزہ بر اندام کرنے والی لالہ الا اللہ کی بلند بانگ صداؤں سے مکہ کے درو دیوار ہل کر رہ جاتے کفار جمع ہوتے رسول پر اذیتوں کی یلغار کر دیتے لیکن انسانیت کی نجات اور انسانوں کی اصلاح کا خواب دل میں سجائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش آئند مستقبل کے تصور میں ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے رہے اور آپ کے اسی صبر و تحمل اور آپ کی پاکدامن زوجہ کے تعاون اور جانثاری سے آج ہم مسلمانان جہان پرچم توحید کے علمبردار رسول کے اس خواب اصلاح

کوشرمندہ تعبیر کرنے کے لئے آپ کے اس آخری جانشین کے انتظار
میں سرگرداں ہیں جو زمین کو عدل و انصاف سے پر کر دیگا۔

حوالے — حضرت خدیجہ تاریخ کے آئینہ میں

- 1- صحیح مسلم / 2435/76/44، ترمذی کتاب مناقب حدیث / 3901، کنز العمال ج / 13/ص/693
- 2- اسد الغابہ ج/5 ص / 438 ، مسلم فضائل صحابہ / 3437 ، البدایہ و النہایہ ج/ 3 ص / 158
- 3- بحار ج/ 16 ص/ 12 ، اسد الغابہ ج/ 5 ص / 439
- 4- طبقات ابن سعد ج/ 1 ص / 88
- 5- سیرة هشام ج/ 4 ص / 281 ، الاصابہ ج / 4 ص / 281، طبری ج / 3 ص / 33
- 6- البدایہ و النہایہ ج / 2 ص / 262
- 7- سیرة حلیہ ج / 1 ص / 131 ، طبقات ابن سعد ج/ 1 ص / 86 ، حیات النبی و سیرتہ ج / 1 ص / 60
- 8- سیرة هشام ج/ 1 ص / 259
- 9- البدایہ و النہایہ ج/ 2 ص / 362 ، سیرة هشام ج / 1 ص / 338
- 10- بحار ج / 16 ص / 22
- 11- البدایہ و النہایہ ج / 2 ص / 258
- 12- البدیۃ و التاریخ ج / 2 ص / 47
- 13- تاریخ یعقوبی ج / 1 ص / 376
- 14- بدایہ و النہایہ ج / 2 ص / 358 ، طبری ج / 2 ص / 204
- 15- الکامل فی التاریخ ج/ 1 ص / 472 ، دلائل النبوة ج / 2 ص / 66

- 16- سيرة حليبه ج / 1 ص / 135 ، البدايه و النهايه ج / 2 ص / 358 ، الكامل في التاريخ ج / 1 ص / 472
- 17- السيرة النبويه (دحلان) ج / 1 ص / 92
- 18- البدايه و النهايه ج / 2 ص / 358 ، بحار الانوار ج / 16 ص / 22
- 19- بحار الانوار ج / 16 ص / 22
- 20- سيرة حليبه ج / 1 ص / 140 ، طبري ج / 2 ص / 205
- 21- الصحيح من سيرة النبي ج / 2 ص / 112- 113 ، بحار الانوار ج / 16 ص / 14
- 22- سيره هشام ج / 1 ص / 227
- 23- البدايه و النهايه ج / 2 ص / 360 ، البدء و التاريخ ج / 2 ص / 48
- 24- سيره حليبه ج / 1 ص / 140 ، الصحيح من سيرة النبي الاعظم ج / 2 ص / 115
- 25- فروغ ابديت ج / 1 ص / 198
- 26- سيره حليبه ج / 1 ص / 140
- 27- طبري ج / 3 ص / 36
- 28- مناقب آل ابيطالب ج / 1 ص / 206 ، الصحيح من سيرة النبي الاعظم ج / 2 ص / 122
- 29- مناقب آل ابيطالب ج / 1 ص / 26
- 30- الاصابه ج / 1 ص / 293
- 31- الاصابه ج / 4 ص / 335 ، اسد الغايه ج / 5 ص / 481 ، حياة النبي ج / 1 ص / 121
- 32- الصحيح من سيرة النبي الاعظم ج / 2 ص / 125
- 33- الانساب الاشراف ج / 2 ص / 23 ، الاصابه ج / 8 ص / 99 ، سيرة هشام ج / 1 ص / 277 ، طبري ج / 2 ص / 221 - 232
- 34- تاريخ طبري ج / 2 ص / 232

35-بحار الانوار ج / 16 ص / 12 ، اسد الغابه ج / 2 ص / 439

36- نهج البلاغه (خطبه قاصعه)

37- اسد الغابه ج / 5 ص / 434

38- البدء و التاريخ ج / 2 ص / 48 ، اسد الغابه ج / 5 ص / 360

39- الاصابه ج / 8 ص / 101 ، اسد الغابه ج / 5 ص / 431 ، سنن ترمذي كتاب مناقب / 3